

الصلوة والسلام عليك يا نور الله

معاشیات

صلی اللہ
علیہ وسلم

نظام مصطفیٰ

تصنیف

شیخ القرآن

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور

مُعَاشِيَاتِ نِظْمِ مُصْطَفَا

مُصْطَفَا عَلِي رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ

تالیف
مفتی غلام سرور قادری ایم اے اہل سنت
ایم اے عربی علوم اسلامیہ و فرائض شرعی مدظلہ پاکستان

ناشر

مکتبہ رضویہ، جامعہ رضویہ (ڈرہٹ)
سنٹرل کمرشل مارکیٹ
ماڈل ٹاؤن لاہور

محمد حقوق بچی ناشر محفوظ ہیں

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	انتساب	۳	۱۴	میں میں ایک بھی مفلس نہ رہا	۲۹
۲	اظہار خیال	۱۳	۱۵	اسلام کے معاشی اصول	۳۰
۳	تقدیر	۱۵	۱۸	قرآن کی روشنی میں	
۴	نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ	۱۶	۲۱	معاشی حقوق میں سب برابر ہیں	۳۱
۵	کفایت واحدہ	۱۶	۲۲	فائدہ	۳۲
۶	اتحاد و اعداد	۱۸	۲۳	سب کو برابر حقوق معاش فراہم کرنا سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے	۳۳
۷	آغاز	۲۱	۲۴	ضرورت اور سہولت کے مختلف احکام	۳۴
۸	نظام مصطفیٰ اور مسئلہ اقتصاد و معاش	۲۲	۲۵	مسادات و بہبودی کے مواقع	۳۵
۹	اقتصاد و معاش کا مفہوم	۲۳	۲۶	اسلامی نظام معیشت میں کوئی بھی مجبور کا نہیں رہ سکتا۔ کیا ضرورت خدا کی تقدیر سے ہے	۳۶
۱۰	مقصود بحث	۲۴	۲۷	عالم حکمرین و عالم تشریع	۳۷
۱۱	نظام مصطفیٰ کی معاشی اساس	۲۵	۲۸	فلسفہ تفاوت و رجاء و بند	۳۸
۱۲	موجودہ معاشی ناہمواری اسلام کی نظر میں	۲۶	۲۹	اپنا اپنا فرض	۳۹
۱۳	بے تشہ معاشی خوشحالی	۲۷	۳۰	تنگدستی اور اسلام	۴۰
۱۴	موجودہ معاشی ناہمواری کا ذمہ دار کون؟	۲۸	۳۱	تنگدستی اور اسلام	۴۱
۱۵	اسلام کے معاشی نظام کی خوبیاں	۲۹	۳۲	زیادہ سے زیادہ دولت کا نئے کی حالت	۴۲

نام کتاب ----- معاشیات نظام مصطفیٰ
مؤلف ----- مفتی غلام سرور قادری ایچ ایم اسلام آباد
شیر دفاقی شریعی عدالت پاکستان

صفحات و سائز ----- ۲۲۲ ، ۲۳۲ × ۱۶
ایڈیشن ----- سوم ۲۰۰۷ء

تعداد اشاعت ----- گیارہ سو (۱۱۰۰)

قیمت ----- 160 روپے
مطبع ----- مکی مدنی پرنٹرز، بی اردو بازار لاہور

ناشر ----- مکتبہ رضویہ جامعہ رضویہ (ٹرٹ)
سنٹرل کمرشل مارکیٹ، قلعہ قون لاہور

فون: ۵۸۳۶۲۶۴ / ۵۸۳۶۲۶۵

فون فیکس: ۵۸۳۶۲۶۱

مکاتبت ----- محمد حسین خان و جامعہ ہند

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۰	ضرورت سے ناکمال مال کا رکھنا	۴۲	۴۸	اولاد میں حکم مسافات	۶۳
۳۱	احتکار کی مانعت کا غلط	۴۳	۴۹	ترجیحی سلوک کی صورت	۶۴
۴۲	احتکار کی تعریف	۴۵	۵۰	ہر فرد کو ضروریات زندگی	۶۵
۳۳	اسلام میں جانور مال کے چارہ	۴۵	۵۱	مفت حاصل ہوں	۶۵
۳۴	احتکار بھی منوع ہے	۴۶	۵۱	اجتماعی حقوق کس ترتیب میں	۶۶
۳۵	احتکار کے جواز کی ایک صورت	۴۶	۵۲	حقوق	۶۸
۳۵	بدوقت ضرورت ذخیرہ اندوزی	۴۷	۵۳	نقد حق سے قیصر کا فائدہ	۶۹
۳۶	تاجروں کے ذخیروں کو زبردستی	۴۷	۵۴	ضرورت مندوں کی دقتیں	۷۰
۳۷	تقسیم کیا جائے	۴۸	۵۵	ایک عجیب واقعہ	۷۰
۳۸	انفرادی حیثیت	۴۸	۵۵	حضرت عمرؓ کا عیال کی خوش حالی	۷۱
۳۹	پس مندی کو پیشہ بنانا جائز نہیں	۵۰	۵۶	کے لئے نکر مند ہونا	۷۱
۴۰	مسئلہ بھیک	۵۱	۵۶	حیثیت کیلئے نقصان کا معاوضہ	۷۲
۴۱	وضاحت	۵۲	۵۷	سرباہ ملکیت کو بھنگائی کی فکر	۷۵
۴۲	بھیک کی مانعت	۵۱	۵۸	اسلام کے مالیاتی نظام پر ایک نظر	۷۶
۴۳	اقارب کی کفالت	۵۱	۵۹	نذاریع آمد مصارف	۷۶
۴۴	نمان و نفقہ	۵۱	۶۰	زکوٰۃ - فلسفہ زکوٰۃ	۷۷
۴۵	وجوب نفقہ	۵۳	۶۱	نفل حج سے غریبوں کی امداد بہتر ہے	۷۹
۴۶	تلاش رزق	۶۱	۶۲	ضرورت مندوں کی ضرورت کو	۸۱
۴۷	عیاشی کی مانعت	۶۲	۶۳	پرہیز کرنا مسجد کی تعمیر سے بہتر ہے	۸۲
۴۸	اخراجات میں میاں دوی کا حکم	۶۳	۶۴	پاکستان کی ترقی آمدنی اور زکوٰۃ	۸۲
۴۹	وصیت پر پابندی	۶۴	۶۵	اموال ظاہرہ و باطنہ	۸۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۹	نذاریع کا حق	۸۲	۸۵	سب سے پہلے میں زمین کے خراج لینے کا حکم	۱۰۰
۵۰	مصارف زکوٰۃ کی تفصیل	۸۵	۸۶	شرعی اور خراجی پانی	۱۰۱
۵۱	فی سبیل اللہ کی تفصیلی بحث	۸۶	۸۷	خراج کی قسمیں - جزیرہ	۱۰۲
۵۲	اثر اربعہ کا مستحق علیہ مروت	۸۷	۸۸	اسلام کے معاشی نظام میں غریبوں کو	۱۰۳
۵۳	بعض ائمہ کا مذہب	۸۸	۸۹	سے حسن سلوک	۱۰۴
۵۴	تجدید نصاب	۸۹	۹۰	سقوط جزیرہ	۱۰۵
۵۵	فقیر و مسکین میں فرق - مولفہ القلم	۹۰	۹۱	جزیرہ کی مقدار - ایک بیوی کا	۱۰۶
۵۶	مقامی متقیین کو ترجیح	۹۱	۹۲	عجیب واقعہ	۱۰۷
۵۷	باشیوں کیلئے زکوٰۃ	۹۲	۹۳	غیر مسلم نادہندوں کے ساتھ سلوک	۱۰۸
۵۸	امام طحاوی کی رائے	۹۳	۹۴	تقدسالی میں قطع ہیک کی مانعت	۱۰۹
۵۹	جیلہ یا تدبیر	۹۴	۹۵	حضرت علیؓ کی ایک تحصیل دار کو وصیت	۱۱۰
۶۰	کس کس چیز سے عشر دیا جائے	۹۵	۹۶	جزیرہ کے مسائل - وقف	۱۱۱
۶۱	عشر کا نصاب	۹۶	۹۷	کرہ الارض	۱۱۲
۶۲	عشر زمین کا کرایہ ہے	۹۷	۹۸	عشر (کشم ڈیوٹی)	۱۱۳
۶۳	عشری زمین	۹۸	۹۹	من آمد	۱۱۴
۶۴	ہندو پاک کی زمین کا حکم	۹۹	۱۰۰	عشر کی شرعی حیثیت	۱۱۵
۶۵	عرب کی زمین عشری ہے	۱۰۰	۱۰۱	ضرائب (بھگائی ٹیکس)	۱۱۶
۶۶	عشر و نصف عشر کی صورت	۱۰۱	۱۰۲	نظام مصطفیٰؐ میں موجود بے سبب	۱۱۷
۶۷	عشر زمیندار پر یا مزارع پر	۱۰۲	۱۰۳	ٹیکسوں کی گنجائش نہیں	۱۱۸
۶۸	عشر و خراج کا مصرف	۱۰۳	۱۰۴	اسلام جان و مال کا تحفظ دیتا ہے	۱۱۹
۶۹	زمین کے عشری ہونے کی صورتیں	۱۰۴	۱۰۵	خجے - خمس غنیمت - صدقات	۱۲۰

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۲	اموال غاصلہ - کافین - دغینے	۱۳۹	کی تعلیم و تعلیم پر دغینے	۱۳۹	کی تعلیم و تعلیم پر دغینے
۱۰۳	سورہی ٹیکس و دوائج مواصلات	۱۴۱	تعلیم قرآن پر تنخواہ	۱۴۱	تعلیم قرآن پر تنخواہ
۱۰۴	برقیات سیاحت و زیارت تجارت	۱۴۲	تعلیم حدیث کا معاوضہ	۱۵۰	تعلیم حدیث کا معاوضہ
۱۰۵	صنعت - کورٹ فیس	۱۴۳	علماء کی کفالت	۱۵۱	علماء کی کفالت
۱۰۶	گزارہ الاونس اور تنخواہیں	۱۴۴	رشتہ کی رسالت ہدیہ کے احکام	۱۵۲	رشتہ کی رسالت ہدیہ کے احکام
۱۰۷	فرج کی تنخواہیں	۱۴۵	رشتہ کی توفیق	۱۵۳	رشتہ کی توفیق
۱۰۸	شیرخوار بچہ کا دغینے	۱۴۶	مجبوری میں رشتہ کا مسئلہ	۱۵۴	مجبوری میں رشتہ کا مسئلہ
۱۰۹	بچوں سے ہمدردی	۱۴۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل	۱۵۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل
۱۱۰	بچہ کے ساتھ بچہ کے غلبہ پر غصہ	۱۴۸	سب مال ضرورت مندوں میں تقسیم ہونا	۱۵۶	سب مال ضرورت مندوں میں تقسیم ہونا
۱۱۱	غلیظہ وقت کو جب کسی بچہ کی ولادت	۱۴۹	خارجی کا ایک قریبی رشتہ سے بڑا	۱۵۷	خارجی کا ایک قریبی رشتہ سے بڑا
۱۱۲	کا علم ہوتا تو وہ درخواست طلب	۱۵۰	حضرت عمرؓ کا ایک سافرعہ کی ذکر کرنا	۱۵۸	حضرت عمرؓ کا ایک سافرعہ کی ذکر کرنا
۱۱۳	کے بغیر بچہ کا دغینے جاری کر دینا	۱۵۱	خزائن کے کنارے پر اگر کوئی اوٹ	۱۵۹	خزائن کے کنارے پر اگر کوئی اوٹ
۱۱۴	بیت کا ترکہ وارثوں کیلئے اور اس کے	۱۵۲	مرحائے تو غرض اس کا بھی جواب ہے	۱۶۰	مرحائے تو غرض اس کا بھی جواب ہے
۱۱۵	عیال کا خرچہ اور وجہ دا	۱۵۳	اسلامی ریاست کا نصب العین	۱۶۱	اسلامی ریاست کا نصب العین
۱۱۶	قرض حکومت کے ذمہ	۱۵۴	حضرت عمرؓ کا ردنا	۱۶۲	حضرت عمرؓ کا ردنا
۱۱۷	علماء اساتذہ ائمہ اور	۱۵۵	سورنے کے ذمہ و تلافی تقسیم کر دیئے	۱۶۳	سورنے کے ذمہ و تلافی تقسیم کر دیئے
۱۱۸	مؤذنوں اور طلباء کے وظائف	۱۵۶	حضرت علیؓ کا بیت المال میں چھانڈ دینا	۱۶۴	حضرت علیؓ کا بیت المال میں چھانڈ دینا
۱۱۹	فقرا و مسالین اور بے روزگاروں	۱۵۷	بیت المال کی فاضل دولت کی تقسیم	۱۶۵	بیت المال کی فاضل دولت کی تقسیم
۱۲۰	کے لئے وظائف	۱۵۸	بیت المال کی فاضل دولت کے مصارف	۱۶۶	بیت المال کی فاضل دولت کے مصارف
۱۲۱	حضرت ابو عبیدہ بن جراح کا	۱۵۹	کم دینے والے کو بددعا	۱۶۷	کم دینے والے کو بددعا
۱۲۲	حضرت عمرؓ کو شہر دینا - قرآن مجید	۱۶۰	رضی و رزعت - اراضی کی تقسیم	۱۶۸	رضی و رزعت - اراضی کی تقسیم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۹	ٹیک اور تیل کی کافین	۱۴۰	مزارعت کی شرطیں	۱۴۰	مزارعت کی شرطیں
۱۳۰	ارضی موات کا مسئلہ	۱۴۱	انفادات و مسائل	۱۴۱	انفادات و مسائل
۱۳۱	جوزین آباد کرے وہی اس کا مالک	۱۴۲	اسلام کے نظام میشت میں	۱۴۲	اسلام کے نظام میشت میں
۱۳۲	زمین کا آباد کرنا ضروری خود کرے یا کرائے	۱۴۳	مزارعت کی اہمیت	۱۴۳	مزارعت کی اہمیت
۱۳۳	ذاتی ملکیت کا مسئلہ	۱۴۴	کاشتکاری پر مشتمل حضرت آدم علیہ السلام	۱۴۴	کاشتکاری پر مشتمل حضرت آدم علیہ السلام
۱۳۴	بازر طریقے سے تجارت و سرمایہ کاری	۱۴۵	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چاہئے	۱۴۵	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چاہئے
۱۳۵	کی اجازت	۱۴۶	کشتی کے تین اصول	۱۴۶	کشتی کے تین اصول
۱۳۶	غریبوں کا ہمدرد اسلام سے	۱۴۷	حدیث مذکور کا پس منظر	۱۴۷	حدیث مذکور کا پس منظر
۱۳۷	کسی کی جائز کمائی پر ناجائز قبضہ	۱۴۸	حضرت کا غیب کی خبر دینا کہ	۱۴۸	حضرت کا غیب کی خبر دینا کہ
۱۳۸	قومی ملکیت کی اصطلاح	۱۴۹	کسانوں پر ظلم ہونے لگے	۱۴۹	کسانوں پر ظلم ہونے لگے
۱۳۹	تحدید ملکیت	۱۵۰	کسانوں پر سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں	۱۵۰	کسانوں پر سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں
۱۴۰	نظام وراثت - محمد تقی امینی	۱۵۱	کے بہیمانہ مظالم	۱۵۱	کے بہیمانہ مظالم
۱۴۱	کی غلط فہمی	۱۵۲	اشتراکی اور سوشلسٹ ملکوں میں مزدور	۱۵۲	اشتراکی اور سوشلسٹ ملکوں میں مزدور
۱۴۲	اراضی مفتوحہ	۱۵۳	اور کسانوں کے ساتھ ناروا سلوک	۱۵۳	اور کسانوں کے ساتھ ناروا سلوک
۱۴۳	امام نووی کا سلطان مصر کو گروں	۱۵۴	محنت کشوں کے متعلق اسلام کی	۱۵۴	محنت کشوں کے متعلق اسلام کی
۱۴۴	کی زمینوں کو سرکاری تحویل میں	۱۵۵	روح پروردہ بات	۱۵۵	روح پروردہ بات
۱۴۵	لینے سے منع کرنا	۱۵۶	محنت کش کی مزدوری جلدی ادا کرو	۱۵۶	محنت کش کی مزدوری جلدی ادا کرو
۱۴۶	تقی امینی کی ایک اور خیانت	۱۵۷	مزدوروں کا منافع میں حصہ	۱۵۷	مزدوروں کا منافع میں حصہ
۱۴۷	زمین کو مزارعت بنائی پر دینے کا مسئلہ	۱۵۸	زمیندار اور کسان کا مسئلہ	۱۵۸	زمیندار اور کسان کا مسئلہ
۱۴۸	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر نفوی	۱۵۹	کاشتکار اور زمیندار کا صحیح مقام	۱۵۹	کاشتکار اور زمیندار کا صحیح مقام
۱۴۹	مسئلہ مزارعت	۱۶۰	دونوں برابر کے کاروباری ہیں	۱۶۰	دونوں برابر کے کاروباری ہیں

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۹۱	مزارعت میں از مقتضای حدیثوں طہیق	۲۲۲	۱۶۹	نیت کے بدل جانے عقد کا حکم	۲۲۹
۱۹۲	آب پاشی	۲۲۵		بدل جانا ہے	
۱۹۳	مسلمان زمین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں	۲۲۶	۱۸۰	سود سے بچنے کی تدابیر	۲۵۱
۱۹۴	عائتو پانی بچنے والا روایات خدا کے	۲۲۸	۱۸۱	بیک	۲۵۲
	فصل سے محروم ہوگا۔		۱۸۲	کو آپریٹو سوسائٹیاں	۲۵۵
۱۹۵	آبیانہ	۲۲۹	۱۸۳	نظام مصطفیٰ کا اقتصادی نقشہ	۲۵۶
۱۹۶	شہ صنف و حرفت	۲۳۰	۱۸۴	اعمال دہائی کے اجتماعی ادارے	۲۵۷
۱۹۷	صنف و حرفت کی اقسام	۲۳۱	۱۸۵	جاسو دینکاری	۲۵۸
۱۹۸	اقوام عالم سے مفاد کا حکم	۲۳۲	۱۸۶	غیر ملکوں سے لین دین	۲۵۹
۱۹۹	مستحق ترقی آنحضرت کے دور میں	۲۳۳	۱۸۷	بینکوں میں بنیادی تبدیلیاں	۲۶۰
۲۰۰	سود کا خاتمہ	۲۳۴	۱۸۸	شرکت و مضارعت	۲۶۱
۲۰۱	سود پر برابر	۲۳۵	۱۸۹	بینکوں کی حیثیت	۲۶۲
۲۰۲	نفع کی شرط سے فرض حرام ہے	۲۳۶	۱۹۰	حضرت ابو موسیٰ اشعری (رحمہ اللہ)	۲۶۳
۲۰۳	قرض واپس لیتے ہوئے کچھ زیادہ دینا	۲۳۷		گورنر کا دو تاجروں کو بیت المال	
۲۰۴	قرض بلا سود کا ثواب	۲۳۸		سے قرض دینا۔	
۲۰۵	مجبوری کی صورت میں سود	۲۳۹	۱۹۱	حضرت عمر کا حضرت بندہ رحمہ اللہ	۲۶۴
	غیر ملک قرضوں کا حکم			حضرت ابوسنیان کو ضمانت پر قرض دینا	
	فلسفہ حرمت سود		۱۹۲	حضرت عثمان کا مضاربیت پر سرمایہ دینا	۲۶۵
۲۰۶	مسئلہ سود میں ایک بنیادی قاعدہ	۲۴۰	۱۹۳	عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے	۲۶۶
۲۰۷	بھٹس کا مطلب	۲۴۱		کیلئے حکومت اور تاجروں کو ہدایات	
۲۰۸	سود سے بچنے کی تدابیر	۲۴۲	۱۹۴	مردم محمول چونگی	۲۶۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۹۵	قیمتوں پر کنٹرول	۲۴۴	۲۱۱	معاشی حالات کو بہتر بنانے	۲۸۲
۱۹۶	حجران فروشی کا سد باب	۲۴۸		کے تین قیمتی اصول	
۱۹۷	اضطرار	۲۴۹	۲۱۲	عزت اسلام سے ہی ہے	۲۸۵
۱۹۸	بیعہ کا مسئلہ	۲۵۱	۲۱۳	حکومت کے اعلیٰ کی چار شرطیں	۲۸۶
۱۹۹	مصدقہ کا بیع	۲۵۲	۲۱۴	دور حاضر کے کچھ اہم سوالات	۲۸۸
۲۰۰	جس پر قبضہ نہ کیا اس کا نفع	۲۵۳		اور ان کے جوابات	
	بھی ضرور		۲۱۵	نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق	۲۸۹
۲۰۱	بولی کا حکم	۲۵۴	۲۱۶	قرض میں کٹوتی اور چٹائی	۲۹۰
۲۰۲	بہنگائی کے بنیادی اسباب	۲۵۵	۲۱۷	حوت خرید میں کمی بیشی	۲۹۲
۲۰۳	بہنگائی کے حتمی طریقے	۲۵۶		یور حکومت کا فرض	
۲۰۴	بیع باطل اور بیع فاسد	۲۵۷	۲۱۸	قرض اور شرح مبادلہ میں تبدیلی	۲۹۳
۲۰۵	بیع مکروہ - بیع سلم	۲۵۸	۲۱۹	قرضوں کی جدید نوعیت	۲۹۴
۲۰۶	عیاشی اور تکلفات کی حد تک تمام	۲۵۹	۲۲۰	مسترضہ میں شرط	۲۹۵
۲۰۷	عیاشی کرنا لے دو گروہ	۲۶۰	۲۲۱	مسئلہ انشورنس (بیمہ)	۲۹۶
۲۰۸	عیاشی کی روک تھام کا فقہی قانون	۲۶۱	۲۲۲	انعامی بانڈ	۲۹۸
۲۰۹	حکومت کے اعلیٰ افسران	۲۶۲	۲۲۳	لوٹ	۲۹۹
	کیلئے ہدایات فادق اعظم			فاضل بریلوی کے معاشی	
۲۱۰	گاندھی کی اپنے مشیروں اور	۲۶۳	۲۲۴	نکات جدید معاشیات	۳۰۰
	دنیوں کو نصیحت			کے آئینہ میں	
			۲۲۵	تمام محبت	۳۲۲

تعارف مصنف

پیر طریقت ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب تو ایسی شخصیت ہیں۔ جو کہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ لیکن میری سوچ میں جناب کی زندگی سے متعلق کچھ اہم معلومات موجود ہیں جن پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اکثر و بیشتر عام انسان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت کی بنیادی تعلیم کون سی خوش نصیب درس گاہ میں ہوئی کہ جس نے ایسے عظیم انسان تخلیق کئے۔ ہر انسان کی سب سے پہلی درس گاہ اُس کی ماں کی گود ہی ہوتی ہے۔ جتنی وہ گود مقدس و مکرم ہوگی اتنی ہی اُس کی اولاد کی تربیت اعلیٰ ہوگی آپ آج کسی بھی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یقیناً آپ کی نظر سے بڑی بڑی شخصیات کے تذکرے ضرور گزرتے ہوں گے۔ وہاں ان شخصیات کی تربیت کی پہلی بنیادی چیز اور عظیم درس گاہ ”ماں کی گود“ کے ہی ثمرات ملتے ہیں جو کہ ایک عام انسان کو عظیم انسان بنانے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت میں اُس پہلی درس گاہ کی تربیت کے ہی اثرات ہیں کہ آپ بہترین عالم دین باعمل، بہترین مفتی، بہترین مدرس، بہترین محقق و مصنف، بہترین شیخ الطریقت و شیخ التفسیر اور بہترین شیخ الحدیث ہیں آپ کی طبع شریف میں انتہائی نرمی، حلم بردباری برداشت اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے آپ سابق صوبائی وزیر برائے مذہبی امور و اوقاف پنجاب اور بانی و مہتمم جامعہ رضویہ (فرسٹ) سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف اور قرآن مجید کے مترجم بھی ہیں اب جناب

حضرت صاحب کی بنیادی تعلیم کے متعلق تفصیلی معلومات پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین کو علم ہو جائے کہ آپ نے تعلیم و تربیت اور روحانی تربیت کہاں سے حاصل کی۔

ولادت :- آپ کے آباؤ اجداد سادات و شرفاء بخارا سے ہیں جو حضرت سید جلال الدین بخاری علیہ الرحمۃ کے ہمراہ بخاری سے کشمیر آئے پھر اوج شریف ضلع بہاولپور آکر آباد ہوئے۔ آپ کی ولادت موضع کچی لعل نزد اوج شریف تحصیل غلام ضلع مظفر گڑھ میں بروز جمعرات مورخہ ۱۲ - اکتوبر ۱۹۳۹ء کو خدا بخش علیہ الرحمۃ کے گھر میں ہوئی۔ آپ کے دادا بزرگوار محمد موسیٰ علیہ الرحمۃ اور پردادا محمد جوہر علیہ الرحمۃ تھے۔

ابتدائی تعلیم :- آپ نے سب سے پہلے ناظرہ قرآن مجید اپنے پڑوسی بزرگ عالم مولانا غلام نبی خورشیدی علیہ الرحمۃ سے عرصہ تین چار ماہ میں پڑھ کر مکمل کیا۔ اس کے بعد آپ نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول موضع بن والا میں حاصل کی اور مڈل تک کی تعلیم کے لئے موضع لکس کے گورنمنٹ سکول میں داخلہ لیا وہاں سے مڈل کا امتحان انتہائی اعلیٰ پوزیشن میں پاس کیا بعد ازاں دیگر دینی تعلیم کے لئے مخدوم حسن محمود بن غلام میراں شاہ کے گاؤں جمال الدین والی علاقہ صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں استاذ العلماء والفصلاء حضرت علامہ حکیم غلام رسول علیہ الرحمۃ سے اکتساب فیض کیا اور ان سے آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب کے ساتھ شرح تہذیب قطبی کے اوائل شرح وقایہ اولین، اصول الشاشی، نور الانوار اور علم طب کی میزان طب، طب اکبر و موجز وغیرہ پڑھیں۔

1958ء میں ذریعہ غازی خان میں استاذ العلماء علامہ مولانا غلام

جہانیاں صاحب سے نور الانوار، شرح جامی، مولانا عبد الغفور صاحب سے قطبی، میر قطبی، ملا جلال، حمد اللہ شرح وقایہ اخیرین، میبذی التصریح، اقلیدس، مشکوٰۃ شریف،

جلالین ہدایہ اولین، جامی، مقامات حریری، حماسہ، مثنوی، تصوف، لواح جامی، لواح جامی اور مثنوی شریف پڑھیں۔

1961ء ملتان میں غزالی زماں رازی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید

کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مدرسہ انوار العلوم میں داخلہ لیا۔ استاذ العلماء جناب مولانا عبد الکریم سے تفسیرات احمدیہ پڑھی اور حضرت مفتی امجد علی خاں صاحب سے توضیح وتلویح، مسلم الثبوت و ہدایہ اخیرین پڑھیں۔

پھر مفتی اعظم حضرت مفتی سید مسعود علی قادری سے جلالین و علم میراث پڑھا اور فتویٰ نویسی سیکھی۔ آخر میں حضرت علامہ قبلہ کاظمی شاہ صاحب سے مناظرہ رشیدیہ، شرح عقائد، خیالی اور دورہ حدیث شریف پڑھ کر سند فراغت علم حاصل کی۔

عملی زندگی کا آغاز :- علوم وفنون اور فتویٰ نویسی کے علم سے فراغت کے بعد قبلہ

کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی نظر عنایت والقیات نے بطور نائب مفتی آپ ہی کا انتخاب فرمایا۔ کچھ عرصہ کے بعد ہی حکومت پاکستان نے قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو بہاولپور یونیورسٹی میں بطور پروفیسر حدیث مقرر فرمایا تو قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے جن قابل ترین تلامذہ کو بہاولپور ساتھ لے جانے کے لئے منتخب فرمایا ان میں آپ بھی شامل تھے۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب نے بہاولپور یونیورسٹی سے

1965-1966ء میں ایم اے اسلامک لاء یعنی تخصص فی الفقہ والقانون

الاسلامی کی سند حاصل کی اور حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے فرمان پر اپنی مادر علمی مدرسہ انوار العلوم واپس آکر استاذ الحدیث، مفتی و صدر شعبہ افتاء کے فرائض

سنجالے۔ 1977ء میں حضرت علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمۃ کی خواہش

پر قبلہ مفتی صاحب جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور شیخ الحدیث و شیخ الادب

العربی مقرر ہوئے اسی دوران صدر انجمن تہذیب الاسلام میں مارکیٹ گبرگ آپ کو جامعہ مسجد غوثیہ گبرگ لے آئے۔ جہاں عرصہ 12 سال تک جامع مسجد غوثیہ کے خطیب رہے اور یہاں جامعہ غوثیہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور 1990ء تک اسی درسگاہ کے ناظم اعلیٰ و شیخ الحدیث رہے اور انتہائی خوش اسلوبی محنت خلوص اور لگن سے کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہم کنار ہوئے۔ بعد ازاں جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر نقشبندی قادری نے ماڈل ٹاؤن سوسائٹی سے چار کنال کا رقبہ حاصل کر کے قبلہ مفتی صاحب کے سپرد کیا اور ان کے پُر خلوص تعاون کے ساتھ آپ نے ماڈل ٹاؤن سنٹرل کمرشل مارکیٹ میں اپنی ذاتی دینی درسگاہ کا آغاز فرمایا جو کہ تقریباً عرصہ 17 سال سے انتہائی کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ جامعہ رضویہ ٹرسٹ سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن میں درج ذیل شعبہ جات کی انتہائی کامیابی کے ساتھ سرپرستی فرما رہے ہیں۔ یہ جامعہ رضویہ ایک ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے سینئر ٹرینی حضرت قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب آپ کے بڑے بیٹے ڈاکٹر احمد سعید قادری ڈپٹی مینیجنگ ٹرینی اور جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر سیکرٹری جنرل ہیں حضرت قبلہ مفتی صاحب کے دوسرے صاحبزادے جناب علامہ محمد وحید قادری جامعہ کے ناظم اعلیٰ، تعلیمات و مالیات ہیں۔ شعبہ جات: شعبہ تحفیظ القرآن، شعبہ تجوید و قراءات، شعبہ درس نظامی، شعبہ کمپیوٹر، شعبہ تخصص فی الفقہ و الحدیث و القانون الاسلامی اور شعبہ نشر و اشاعت شامل ہیں حضرت قبلہ مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادری کی جتنی بھی تصانیف ہوگی ان کی اشاعت کے لیے مستقلاً عمدہ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور کے نام سے ادارہ معرض وجود میں لایا گیا ہے جس کے زیر اہتمام آپ کی تمام تصانیف اشاعت

ہوگی اور وہی ادارہ آپ کی تمام مطبوعات کے حقوق کا تحفظ کرے گا۔ آپ کی تصانیف تقریباً 55 کے قریب ہیں جن میں خاص اہمیت کا حامل ترجمہ قرآن مجید، عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن ہے جو کہ اس صدی کا ایک عظیم الشان تجدیدی کارنامہ ہے جلد چھپ کر منظر عام پر آ رہا ہے۔ انشاء اللہ ایمان افروز اور تحقیقی شاہکار و تصانیف خود مطالعہ کریں اور عزیز واقارب میں تحفہ پیش کریں یہ آپ کی سعادت ہو گی اور اس سے خیر و برکت کا وافر حصہ نصیب میں آئے گا انشاء اللہ۔

آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں!

- (1)۔ درود و سلام و شان خیر الانام ﷺ
- (2)۔ در امکان کذب باری تعالیٰ
- (3)۔ مقام علم و علماء
- (4)۔ شرح "الفصل الموهبے"
- (5)۔ خلافت اسلامیہ اور مغربی جمہوریت
- (6)۔ معجزہ شوق اقر
- (7)۔ قاضی اور سربراہ مملکت
- (8)۔ بیعت کی اہمیت و ضرورت
- (9)۔ مسئلہ ایصال ثواب
- (10)۔ مسئلہ تصویر (تصویر کا جواز)
- (11)۔ ندائے یا محمد یا رسول اللہ ﷺ
- (12)۔ نماز سے متعلق تین اہم مسئلے
- (13)۔ پروفیسر طاہر القادری کا علمی و تحقیقی جائزہ (14)۔ تفسیر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
- (15)۔ شذیذ غصہ میں دی گئی خلاق کا شرعی حکم (16)۔ تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم
- (17)۔ مسئلہ صلوٰۃ و مقام قبل اذان
- (18)۔ اسلام میں نیکوں کی شرعی حیثیت
- (19)۔ سورہ کہن مع اردو ترجمہ و تفسیر
- (20)۔ حج اور قربانی
- (21)۔ عید اسلام
- (22)۔ نجات الوالدین النکرمین

- (23) - معرفت خداوندی
(24) - پردہ کی شرعی حیثیت
(25) - سورۃ ملک مع ترجمہ و تفسیر
(26) - ذکر و وسیلہ
(27) - الشاہ احمد رضا بریلوی
(28) - عالم برزخ
(29) - مسئلہ علم غیب و وسیلہ
(30) - الوطائف القادر یہ
(31) - قرآن کیسے جمع ہوا؟
(32) - فضائل اہل بیت
(33) - مجموعہ حیات اولیاء
(34) - عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن
(35) - شرح جامی کا اردو ترجمہ
(36) - حالات امام بخاری علیہ الرحمۃ
(37) - مسئلہ فہرستیں
(38) - جہاد اسلامی (اردو - انگلش)
(39) - معجزات مصطفیٰ ﷺ
(40) - مسائل و فضائل زکوٰۃ و صدقات (اردو - انگلش)
(41) - انصافیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
(42) - اسلام کا قانون شہادت
(43) - معاشیات نظام مصطفیٰ ﷺ
(44) - لباس مسنون
(45) - ایکشن یا سلیکشن
(46) - علماء اور حکمرانوں کے درمیان تعلق کی اہمیت
(47) - اسلام میں داڑھی کی شرعی حیثیت
(48) - تحفہ مکیہ
(49) - تہتر اسلامی فرقے اور ان کی تاریخ و عقائد (50) - تین اہم مسئلے (حی علی الغلج پر کھڑا ہونا
(51) - تحفہ مومن
(52) - شہید غصہ کی طلاق
(53) - قیام تعظیم
(54) - چتر یہ الغفار عن تکذیب الاشرار
(55) - شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(ردامکان کذب)

ان درج بالا کتب کے علاوہ حضرت کا ماہانہ مجلہ ماہنامہ البر لاہور کے نام سے عرصہ ۷۷ سال مکمل اور اٹھارویں سال کا آغاز ہو چکا ہے جو کہ امت مسلمہ کے لئے بالخصوص شائع ہو رہا ہے انتہائی اہم موضوعات پر مضامین، تبصرے اور حالات حاضرہ پر ادارے اور لوگوں کے برنس کی تشہیر اس کے حسن و قدر میں اضافے کا باعث ہو رہی ہے آج ہی اخبار ہا کر یا کب اسٹار سے نام لے کر ماہنامہ البر لاہور طلب فرمائیں تاکہ آپ اپنے گھریلو ماحول کو دینی، روحانی اور اصلاحی پہلو میں خود کفیل بنائیں۔ یوں تو آپ کی ہر کتاب علم کا ایک خزانہ ہے مگر وہ کتابیں جو آپ نے کسی کے جواب میں ”علمی و تحقیقی جائزہ“ کے نام سے لکھیں یا کسی کی علمی و تحقیقی افلاط کی نشاندہی میں لکھیں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں مثلاً ”درد و سلام شان خیر الانام“ جناب جسٹس تقی عثمانی دیوبندی عالم کے جواب میں لکھی گئی اور ”ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک کی کتاب تو حید اور وجود باری تعالیٰ کا علمی و تحقیقی جائزہ“ بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے آپ کی کتب ایک بحر بے کراں ہیں دینی روحانی اصلاحی علم حق کے متلاشی ان کتب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ ۱۹۹۸ء میں آپ نے علم نحو کی مشہور کتاب الکافیہ کی عربی شرح الوافیہ پر چار جلدوں پر مشتمل عربی میں تحقیق و تخریج لکھی الکافیہ جو کہ پورے عالم اسلام کے دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی عربی زبان میں شرح فرما کر پنجاب یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی (دکتورہ) کی ڈگری حاصل کی

نیز طبیبہ کالج لاہور میں چار سالہ طب کا کورس کر کے گورنمنٹ سے طبیب کی ڈگری بھی حاصل کی۔

علمی و دینی ذوق :- آپ کے علمی و دینی ذوق کا یہ حال ہے کہ اپنی آبائی زمینیں اور مکانات جو آپ کے ورثے میں آئی تھیں سب بیچ کر مدرسہ اور لائبریری پر خرچ کر دیا اور سارا دن لائبریری میں بیٹھ کر مطالعہ اور تحریر و تدریس میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے صاحبزادوں کو بھی اسی لائن پر چلایا آپ کے بڑے صاحبزادے احمد سعید قادری ہومیوڈاکٹر اور بہترین عالم ہیں جامعہ کے وائس پرنسپل اور درس نظامی پڑھاتے ہیں اور دوسرے صاحبزادے علامہ محمد وحید قادری درس نظامی کے فاضل اور یونیورسٹی سے ایم۔ اے ہیں وہ بھی جامعہ کے استاذ و ناظم اعلیٰ و تعلیمات ہیں اور تیسرے صاحبزادے علامہ محمود عبید قادری درس نظامی سے فارغ و انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد سے ایل ایل بی لاء اینڈ شریعہ ہیں چوتھے بیٹے محمد حماد قادری نے ایف۔ اے کے بعد درس نظامی شروع کیا جو درس نظامی کے دوسرے سال میں زیر تعلیم ہیں اور پانچویں سب سے چھوٹے بیٹے محمد باذل قادری قرآن پاک حفظ کر رہے ہیں۔

تفصیل غیر ملکی تبلیغی دورے، مناظرے :- قبلہ ذاکر مفتی غلام سرور قادری صاحب مصنف کتب کثیرہ، دینی خدمات کے جذبے سے اکثر تبلیغی دورے فرماتے رہتے ہیں۔ صدر جنرل ضیا الحق شہید کے زمانہ میں آپ نے چین کا انتہائی کامیاب سرکاری دورہ کیا۔ جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی درخواست پر آپ جنوبی افریقہ کے

کئی دورے کر چکے ہیں بلکہ ۱۹۸۶ء میں جنوبی افریقہ کے دورے کے دوران (شہر کیپ ٹاؤن) مرزائیوں کے ساتھ تین دن تک مناظرہ ہوتا رہا آخر میں مرزائی لیڈر سلیمان ابراہیم لا جواب ہو کر مرزائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا اور اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح کے کئی مناظروں میں حضرت کاظمی علیہ الرحمۃ نے آپ کو بھیجا تو ان کی دعا سے ہمیشہ آپ کامیاب و فتیاب رہے۔

(لیڈی سمتھ) میں دیوبندی مولانا عبدالرزاق سے علماء دیوبند کی گستاخانہ عبارات پر مناظرہ ہوا جس پر انہوں نے اقرار کیا کہ واقعی یہ عبارات گستاخانہ و کفریہ ہیں اس مناظرہ کی بھی کیسٹ موجود ہے آپ برطانیہ کا بھی چار دفعہ تبلیغی دورہ کر چکے ہیں ایک موقع پر آپ سلطان باہوئرسٹ یو۔ کے ٹھہرے ہوئے تھے کہ مرزا طاہر احمد نے (جنگ) لندن میں ختم نبوت کے حوالے سے ایک بیان دیا جس پر گرفت کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے اسے بھی مناظرہ کا چیلنج کیا جو کہ برطانیہ (جنگ) اخبار کی شہ سرفی سے یہ خبر شائع ہوئی جس پر مرزا طاہر احمد نے مناظرہ کرنے اور گفتگو کرنے سے انکار کر دیا اسی طرح آپ متحدہ عرب امارات کئی مرتبہ تبلیغی دورے فرما چکے ہیں۔ یورپین ممالک جرمنی، ہالینڈ، انگلینڈ، ساؤتھ افریقہ اور متحدہ عرب امارات کے بھی دورے کر چکے ہیں ان ممالک کے علاوہ تقریباً اکثر ممالک میں آپ کے کثیر تعداد میں مریدین ہیں علاوہ ازیں پاکستان میں بھی ارادتمندوں کا ایک وسیع حلقہ موجود ہے چونکہ کویت میں حلقہ ارادت ہے وہاں ایک مرتبہ تشریف لے گئے تو دورہ کویت کے دوران کویت کے سابق وزیر برائے مذہبی امور شیخ

طریقہ علامہ سید یوسف ہاشم الرفاعی جو دین اسلام اور خصوصاً مسلک اہل سنت کی مثالی خدمات سرانجام دے رہے ہیں ان کی موجودگی میں قبلہ مفتی صاحب نے عربی میں خطاب فرمایا اور اعلیٰ حضرت کے کچھ نعتیہ کلام حدائق بخشش کا بھی عربی میں ترجمہ کر کے اس کی تشریح فرمائی۔ جس پر قبلہ رفاعی صاحب بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام حدائق بخشش کا عربی ترجمہ فرمادیں۔ جو کہ مسلک حق اہل سنت کی بہت بڑی خدمت ہوگی اور اہل عرب اس سے خوب استفادہ کر سکیں گے آپ نے پاکستان میں بھی کئی مناظرے کئے جبکہ چچہ وطنی میں ایک مشہور عیسائی پادری سعید مسیح سے دن دن مناظرہ کیا آخر میں وہ بھی آپ کے علمی دلائل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا اور توبہ کر کے مشرف باسلام ہو گیا جو عیسائی پادری تاب ہوا اس کا نام احمد سعید رکھا گیا آج کل وہ کراچی میں ایک مبلغ اسلام کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہا ہے علاوہ ازیں موضع کبیر میں دربار شریف حضرت پناہ سے ملحقہ مسجد میں ایک قابض دیوبندی خطیب نے مناظرے کا چیلنج کیا جب حضرت مفتی صاحب علماء اہل سنت کی معیت میں وہاں پہنچے تو مذکورہ مولوی صاحب میدان سے بھاگ گئے۔ آخر میں ۱۱۳۱ھ بزرگوں کے اساء گرامی جن سے آپ کو خلافت ملی ہے۔

شریعت و طریقت کی سندیں و خلافتیں

- ۱۔ حضرت قبلہ سید احمد سعید کاظمی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ و قادریہ و نقشبندیہ و سہروردیہ کی خلافت۔
- ۲۔ استاذ العلماء و شیخ طریقت حضرت غلام جہانیاں علیہ الرحمہ (ذیروی) سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ چشتیہ معینیہ، فریدیہ کی خلافت۔
- ۳۔ مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ نوریہ کی خلافت۔
- ۴۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مظہریہ مجددیہ کی خلافت۔
- ۵۔ مفتی عرب و عجم قطب مدینہ منورہ ضیاء الامۃ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ کی و سلسلہ اشرفیہ کچھوچھو شریف و سلسلہ بہانیہ کی اور حضرت قطب مدینہ کو حضرت سیدنا علی حسین اشرفی کچھوچھو شریف علیہ الرحمہ اور امام یوسف بن اسماعیل بہانی علیہ الرحمہ سے براہ راست خلافت حاصل تھی۔
- ۶۔ استاذ العلماء فقیہ امت حضرت مفتی محمد اعجاز ولی خاں علیہ الرحمہ (لاہوری) سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ و حنفیہ (شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ) کی خلافت۔
- ۷۔ حضرت سیدنا طہ علاؤ الدین بغدادی علیہ الرحمہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی خلافت۔

۸۔ شیخ الاسلام حضرت امام محمد بن زکریا مدنی انصاری (مدینہ منورہ) سے علوم شریعت کے ساتھ چاروں سلسلوں کی خلافت۔

۹۔ شیخ الاسلام حضرت امام سید محمد بن سید علوی مانگی کی (مکہ مکرمہ) سے چاروں سلسلوں کے علاوہ جملہ بلاد عرب و عجم کے مشائخ کبار کے جملہ سلاسل شریفہ کی اجازت و خلافت۔

۱۰۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ (فیصل آبادی) سے خلافت۔

۱۱۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان سیدی ابو برکات سید احمد الوری رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے خلافت۔

۱۲۔ سلطان الفقراء و الصوفیہ حضرت غلام رسول ریاض آبادی (ماتانی) خلیفہ حضرت پیر سید مر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ سے خلافت۔ یہ تھیں آپ سے متعلق معلوماتی گزارشات جو کہ ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔

اللہ رب العزت ایسے پاکان امت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے آمین

دعا گو

مینجنگ ڈائریکٹر

عمدۃ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور

اظہار خیال

استاذ الادب، رئیس الخطابت، حضرت

علامہ مولانا سید عید القادر شاہ صاحب

حکیمانی ایم اے، ایل ایل بی و فاضل مصلح

یونیورسٹی، راولپنڈی۔

باسمہ تعالیٰ

ناچیز نے کتاب کے جستہ جستہ عنوانات اور زیر بحث مسائل کا مطالعہ کیا۔ قلم تحت کے پیش نظر بالاستیعاب دیکھنے کی سعادت تو حاصل نہ ہو سکی، تاہم جس جس مسئلہ پر غور کیا، اس میں حضرت مصنف کو تحقیق کا دریا سے موجزن پایا۔ حضرت مفتی صاحب قدیم و جدید علوم سے بہ تمام و کمال خبر رکھتے ہیں۔ آپ جہاں دینی علوم میں ایک استاد الحدیث و استاد الادب العربی اور ایک مفتی اسلام کا مقام رکھتے ہیں، وہاں معاشی و اقتصادی علوم میں ایک بلند پایہ مفکر اور چونی کے معنی کا درجہ بھی رکھتے ہیں، زیر مطالعہ کتاب کی بے بہا تحقیقات اس حقیقت کی دلیل وافی ہیں۔ معاشیات جیسے خشک مضمون کو حضرت مصنف نے اپنے طرز نگارش اور حسن ادا سے بڑا رنگین و

حسین اور دلچسپ اور دلربا بنا دیا ہے۔ دو برعاصر میں جس قدر کتب اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھی گئی ہیں انہیں سے اس کتاب کا امتیاز اس کی حسین زبان، فقہی تحقیق اور شرعی موقف و شرعی اصولوں کے میزان پر دو برعاصر کی معاشیات کو پرکھنا ہے۔

اللہ کریم حضرت مصنف کو توفیق رفیق فرمائے کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح کی دینی خدمات اور اپنی بلند پایہ تحقیقات سے مثلاً ثیان علم و آگہی کو فیض یاب فرماتے رہیں۔ آمین۔

عاجز سید عبدالقادر علانی ایم اے ایل

ایل بی فاضل محکمہ یونیورسٹی خلیب
(راولپنڈی چھاؤنی)

قطب

تقدیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا یہ حقیقت بھی محل شک ہو سکتی ہے کہ آپ کے دکھوں
عزیزان گرامی! کا علاج کارل مارکس اور سنین کے نفریات نہیں، کتاب الہی
اور سنت سید المرسلین ہے آپ کے زخموں کا مرہم، ماسکوپنگ اور وائٹنگ میں نہیں۔

گنبد خضر کے سایہ رحمت میں ہے

آپ کی غربت و افلاس اور فاقہ کی دوا دشمنان اسلام کے ساختہ کیپٹیل ازم، شل
ازم اور کمیزم نہیں، خالق حقیقی کا دیا ہوا نظام "نظام مصطفیٰ" صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
اور کیا یہ حقیقت مسلمہ نہیں کہ یہ نظام ہمہ گیر بھی ہے اور فطری بھی جو ہر دوز میں ہر
انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے دل کی کہیے کہ جب یہ حقیقت شک و شبہ
سے بالا اور مسلمہ ہے، تو مغرب کی تہذیب اور دشمنان اسلام کے بین الاقوامی وسیع
پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات سے ہمارے دُور ہونے کا کوئی جواز باقی رہ
جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اگر ہم میں عقل و شعور کے نام کی کوئی چیز موجود ہے، تو ہمیں اس حقیقت کا اعتراف و یقین کرنا پڑے گا کہ جو ہم اقوام عالم میں اپنا مقام جہان بینی و جہان گیری کھو کر مسلسل آلام و مصائب سے دوچار ہوتے جا رہے ہیں اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کر کے یورپ کے باطل اور بیہودہ نظریہ حیات کے تابع ہو چکے ہیں۔

یورپ کی غلامی پر رضا مند ہوا تو!!
مجھ کو تو گم تھ سے ہے یورپ سے نہیں

آئیے! نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ
مطالعہ کیجیے کہ آپ کو از خود محسوس ہوتا
چلا جائے گا کہ نظام مصطفیٰ کا شفقت بھرا ہوا تھا آپ کی مشکلات و مصائب کی بعض کی رفتار پر پوری طرح مادی ہے۔

جب نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عادلانہ طرز عمل اور مساوات محمدی کا منصفانہ طور و طریقہ جاری و نافذ ہوگا تو ہمارا چین حیات جو مطلق العنان آدموں کی ذاتی اغراض اور ہوس پرستی سے پُرمرہ ہو چکا ہے کھل اٹھے گا اور یہ بہار ہو جائے گا۔

ظلم و ستم اور افلاس و فاقہ کے گشا ٹوپ اندھیروں میں بلبل اٹھنے والا۔

نظام مصطفیٰ کے دامن رحمت کو مضبوطی سے تھامو۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ
پر عمل کرتے ہوئے اس کی پناہ میں آ جاؤ جہاں آپ روشنی ہی روشنی دیکھیں گے۔

انصاف کی روشنی، تحفظ حقوق انسانی کی روشنی، امن و اخوت، باہمی انس و الفت
اور محمود و ایاز کو ایک صف میں لا کر کھڑا کرنے والی مساوات حقیقی کی روشنی ہے
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رانا نہ کوئی بندہ نواز

برادران محترم! حالاتِ حاضرہ کا مطالعہ تو کرو، آنکھیں کھول کر تو دیکھو زوں
میں انسانیت دم توڑ رہی ہے۔ محنت کشوں، کسانوں اور کاشت کاروں سے کولہو
کے پیل کی طرح سلوک کیا جا رہا ہے۔ تنقید و احتجاج کی زبان پر مہر سکوت لگا دی گئی
ہے۔ وہاں کے باسیوں کا حال تو معلوم کرو کہ ڈکیتروں کی ڈکیتروں نے انہیں دل کی
بات کہنے کے فطری حق سے محروم کر دیا ہے۔ وہ انسان نما جانور بنا دیئے گئے ہیں۔

خدا را! آئیے اپنے خالق حقیقی کو پہچانیں۔ اس کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات
یعنی نظام مصطفیٰ کو اپنا کر ظاہری و معنوی جہان گیری کا لطف اٹھائیں اور یقین جانیں کہ
اس نظام کو اپنائے بغیر ہماری معاشی اور معاشرتی زندگی کسی نہیں سدھر سکتی۔ البتہ اس
کے برعکس بے دینوں کا پیچہ استبداد اپنی ظالم گرفت میں لے کر ہمیں دردِ در کا محتاج کر کے
رکھ دے گا۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جہم

آج بمطابق الکفر مللۃ واحدة
کفر ملت واحد ایک حقیقت مسلمہ
غیر مسلم اقوام باہمی گٹھ جوڑ کے بڑے

منظم طریقے سے اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ یہ طاغوتی طاقتیں نظام مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنے اور اسے مٹانے کے لئے ہر طرح کے حربے استعمال کر رہی
ہیں اہل کفر کو نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے زبردست خطرہ ہے وہ آپس میں
شورے کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر حافظ ناموس زن مرد آزار مرفوز
چشم عالم سے ہے پوشیدہ یقین تو خوب یہ غیبت کہ خود مومن ہے محروم یقین
توڑ دایں جسکی تجسیریں طلسم شہادت ہونہ روشن اس خدا نیش کی ایک کات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے تابا ط زندگی میں اس کے سب سے رہا

مرت رکھو ذکر و فکر صیگا ہی میں اسے

پختہ ترک و مزاج خالق ہی میں اسے

گذشتہ دنوں سرزمین پاکستان میں غیر مسلم اقوام کے ایجنٹوں کا سوشلزم کا غرہ لگانا اور
نظام مصطفیٰ پر کھلی تنقید کرنا اسی سازش کی ایک کڑی تھی اور بلاشبہ رٹی پکڑے مکان کی
پڑھنے کے مکاتبات صد نظام مصطفیٰ کو روکنے کی ایک کردہ کوشش تھی۔

آج روح سید الشہداء اداوی محبلا سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یزید صفت سرا یا ظلم و تم اور وطن
دشمن اور لادین عناصر کا ساتھ دینے کی بجائے ان کا ساتھ دیجیے جو امام اعظم حضرت ابو حنیفہ شاہ عبدالحق
محدث دہلوی و حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جرات
کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے تن من وھن کی بازی لگا
کر میدانِ عمل میں اترے ہوئے ہیں۔ ایسی کٹھن گھڑی میں خالق بول اور جردوں میں بیٹھ جانے
کی بجائے اسلام اور وطن کی حفاظت کے لئے سراپا سچی عمل بن کر سنتِ نبویؐ کو زندہ کیجیے۔
نکل کر خالق ہوں سے ادا کر رہم نبویؐ کہ فخر خالق ہی ہے فقط اندوہ دیگری

اسلام کے سنہری نظام کی ترویج و تنفیذ کے لئے کوششیں کی جا رہی
استحاد و امداد میں اس سلسلے میں باہمی اتحاد و اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان

کوششوں میں شریکیت عمل ہو جائیے۔

خدا تعالیٰ صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو اسلام کے نظام کو مکمل
دور بلا تاخیر نافذ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

نہ از ساقی نہ از پیماہ گفتیم حدیث عشق بے باکانہ گفتیم
شنیدم آنچہ از پاکان امت ترا با شوخی رندانہ گفتیم

وقت فرصت کہاں کام ابھی باقی ہے

نور توحید کا اہتمام ابھی باقی ہے

مفتی غلام سرور قادری، ایم اے اسلامک ایم اے

عربی، ایم اے علوم اسلامیہ پرنسپل جامعہ غوثیہ بین

مارکیٹ گلبرگ، لاہور

فقط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آغاز

کبھی اے نوجوان مُسلم تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گزروں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے وہ صحرائِ نشین کیا تھے
جہانگیر و جہاندار و جہان بان و جہان آرا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریّا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

نظام مصطفیٰ اوسلہ اقتصاد و معاش

آج جبکہ اقوام عالم اقتصاد معاش کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے ہیں بلکہ ان کے حل کے لئے تمام ممکنہ معاشی بروئے کار لائے ہوئے ہیں۔ لیکن ع ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ کے مصداق اقتصاد و معاش کے مسائل کا بحران روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔

اس امر کی ضرورت ہے کہ پیغمبر آخر زمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے نظام کی روشنی میں اقتصادیات و معاشیات کے بحران کا حل تلاش کیا جاتے ہیں یقین ہے کہ زندگی کے باقی مسائل کی طرح اقتصاد و معاش کے مسائل کا حل بھی نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی موجود ہے۔ بشرطیکہ طلب صادق اور جذبہ عمل شامل حال ہو۔

تجھ سے میری زندگی سوز و تپ درد و داغ
تو ہی میری آرزو تو ہی میری جستجو

اقتصاد و معاش کا مفہوم

اقتصاد و قصد سے اخذ ہے اور قصد کے معنی ارادہ کرنے اور میانہ روی اپنانے

کے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے اَلْقَصْدُ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَىٰ یعنی تنگ دستی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا پریشانیوں سے نجات دلانا ہے اقتصاد (ECONOMY) اور معاش و معیشت (LIVELIHOOD) اگرچہ دو مختلف لفظ ہیں اور ان کے معنی بھی لغوی طور پر الگ الگ ہیں تاہم علم الاقتصاد (ECONOMICS) کی رو سے دونوں ”میانہ روی“ اور چھپی گزر بسر کے ساتھ زندگی گزارنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ ہمیں چونکہ اس کی لفظی بحث کی بجائے اس کی عملی صورت پیش کرنا ہے اور ساتھ ہی اس کے نفاذ میں جو برکتیں مضمر ہیں ہمیں انکی نشاندہی کرنا اس لئے اس کے مقصود بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

مقصود بحث

یہ ہے کہ نظام مصطفیٰ جیسے دوسرے نظموں میں اسلامی نظام بھی کہا جاتا ہے وہ بے مثال نظام ہے جو بلاشبہ خوشحالی اور خوش معیشتی کی مکمل ضمانت (SURETY) دیتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ نظام مصطفیٰ کے سوا کوئی نظام ایسا نہیں جس کے ماننے والے اپنی دولت ہاتھوں پر لے پھرتے ہوں لیکن پوری ریاست میں کوئی لینے والا ہی نہ ملا جو

نظام مصطفیٰ کی معاشی اساس

یہ ہے کہ ہر فرد کو جملہ معاشی ضرورتیں میسر ہوں اور کوئی فرد کسی بھی معاشی ضرورت سے محروم نہ رہے۔ اس لئے یہ نظام ایسے اسباب و علل کا قلع قمع کرتا ہے جو معاشرہ کے افراد کے باہمی

نعم اسبہ اور بوٹ کھوٹ کا موجب بنیں یا جن کے ذریعے کوئی فرد یا جماعت دولت کے ذرائع و وسائل پر قابو پا کر اسے اپنے ہاتھوں میں سمیٹ سکنے کے قابل ہو جس کے نتیجے میں لوگوں کے اندر معاشی توازن قائم نہ رہ سکے۔

موجودہ معاشی ناہمواری اسلام کی نظر میں | انسانوں کے درمیان اس قدر معاشی

کی نظر میں لائق بڑاشت نہیں البتہ لوگوں میں اس حد تک معاشی فرق ایک فطری بات ہے کہ کسی طرح بھی اجتماعی زندگی انفرادیت کی تیغ سے گھائل نہ ہونے پائے اور عوام کی فلاح و بہبود کسی صورت میں بھی چند افراد یا ایک خاص طبقے کی اغراض کے تابع ہو کر نہ رہ جائے

رزق کی وسعت و تنگی بلاشبہ خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ مالی اور معاشی اعتبار سے اس قدر تفاوت کہ کوئی محروم معیشت ہو، مگر کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ ہو یہی ازکرشمہ قدرت ہے۔

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت ہے

اس سسے میں ارشادات الہیہ ملاحظہ ہوں۔

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ

وَيَقْدِرُ ۖ وَاللَّهُ فَضْلٌ بَعُضُهُ عَلَى

بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ (آرعد)

اور اللہ جس کے لیے چاہے روزی کشادہ اور تنگ کرتا ہے۔
اور اللہ نے تمہیں رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

مندرجہ بالا ارشادات الہیہ سے اس بات پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے کہ مال دولت میں معمولی تفاوت ایک فطری اور قدرتی بات ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی تنوعی مصلحت پر مبنی ہے۔

بے تحاشا معاشی خوشحالی | سب بھیلے بے تحاشا معاشی خوشحالی
خدا تعالیٰ کی مصلحت تکوینیہ کی خلاف ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے :

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِن يَنْزِلُ بَقْدَرٍ رِّزْقُ فَرَاخٍ كَرَدِيَا تَوَدَّ رَوَّعَ زَمِينٍ
مَّا يَشَاءُ اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝ بَصِيرِينَ ۝ (شوریٰ)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں، صلاحیتوں اور استعدادوں کو جانتا ہے، ان کے احوال و اعمال پر نظر رکھتا ہے اور ہر بندے کو اس کے ظرف و ضرورت اور مصلحت کی مناسبت سے رزق دیتا ہے اور اگر سب کو بے تحاشہ خوشحال کر دے تو وہ کفر و نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں اور ان میں ایسا تصادم ہو کہ کسی کے کسی سے دبے کی کوئی امید باقی نہ رہے۔

یہ امتیاز رفعت و پستی اسی سے ہے ! گل میں ملک شراب پی سستی اسی سے ہے
غرضیکہ بندوں کے درمیان ظہم و استیصال کے بغیر رزق و معاش کا معمولی تفاوت عین حکمت ایزدی پر مبنی ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی۔ یہاں

تک کاشتہ کی وکیونٹ بھی اسی فطری تفاوت کو مٹانے میں ناکام ہو چکے ہیں۔
لیکن ان کا لغو مساوات محض قریب اور حصول اقتدار کے لئے ہوتا ہے تاکہ
بے چارے بے شعور لوگ ان کے دام فریب میں آکر ہمیشہ کے لیے ان کی غلامی میں آ
جائیں اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر روز روشن کی طرح واضح ہے جسے خدا تعالیٰ
نے ضیاء شعور بخشی ہے۔

خداوند ہم کو ضیاء شعور دے
چشم خرد کو اپنی تعلی سے نور دے

موجودہ معاشی ناہمواری کا ذمہ دار کون |
۱) ملکی نظام حکومت جو
سرمایہ داروں اور جاگیرداروں

کے ہاتھ رہا ہے جس کے نتیجے میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا گیا۔

۲) عدم مساوات یعنی موجودہ معاشی ناہمواری کا ذمہ دار غیر اسلامی معاشرہ
جسے یہ ناہمواری رسولائے زمانہ سرمایہ داری نظام کا شاخسانہ ہے جو اس وقت برطانیہ
فرانس اور امریکہ وغیرہ میں رائج ہے۔ اس آمرانہ نظام کے کل پُر زوں نے معاشی نظام اور
باقی ساری آبادی کو معاشی بد حالی کے عمیق گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ اس طرح سے اسی
فیصد آبادی کا ہر فرد افلاس و غربت کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔

قیدی ہوں اور قفس کو چین جانتا ہوں میں
غربت کے غمگین کو وطن جانتا ہوں میں

ایک طرف تو بڑے زمیندار اور جاگیردار ہیں جن کے پاس اتنی اراضی ہے کہ ان سے
سنجھائی نہیں جاتی۔ ان کے کتے دودھ پیتے اور مرغ و بکریاں گوشت سے پلتے ہیں اور

دوسری طرف ایسے مزارعین، کسان اور کاشت کار ہیں ان کے بچوں کو دودھ اور گوشت
تو کجا خندہ پانی اور تازہ روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی اسی طرح ایک طرف تو بڑے بڑے کارخانہ دار
صنعت کار اور سیٹھ صاحبان ہیں جن کی مایانہ آمدنی لاکھوں روپوں سے متجاوز ہے اور
دوسری طرف وہ بد قسمت مزدور کم آمدنی والے لوگ ہیں جنہیں ضروریات زندگی تک میسر
نہیں اور وہ معاشی الجھن کے بھنور میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ خوشحالی کی منزل کا کوئی نشان
نہیں دیکھ پاتے

منزل کا اشتیاق ہے کم کردہ راہ ہوں
اے شمع! میں سیر قریب نگاہ ہوں

ایک طرف تو ایسے افسران حکام عالی مقام ہیں جو مایانہ تنخواہوں، الاؤنسوں اور
رہائش گاہوں کی صورت میں قومی خزانے سے ہزاروں روپے پارہے ہیں اور دوسری
طرف وہ ادنیٰ ملازمین ہیں جن کی مایانہ تنخواہیں ان کی روزمرہ کی ضروریات تک کے لئے
نا کافی ہیں۔!

مزید برآں سیاسی رشوتوں، رٹ پر مٹوں، ایمپورٹ لائسنسوں، اراضی کے عطیات یعنی
جاگیر بخشوں، صنعتی اجارہ داروں اور مصنوعی تحفظات نے سرمایہ داروں کی سہزادی
اور دولت مندوں کی دولت میں مزید اضافہ کیا ہے اور دوسری طرف ناچار گرائیوں اور
رشوت ستانیوں نے ملک بھر کے عوام کی کمر بخت توڑ کر ان کی آرزوؤں کا خون کر کے رکھ دیا ہے
آرزوؤں کے خون سے رنگ ہے دل کی داستان انسان سر اپا اضطراب انتشار پر فغان
سرمایہ دارانہ نظام کے مخالفوں کی حکومت نے بھی ملک عوام کو جس طرح
مہیبت سے دوچار کیا اس سے ملک کے غریب عوام ایک اور خطرناک معاشی بحران میں

پھنس کر رہ گئے، بلکہ ان کی زندگی جانوروں کی سی ہو کر رہ گئی ہے
 بٹکنے والے مسافر جو بے یار و مددگار ہیں
 جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے

آخر عوام کو اس بات کا شدت سے احساس ہو گیا ہے کہ یہ معاشی ناہمواری یعنی یہ
 فرعون سامانی اور فاقہ کشی خدا تعالیٰ کی مرضی و پسند پر ہرگز مبنی نہیں ہے، بلکہ یہ غیر
 اسلامی معاشرہ کا نتیجہ ہے، مہیا کر ارشاد باری تعالیٰ ہے

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
 خُشْکِی اور تری میں فساد پھیل گیا۔
 بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيَ النَّاسِ لِيُذْنِقَهُ
 لوگوں کے اپنے کر تو ت سے ان کو اپنے
 بَعْضُ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ
 کر تو ت کا مزا چکھنا چاہتے تاکہ وہ حق
 يَرْجِعُوْنَ ۝ ۲۰
 کی طرف لوٹیں۔

غرضیکہ اسلام کے معاشی نظام میں زمیندار اور مزارع اور صنعت کار و مزدور
 کی طبقاتی جنگ کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی اسلام کے معاشی نظام میں اس غیر فطری
 اونچ نیچ کا کوئی تصور ہے کہ ایک طبقہ بے پناہ سرمایہ و دولت کا مالک ہو جائے اور دوسرا
 ملک کی آبادی کا اسی فیصد طبقہ فقر و فاقہ کا شکار ہو کر ذلت و رسوائی کی زندگی گزارنے
 پر مجبور ہو، بلکہ اسلام کا معاشی نظام لوگوں کو معاش کے سلسلے میں مساوی حقوق دے کر
 انہیں طبقاتیت کی کش مکش سے بالاتر کر کے ان میں اخوت و محبت کی فضا پیدا کرتا ہے
 نتیجتاً وہ صرف خوشحال ہی نہیں، بلکہ نفسی نفسی اور ہوس پرستی سے بھی پاک ہو کر آپس میں
 بھائی بھائی ہو جانے میں ہے

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوح انسان کو
 اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

اسلام کے معاشی نظام کی خوبوں کا ایک اجماعی الفاظ کا
 آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی پیش گوئی

قَالَ اللَّهُ لِيُوشِكَ اَنْ
 کہ قسم بخدا ایک دقت آجائے کہ میرے
 يَغْنِصُ فِيْهَا خَشْيٌ لَا يُوْجَدُ مَعَهُ
 ماننے والوں میں مال اس قدر پانی کی طرح
 يَأْخُذُهُ الْاَبْدَانُ لَهَا يَهْجُوْنَ ۝ ۱۹
 کثرت کے ساتھ بہیگا کہ اسے لینے والا
 کوئی نہیں ملے گا۔

کے مطابق خلافت راشدہ کے ادوار سر اپنا انوار میں عام خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ مسلم و کافر
 مومن و مشرک، مرد و عورت چھوٹے اور بڑے کو امتیاز کیے بغیر امن و سکون کی ایسی زندگی
 میسر تھی کہ لوگ صدقات کے مال کو لیے لیے پھرتے، مگر اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا

یمن میں ایک مفسس نے کہا
 عمرو بن شعیب روایت ہے کہ حسب سے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ

کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا وہ جہیز میں رہے، حتیٰ کہ خلافت صدیقہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ
 عنہ کے تحت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد واپس آئے، تو حضرت عمر نے بھی انہیں
 واپس سابقہ خدمات پر بھیج دیا، تو ایک مرتبہ حضرت معاذ نے حضرت عمر کے پاس امر کرنا
 یمن کی زکوٰۃ کا قیصر احصیہ کیا، حضرت عمر نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمہیں مال
 جمع کرنے یا زکوٰۃ و جزیہ وصول کرنے کو نہیں بھیجا تھا، بلکہ اس لئے کہ وہاں کے امیروں سے لے
 کر امر کرنا کو بھیجے کی بجائے وہاں کے ہی ضرورت مندوں میں بانٹو۔

اس پر حضرت معاذ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے ہاں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی ہے
وصول کرنے والا یہاں موجود ہو، پھر اگلے سال اُدھی زکوٰۃ بھیجی، پھر حضرت عمر اور حضرت
معاذ میں حساباتی گفتگو ہوئی اور تیسرے سال کے بعد میں کی ساری زکوٰۃ مدینہ آگئی۔
حضرت عمر نے وہی بات کہی تو حضرت معاذ نے جواب دیا کہ یہاں میں میں ایک ضرورت
بھی نہیں ملتا جو مجھ سے صدقہ و زکوٰۃ لینے والا ہو۔ (کتاب الاموال ص ۳۷ ج ۲۰)

یعنی سب خوش مال تھے کیونکہ اسلام کا معاشی نظام ایک ایسا فطری اور بہتر نظام
ہے جس میں قدیم و جدید اور مذہبی و عقلی نظاموں کے تمام محاسن و خوبیاں بہ تمام و کمال موجود
ہیں اور ہر طرح کے نقص و عیب سے بالکل خالی بلکہ ہر طرح کے معاشی مسموم اثرات کا بے نظیر
علاج ہے کہ یہ نظام کسی انسان کے فکر و عمل کی اختراع نہیں جو اس میں باہمی انتظام یا
طبقاتی منافرت جیسی کمزوریوں کا عنصر ملحوظ رکھا گیا ہو، بلکہ یہ نظام خالق کائنات کی حیثیت و
جلیل تخنیق و ترتیب ہے جو ہمہ گیر اور ہر طرح کی موجودہ و متوقع ارتقاءیت پر مبنی ہے
اور ہو گا جس کے بارے میں دنیا کے اہل انصاف فیصد سے کہے ہیں کہ اگر معاشی مسائل کا کوئی
صیح حل ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے جیسے دشمنان اسلام کی طرف سے رجعت پسندی
کے طعنے کے ڈر سے مسلمانوں نے چھوڑا ہوا ہے۔

جنہیں حقیر سمجھ کر بھجا دیا، تو نے

وہی چراغ جلیں گے، تو روشنی ہو گی

اسلام کے معاشی اصول قرآن کی روشنی میں | قرآن کریم نے اپنی روشنی

کے مطابق عبادات، معاملات، سیاسیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق مسائل کی

طرح معاشی مسائل کو بھی اصولی اور کلیاتی انداز میں معجزانہ اختصار و جابریت کے ساتھ بیان
کر کے ان کی تفسیر و تشریح لتبیینہ للناس اور الذی یستخبطونہ کے مطابق آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور فقہاء کرام کے اجتہاد و استنباط کے سپرد کر دیا گیا۔

معاشی حقوق میں سب برابر ہیں | معاشیات سے متعلق قرآن کریم نے جن
بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی ہے وہ

یہ ہیں:-

۱۔ رزق و معاش حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے وہ ہر
فرد کے رزق و معاش کا ذمہ دار ہے، البتہ درجات رزق میں تفاوت ایک امر مسلم ہے۔
قرآن کریم کے حسب ہدایت کوئی فرد بھی رزق و معاش سے محروم نہ ہو، کیونکہ حقوق
معاش میں سب کے سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی کسی کے حق معاش میں دخل انداز
ہونے کا حق نہیں دیا۔ اس سلسلہ میں چند آیات الہیہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَ
مَا تَعْدُونَ (ذاریات)

(۲) هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ
فِي الْأَرْضِ جُجُيَعًا (بقرة)

(۳) وَلَا تَقْنَطُوا أُولَٰئِكَ
مَنْ أَمْلَأَ قُلُوبُهُمْ غُلُوبًا (نمل)

یٰۤاَیُّهَا (الانعام)

روزی دیتے ہیں۔

وَمِنْ دَائِبَةٍ فِي الْأَرْضِ إِنَّ
عَلَى اللَّهِ رِزْقَهَا (هود)

وَجَعَلْنَا نَكْمًا فِيمَا كُنْتُمْ
وَمَنْ لَكُمْ لَهُ بَرَاءَتِينَ (حجر)

۱۶۱ قَدْ رَفِئْنَا أَعْقَابَهُمَا فِي
أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءٌ لِلنَّاسِ لِيَوْمٍ

مَنْدوں کے لئے برابر۔

۶۰ کا ترجمہ اس احتمال کی بنا پر ہے کہ سوائے معنی مستویہ ضمیر سے حال ہوا اور للسا بین
اس سے متعلق ہو یا سوائے معنی مستویہ مبتدئ سے محذوف کی خبر ہو، چنانچہ روح المعانی میں ہے
وَقِيلَ مُتَعَلِّقٌ بِسَوَاءٍ عَلَى
إِنَّهُ حَالٌ مِنَ الصَّبْرِ الْمَعْنَى مَسْتَوِيَةٌ
مُهَيَّاةٌ لِلْمُتَعَلِّقِينَ إِلَيْهِ وَتَعْمَلُ كَسَوَاءٍ
مُهَيَّاةٌ لِلْمُتَعَلِّقِينَ إِلَيْهِ مِنَ الْبَشَرِ

اور کہا گیا ہے کہ للسا بین کا تعلق
سوائے کے ساتھ ہے بنا بریں کہ یہ ضمیر سے
حال ہوا اور معنی ہوگا کہ روزیاں حاجت مندوں
کے لئے برابر تیار کی گئی ہیں اور ان کا نفع
سبب حاجت مند انسانوں کے لئے برابر
بہتیا (نیار) کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ یہاں برابر سے مراد نفس حقوق معاش میں برابری
ہے درجات میں نہیں تاکہ تفاضل فی الرزق والی آیات سے تعارض
نہ ہو۔

غرضیکہ آیات بالا سطورہ میں تمام لوگوں کے درمیان خواہ مسلمان ہوں یا کافر حق

معیشت میں مساوات کا جس قدر صاف اور صریح بیان ہے وہ کسی عقل مند اور اہل علم
سے پوشیدہ نہیں ہے

اے کریمے کہ از خزانہ مغرب گبر و ترسا وظیفہ خورداری
دوستان را کجا کنی محروم تو کہ بادشمان منظر داری

سب برابر حقوق معاش فراہم کرنا سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے

تعالیٰ کے اس مقصد عظیم کی تکمیل کا ذمہ دار خلیفہ وقت اور سربراہ مملکت ہے، سربراہ مملکت
اور خلیفہ وقت کی قلمرو میں ایک فرد بھی ایسا نہ ہو جو معیشت کے خدا داد حقوق سے محروم ہو
اور جو سربراہ مملکت اس ذمہ داری کو پورا کرنے اور مامۃ الناس کو معاشی حقوق فراہم کرنے
سے قاصر ہو، وہ نیابت الہیہ یعنی اقتدار کا اہل نہیں ہے، چنانچہ جناب میدنا فاروقی اعظم
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر میری حدود سلطنت میں ایک انٹ بھی بھوک سے مر گیا
تو میں روز قیامت خدا کے حضور اپنے آپ کو اس کا جواب دہ سمجھتا ہوں۔

غرضیکہ بندہ و مولا حقوق معاش میں برابر کے مستحق ہیں، کسی کو کسی پر تفضل تفوق
نہیں، یہی قرآن کریم کے معاشی اصول کا مقتضی و مدعی ہے

پیش قرائں بندہ و مولا یکے است

بریا و مند و دیبا یکے است

شکوۃ شریف میں مسلم ترین
کے حوالہ سے حضرت ابوسعید
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

خصوصاً صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے زائد مال
کو حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا

کہ ہم سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ایک شخص اونٹ پر سوار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اپنے اونٹ کو دائیں بائیں کداریا تھا اگر اونٹ ٹھکاوٹ کی وجہ سے چل نہیں سکتا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سواری ہو وہ اُسے دیدے جس کے پاس زادِ سفر ضرورت سے زائد ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ سفر نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ضروریات میں کام آنے والے اموال کا ذکر کیا، یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ زادِ ضرورت (یعنی فاضل) اموال میں ہم میں سے کسی کا حق نہیں (شکوۃ ج ۲ ص ۳۸۸ / ۳۲۹)

ضرورت اور سہولت کے مختلف احکام

اسلام میں ضرورت کے احکام اور میں
 اور سہولت کے اور احکام ضرورت میں
 تو کسی حد تک مساوات و برابری ہے مگر احکام سہولت میں مساوات یعنی جہد و سی ہے مثلاً کفر و
 اسلام میں جنگ چھڑ جائے اسلام کو ایک ایک مجاہد کی ضرورت درپیش ہو اور ایک مجاہد کے پاس
 سامان جنگ ضرورت سے زیادہ ہو، لیکن دوسرے کے پاس کچھ نہ ہو اور اس دوسرے کا
 میدانِ جہاد میں شریک ہونا بھی از حد ضروری ہو، تو اس صورت میں نادر کے لئے اول الذکر
 سے زائد از ضرورت سامان زبردستی لیا جائے گا، کیونکہ یہاں ضرورت ہے لہذا یہاں کسی
 حد تک مساوات کا اہتمام ہے، چنانچہ اہم شمس الائمہ سرخی المبسوط میں فرماتے ہیں:

لَوْ اخْتَارَ الْجَوَانِي سِلَاحَ اَخِي
 اَعْدُوِي كَمَا تَلَمَّحُ اَنْ يَّاخُذُوهُ
 لِلْحَاجَةِ وَالضَّرُورَةِ وَقَدْ لَخَذَ

اور ضرورت پڑ جائے تو وہ ان سے
 ہر ضرورت لے سکتے ہیں (وہ راضی ہو یا نہ ہو)
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ صَفْوَاتِ ذُرِّي عَادَمٍ حَسْبُ يَهُودِيَّتٍ
وَكُنَّا ذَٰلِكَ بِغَيْرِ رِضَا ۝

سے اس کی رضامندی کے بغیر رہیں
پکڑ لی تھیں اور یہ جنگست بنی ہوا زن
ہیں ہوا۔

(۱۴۷ ص) ج)

لیکن ضرورت پوری ہونے کے بعد وہ سامان جنگ ملک کو واپس کرنا چھوڑا اور دوسری صورت میں کہ ایک آدمی جھوک و پیاس سے مر رہا ہے یا تنگ پھر رہا ہے اس کے پاس جان بچانے اور تن ڈھانپنے کو کچھ نہیں اور بیت المال بھی خالی ہے تو اغنیاء سے اس قدر مال زبردستی لیا جائے گا جس سے ان فاقہ کشوں کی جان بچ جائے اور تن ڈھپ جائے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس حد تک مساوات کا انتہام کرنا ضروری ہے یعنی اس بات کی اجازت نہ ہوگی کہ غریب و فاقہ کش توفیق و شنگی کے باعث جاں بلب ہو رہے ہوں اور غنی لوگ تماشائی بنے رہیں۔

دوسری صورت سہولت کی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص پیدل سفر کرتا ہے اور دوسرے کے پاس سواریاں ہیں، ایسی صورت میں دوسرے کی سہولت کے لئے مساوات و ہمدردی کی ترفیعات سے کام لیا جائے گا، اگر اسے نہیں۔

اور مذکورہ بالا حدیثِ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی صرف مواسات و مجددی کی تعلیم پر مبنی ہے، چنانچہ امام المحدثین، رئیس المحققین مولانا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاة المفردات میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَفِيهِ حَتَّى عَلَى الصَّدَقَةِ
وَالْمُؤَانَسَةِ وَالْحَبَانِ إِلَى الرَّفْعَةِ

اور اس احادیث میں رفقا و اہل اسلام
اجاب کے ساتھ سید رومی اور احسان کرنے

وَالْأَصْحَابُ الْآخِرِينَ

کی ترغیب ہے۔

غرضیکہ ہمدردی و احسان کی ترغیب پر مبنی بہت سی آیات و احادیث میں جنہیں اشتراک لوگ مانہی سے مساوات کی بجائے غیر فطری مساوات پر محمول کرتے ہیں۔

مساوات و ہمدردی کے مواقع

مساوات اور ہمدردی کے مواقع الگ الگ ہیں حقوق واجبہ و ضروریہ میں مساوات

ضروری ہے مثلاً کسی کی دو بیویاں ہیں تو اس پر فرض ہے کہ انہیں مساوات و برابری سے رکھے۔ لیکن باہمی ہمدردی و صلہ رحمی اور سلوک و احسان میں مساوات و برابری ضروری نہیں۔ مثلاً ایک شخص خیرات و صدقہ میں ایک درویش و فقیر کو دس روپے دیتا ہے اور دوسرے کو بیس روپے اس میں حرج نہیں ایسا کرنے سے وہ گنہگار نہ ہوگا مگر حقوق واجبہ کی صورت میں برابری نہ کرنے سے گنہگار ہوگا

یہ فرق ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ لیکن اشتراک کی اس حقیقت سے اغماض کر کے خود بھی مٹھو کر کھاتے ہیں اور دوسرے نادانقت لوگوں کو بھی فریب دیتے ہیں۔

از فریب عصر نو ہشیار باش

وہ فتنہ راہرو ہشیار باش

اسلامی نظام معیشت میں کئی بھوکا نہیں رہ سکتا

سولہوی صاحب نے علامہ ابن حزم

ظاہری کے حوالے سے لکھا ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اسلام کے بیت المال میں اس قدر رنجائش نہ ہو کہ محتاجوں کی کفالت ہو سکے تو خلیفہ وقت یعنی سربراہ مملکت ارباب دولت کو اس بات پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ان محتاجوں کے لیے

اپنے فاضل مال سے اس قدر دے دیں جس سے انہیں ضرورت کے مطابق کھانا، گرمی و سردی کا لگ لگ لباس اور رہنے کے لیے بارش و دھوپ اور سیلاب ایسے حوادث سے محفوظ مکان فراہم کیا جاسکے۔

اٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں

حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ غلاتی

کیا فقر و فاقہ خدا کی تقدیر سے ہے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ فقر و فاقہ اور افلاس خدا کی تقدیر یا مرضی اسے ہے اگر وہ چاہتا تو ان کو بھی دولت عطا کرتا تو جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں بھی محتاج و فقیر رکھا ہے۔ اسلام کا نظام معیشت انہیں کیونکر فارغ البال کر سکتا ہے۔ اور یہ تقدیر الہی پر موقوف ہے ہم تقدیر الہی کو کیسے چھین سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعینہ وہی سوال ہے جو کفار نے کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا ذَقِيلَ لَهُمْ أَنْ يَفْقَهُوا عَمَّا ذُرِّعْتُمْ

اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّذِينَ

آمَنُوا أَمْ نَطْعِمُهُمْ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ

أَطْعَمَهُ

یعنی جب کا فروع سے کہا جاتا ہے کہ تم خدا کے دیے ہوئے سے خرچ کرو تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں کیا ہم انہیں کھانے کو دے دیں جنہیں اگر خدا چاہے تو بہت کچھ کھانے کو دے

یہ سوال اسلام کی ایک اہم بات کو فراموش کر دینے سے پیدا ہوتا ہے اگر اسے یاد رکھیں

تو کوئی الجھن نہ ہو اور تقدیر الہی کو بہانہ بنا کر معاشی بدعالی میں مبتلا افراد کی اعدا و اعانت

ایسے بہترین عمل صالح سے حرمان نصیبی بھی نہ ہوے

جنہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی یا خود فریبی؟ عمل نافرمان ہو مسلمان بننے کے تقدیر کا بہانہ

عالم تکوین و عالم تشریح

اور یہ بات عالم تکوین و عالم تشریح میں فرق کرنا ہے
فقد افلاس خدا کی تقدیر و تکوین سے مراد ہے۔ مگر
اس کی تشریحی ہدایات یہ ہیں کہ ہم افلاس و فقر کے مارے ہوئے لوگوں کی امداد و امانت کریں
جیسے ایک بیمار کی بیماری خدا تعالیٰ کی تکوین و تقدیر سے ہے۔ لیکن ہمیں اس کا تشریحی حکم ہے
کہ ہم دولت کے ذریعے اس کی بیماری کو دور کرنے کی کوشش کریں جیسے ترک دوا اس بیمار کے
ساتھ جذبہ ہمدردی کے منافی؛ بلکہ اس بیمار کے ساتھ غم ہے ایسے ہی مفلسوں کے افلاس کو
ختم نہ کرنا ان کے ساتھ زیادتی ہے جس کی اجازت اسلام کا نظام معیشت ہرگز نہیں
نے سکتا کہ اسلام معیشت انسانی کے روزے صحیح و اقیست رکھتا ہے۔

جانتا ہوں آہ! میں آلام انسانی کا راز!!

ہے نوائے شکوہ سے خالی میری فطرت کا ساز

غرضیکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نظام تحوینی پر ایمان اور نظام تشریحی پر نظر رکھنی چاہیے۔
ہم نظام تشریحی کے مکلف ہیں تحوینی کے نہیں؛ تو جس کے ہم مکلف ہی نہیں اسے موضوع سوال
بھی نہیں بنایا جاسکتا۔

فلسفہ تفاوت درجات رزق

اسلام کے معاشی نظام سے متعلق قرآن
کریم نے بنیادی اصولوں پر روشنی
ڈالی ہے ان میں سے دوسرا یہ ہے کہ اگرچہ حق معیشت میں انسان برابر ہیں تاہم درجات
معاش و مراتب رزق میں فرق ایک فطری بات ہے اور یہ بھی اس حد تک کہ بالاطبقہ زیریں
طبقہ کا استحصال نہ کر کے جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جائیں اور یہ تفاوت

معمولی فریقین کے حق میں ابتلا و امتحان ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

رَفَعَ بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
ذَوَاتِ تِلْكَ لِيَشْكُرُوا مَا آتَاهُمْ
(انعام)

اس آیت میں جس تفاوت درجات کا بیان ہے اس سے رزق میں تفاوت درجات
مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر امام ابن جریر میں ہے۔

رَفَعَ بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ رَحْمَةً
يَقُولُ فِي الرِّزْقِ (ج ۸ ص ۸۴) درجوں بلند کیا، یعنی رزق میں۔

علامہ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ
عنه پر اپنی تفسیر خزان العرفان میں فرماتے ہیں۔

یعنی خدا نے رزق میں مختلف درجے اس لئے رکھے کہ تمہیں آزمائش میں
ڈالے کہ تم نعمت و جاہ و مال پاکر شکر گزار رہتے ہو اور باہم ایک دوسرے
کے ساتھ کس قسم کے سلوک کرتے ہو (احمال تاج کمپنی ص ۲۴۲)

لِيَشْكُرُوا مَا آتَاهُمْ
بَعْضُ ذَوَاتِ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا
سَخِرَ تِلْكَ (نحزف)

یعنی ہم نے مال و دولت میں لوگوں کو مختلف بنایا تاکہ وہ اس مال کے ذریعے ایک دوسرے
سے خدمت لے سکیں یعنی اگر ایک غریب دوسرے مال ہے، یعنی مال کا محتاج ہے تو امیر خدمت کا

محتاج ہے، اسے خادم کی محتاجی ہے، اس طرح باہمی تعاون سے دنیا کا نظام درست ہو کر غریب کو ذریعہ معاش ہوتا آئے اور مال دار کو کام کرنے والے بہیم ہنہیں تو اس پر کون اعتراض کر سکتا ہے کہ فلاں کو کیوں غنی کیا اور فلاں کو اس کے برابر کا امیر کیوں نہ کیا۔ دنیا میں معاشی تقسیم یوں ہی انکل پیچور سے نہیں، بلکہ ایک خاص نظام کو مبنی سے چل رہی ہے، اسلام غنیوں اور محنت کشوں پر امیروں اور بالادست لوگوں کے جوہر و جہر اور استیصال کو روکتا ہے، لیکن معمول کی حد تک چھوٹے بڑے کا فرق تو ایک فطری امر ہے۔ اسلام کے نظام معیشت کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے معاشی مسائل میں نہایت ہی روشن اور مستحکم اصولوں سے انسانیت کی ایسی رہبری کی ہے جس سے ہر وقت و ہر زمانے کی پرواز کا رخ صحیح سمت کی طرف بدل جاتا ہے۔

حیرتی ہوں میں تیری تصویر کے اعجاز کا!

رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پڑا کا

اپنا اپنا قرض | اس قدرتی اور فطری فرق مراتب کے پیش نظر اسلام نے امیر و غریب پر الگ الگ فرض عائد کیا ہے جن کی رو سے غنی اور امیر کا فرض ہے کہ دولت کو محض انفرادی اور شخصی مفادات کے حصول کا ذریعہ بنا کر نہ رکھے بلکہ اسلام کی ہدایت کے مطابق حاجت مندوں پر زکوٰۃ و صدقات اور عطیات کی مدد سے صرف کر کے معاشرہ کی ترقی کا باعث بنے اور غریب کا فرض ہے کہ وہ مال دار کے مال کو حسد کی نظر سے نہ دیکھے، بلکہ اس فقر و تنگ دستی کو برکاتِ اخروی کا ذریعہ تصور کرے، حقیقت یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں فقر و تنگ دستی کے خلاف نفرت اور مالی فراوانی کا جذبہ پیدا ہوا ہے، ان کے دلوں سے سکون و طمانیت کی روحانی دولت چھن گئی ہے۔

یہ فقر مردِ مسلمان نے کھو دیا جب سے
ہی نہ دولتِ سلمانی و سلیمانی

قرآن کریم میں ہے:

وَلَا تَتَّبِعُوا مَنَافِعَ الشَّيْءِ
بِمَا بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (النساء)

اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے
بہر صورت شکار ان فقر و افلاس و اہل غربت کو اپنی ایمانی دولت کی قلعہ اور اخروی کامرانی کی آرزو نہ ہونی چاہیے اور ذل و نگاہ میں غیروں کے مال و متاع کا کوئی طمع و لالچ نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: **الْفَقْرُ فُخْرِيٌّ** کہ مجھے اپنے اختیار پر فقر و فاقہ پرنا ہے کہ مد نظر رکھتے ہوئے اپنے اسلاف کی طرح اپنے فقر و اضطراری پر غیور و متعزز ہونا چاہیے۔

سماں الفقر فخری کا رہا نشانِ امارت میں
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے

بَابِ ذِكْرِ خَالٍ وَخَطْبِ حَاجَتِ رُوْزِ بَارِ
کرم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یا را

فقرم ساز و سامانم نگاہیست!!
پیشم کوہ یاراں برگ کا ہیست

تنگ دستی اور اسلام | جیسا کہ پہلے گزرا ہے اسلام تنگ دستی کو اچھا تصور نہیں کرتا۔ حدیث شریف میں ہے: **كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا** (رواہ ابودنغیم فی الحلیۃ عن النس بسند ضعیف) کہ ضرورتِ زندگی میں تنگ دستی قریب ہے کہ کفر پر منتج ہو جائیگا۔ تاہم اس پر صبر و شکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی تحنن و تقدیر پر راضی رہنا اور مال داروں کا مال پر نگاہِ حسد ڈالنے کی بجائے بھلائی

ارشاد باری تعالیٰ لَيْسَ بِذُنُوبٍ أَسْفَلُ مِنَ الْإِسْلَامِ مَعِيشَةُ كَهْرَاسَانِ اپنی کوشش کا ہی پھل پاتا ہے
اپنے لیے خود معاشی وسائل کا انتظام کرنا گناہوں کا کفارہ اور بلندی درجات کا باعث ہے
جیسے بیماری اسلام کے نزدیک اچھی نہیں، تاہم بیمار کا دوا دینا کرنے کی بجائے صبر و شکر
کے ساتھ شفا کے حصول کے لئے دوا استعمال کرنا ضروری ہے اور بیماری میں صبر و شکر
کتنے ہوئے حصول شفا کے لئے عالم اسباب کے تحت کوشش کرنے والا خدا کا محبوب قرار پاتا
ہے اس کے گناہ بخیرتے اور درجے بلند ہوتے ہیں۔ اس طرح فقر و افلاس پر صبر و شکر کرنے
والے کی جزا بھی جنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ فقر و افلاس دے اگر جنت میں اور
غنی و مالدار اگر دوزخ میں دیکھے گئے۔ فقر و افلاس والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ
اپنے سے اوپر والوں کو نہیں نیچے والوں کو دیکھیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے:
أَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْكُمْ
مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ
فَوْقَكُمْ (مسلم)
یعنی آنکھ کو نگاہِ حسد اور زبان کو حرفِ بے صبری سے پاک رکھنا ایمان و اسلام
کا تقاضا ہے۔

پاک رکھ اپنی زبان تلمیذِ رحمانی ہے تو

ہو نہ ہلے دیکھنا تیری صدا بے آبرو

اور حدیث میں ہے کہ میری امت کے تنگ دست صبر و شکر کرنے والے لوگ اہل دولت سے
پانچ صد سال پہلے جنت میں جائیں گے اور یہ پانچ صد سال دنیا کے ہیں جو آخرت کے نصف
یوم کے برابر ہوں گے۔ گویا غریب لوگ امیروں کی نسبت خدا کے دیدار سے پہلے ہی مشرف

ہوں گے۔

آنکھ کو بیدار کر دے وعدہ دیدار سے!

زندہ کر دے دل کو سو بوجہ ہر گفتار سے!

زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر نیکی ممانعت

اسلام کے اصول معاشیات میں سے تیسری اصل یہ ہے
کہ اسلام کسی ایسے طریق کو برداشت نہیں کرتا جس سے ملک کی دولت چند ہاتھوں میں
مترکز و مجتمع ہو کر رہ جائے اور اسی وجہ سے اسلام نے خشکار و اکتناز کو جائز قرار نہیں
دیا! چنانچہ سورہ توبہ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے
ہیں اور اسے راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے، اُسے نبی انہیں دردناک عذاب کی اطلاع
کر دیجئے اور سورہ حشر میں فرمایا کہ نقرہ اور مسکین و قرابت داروں اور یتیموں وغیرہم
پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں خرچ کرنے کا جو یہ طریقہ بتایا ہے، وہ اس لیے ہے کہ مال صرف دولت
مندوں میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔

اسی طرح بہت سی آیات ہیں جنہیں مفلسوں اور حاجت مندوں پر فی سبیل اللہ
مال خرچ کر نیکی ترغیبات دی گئی ہیں تاکہ مال کے وہ حقوق ادا ہوں جو اجتماعی مفادات
کے لئے اس سے متعلق کیے گئے ہیں۔

ضرورتِ زائد مال کا رکھنا

اگرچہ علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق
ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ وغیرہ ایسے حقوق
ادا نہ کیے جائیں، وہ اکتناز کی تعریف میں آتا ہے، در نہ نہیں اور یہ کہ مال و سرمایہ سے
زکوٰۃ وغیرہ ایسے فرائض کی ادائیگی کے بعد اپنی اہل و عیال کی ضرورت سے

زائد مال رکھنا جائز ہے۔ چنانچہ امام بدرالدین فرماتے ہیں۔ جَمْعُ الْمَالِ غَيْرُ مُحَرَّمٍ
وَلَكِنْ الْأَسْتِكْثَارُ مَعْنَى الْخُرُوجِ عَنْ حَدِّ الْاِقْتِصَادِ فِيهِ حُضْرًا (عمدة القاری
شرح صبیح بخاری ج ۹ ص ۳۱) یعنی مال کا اخراج کر کے جمع کرنا حرام نہیں تاہم
حدِّ اِقتِصَادِ (درمیانہ درجہ کی دولت) سے زیادہ جمع کرنا نقصان دہ ہے۔ حدِّ اِقتِصَادِ
کا یہی مطلب یہ ہے کہ معمولی مذکور جمع کرنا جائز ہے اور غیر معمولی حد تک جس سے دولت
چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے جمع کرنا معاشرہ کے لئے نقصان دہ ہے۔ لیکن افضل لائق
تحسین یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد مال کو ذخیرہ کرنے کی بجائے اسے ضرورت مندوں
میں بانٹ دیا جائے، بلکہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسے زاہد ترین حضرات کو اسے ناجائز
قرار دیتے ہیں، چنانچہ آیت "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ" کی تفسیر میں مغیرین
گرام تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ضرورت سے زائد مال گھرا یا
بنکوں میں جمع کر کے رکھ دینے کے ناجائز قرار دیتے ہوئے اسے ضرورت مندوں میں تقسیم
کر دینے کو فرض سمجھتے تھے (لاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر وغیرہ زیر آیت وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ
الذَّهَبَ (آلایۃ

احتکار کی ممانعت کا فلسفہ | احتکار کی ممانعت کا فلسفہ بھی یہی ہے
کہ کہیں ارتکاز دولت نہ ہو، بلکہ اس
میں تحریک گردش رہے تاکہ اس سے معاشرے کے دوسرے لوگ بھی استفادہ کریں
احتکار کی تعریف | اور احتکار یہ ہے کہ کسی چیز کی کمیابی و مہنگائی کے زمانہ
میں اسے غریب کر جمع کر کے رکھ دیا جائے تاکہ وہ مزید نایاب
مہنگی ہو۔ تو اس وقت اسے منہ مانگے و اموں بیچا جائے ایسا کرنا ممنوع و ناجائز ہے جسے

اسلام کے معاشی نظام میں ممنوع ٹھہرایا گیا ہے اور اس میں ضرورت کی ہر چیز شامل
ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

مَنْ اخْتَكَوْ طَعَامًا اَوْ لَبَيعًا لَيْلَةً
فَقَدْ بَرَّئَ مِنَ اللَّهِ وَبَرَّئَ مِنْهُ
(جہدہ شریف شرح قتادری ج ۲ ص ۳۴۳) کہ جس نے کھانے پینے کی ضرورت کی چیز
کو مزید مہنگائی اور کمیابی کی نیست چالیس
رات تک رکھا وہ اللہ سے اور اللہ
اس سے بری ہے۔

اسلام میں جانوروں کے چارہ تک احتکار بھی ممنوع ہے | اسلام کے
اقتصادی نظام
کی شفقت عامہ اور رحمتِ تامہ کا یہ عالم ہے کہ اس جانوروں کے چارہ تک کی ذخیرہ اندوزی
سے منع کیا گیا ہے اور اس بات کو گوارا نہیں کیا گیا کہ جانوروں کے حقوق کا ضیاع و
استیصال ہو، چنانچہ درمنا میں ہے :
وَلَيْسَ اِخْتِكَارُ قَوَاتِ الْبَهَائِمِ
یعنی جانوروں کی خوراک کا احتکار
ممنوع ہے۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جو نظام جانوروں کا استیصال برداشت نہ کرتا ہو، وہ انسانوں
کا استیصال کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ بہر صورت اسلام کے اقتصادِ نظام نے انسانوں اور
جانوروں کی ضرورت کی ہر چیز میں احتکار سے منع فرمایا ہے اور اس کے مترتب کو گنہگار
قرار دیا ہے، نیز حدیث شریف میں ہے کہ احتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والا کنہہ گار ہے
البتہ سال بھر کا گھر پر خرچ گھر والوں کو سپرد کر دینا یعنی ایک سال تک ضروریات جمع کر
کے رکھنا اس سے مستثنیٰ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم

ازدواج مطہرات کو سال بھر کا خرچہ جمع کر کے دیتے تھے اسناد کی کتاب التفسیر ۲ ص ۷۷۵
لہذا اگر ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنا منع نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت کی اشیا
کو اپنی گھر کی ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنا خلاف توکل ہے البتہ کسی تاجر کا مہنگائی کے
زمانہ میں مزید مہنگائی کی نیت سے مال ذخیرہ کر کے رکھنا منع ہے جیسا کہ بعض تاجر کرتے
ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس نے اس بات کا ارادہ کیا کہ میری امت پر ایک رات کے لئے
مہنگائی آجائے اللہ تعالیٰ اس کی پچاس سال کی نیکیاں خالص کر دیگا۔ ادواء الامام
ابن ہساکر فی تاربخہ

احتکار کے جواز کی ایک صورت

ہاں اگر ایک چیز عام دستیاب ہو رہی
ہے اور اس کے ذخیرہ کرنے سے
لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا تو اس کا ذخیرہ کر سکتے ہیں چنانچہ درمختار میں ہے۔
فَإِنْ تَوَيْضَرُ كَوَيْضَرُ
یعنی اگر ذخیرہ کرنے سے لوگوں کو تکلیف
اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے تو ناجائز نہیں ہے
یہ صورت کے اعتبار سے احتکار ہے، مگر درحقیقت نہیں ہے اور اس صورت میں بھی
اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ جوں ہی وہ چیز کیاب ہونے لگے اسے فوراً مارکیٹ میں لایا
جاتے ورنہ گناہ ہوگا۔

بوقت ضرورت ذخیرہ اندوز تاجروں کے

ذخیروں کو زبردستی فروخت تقسیم کیا جائے
میں لگ کر رہے ہوں تو حاکم وقت انہیں حکم دے کر وہ اپنے گھر والوں کی ضرورت کے

لئے رکھ کر باقی کو فروخت کر دیں اگر وہ قاضی و حاکم وقت کے حکم کی پروا نہ کریں تو قانون
اسلام یہ ہے۔

حاکم ان ذخیرہ اندوزوں کو مناسب سزا
اور ان کی ضرورت سے زائد کو فروخت کر
دے کیونکہ عوام کو نقصان سے بچانے کا
یہی واجب طریقہ رہ جاتا ہے اور جن عوام کے
پاس قوت خرید نہیں انہیں ویسے ہی بیسے
پھرتا ان کے پاس غلہ آئے تو وہ جتنا غلہ
لیا ہے واپس کر دیں اور یہ حجر نہیں بلکہ ضرورت
مجبوری کی بنا ہے یہ ایسے ہے جیسے ایک شخص
جاں بلب ہو رہا ہو اور اس کے پاس اپنا کچھ نہ
ہو تو وہ غیر کمال اس کی مرضی کے بغیر اس

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ سَمِعْتُ
بَاعَ الْقَاضِي عَلَيْهِ طَعَامَهُ وَفَاتَا
عَلَى الصَّبْحِ وَفِي السَّرَاحِ لَوْ خَافَ
الْإِمَامُ عَلَى أَهْلِ بَلَدٍ الْهَمْلَةَ لَأَخَذَ
الطَّعَامَ مِنَ الْمُخْتَصِرِينَ وَفَرَّقَ عَلَيْهِمْ
فَإِذَا أَوْجَدُوا سَعَةً رَدُّوا مِثْلَهُ وَ
هَذَا أَيْسَرُ بِحُجْبِ بَلَدٍ لِلصُّرُورَةِ
وَمِنْ أَسْطَرَّ إِلَى مَالٍ غَيْرِهِ وَخَافَ
الْهَمْلَةَ تَنَاوَلَهُ بَلَدٌ صَافٍ

ادام المختار ص ۴۰۰ والاختیار ج ۳ ص ۳۳
والہمدیہ ج ۴ ص ۳۶۹-۳۷۰ طبع انبیا

قارئین! غور فرماتیں کہ اسلام کا معاشی نظام معاشی بدعالی میں مبتلا عوام سے کس درجہ
مہم درمی رکھتا اور انہیں ہر طرح کے استیصال سے کس خوبی سے بچاتا ہے الغرض اسلام کے
معاشی نظام نے سرمایہ و دولت کے حصول کے لیے کسی ایسے طریقے کو اپنانے کی اجازت نہیں
دی جس میں ایک فرد کے نفع کا دار و مدار دوسرے کے نقصان یا مجبوری پر ہو یا وہ دوسرے
کی معاشی بدعالی کا باعث بنے جس سے عوام مفلس سے مفلس تر اور امیر امیر تر ہوتا چلا جائے
اس لیے سود و غصب چوری ڈاکہ رشوت سبواں پ تول میں کمی شدہ اور لاٹری ایسے حصول

سرمایہ کے تمام ذرائع ناجائز قرار پائے اس طرح کے طریقے اپنا کر دولت کمانے والے ممکن ہے نفس و شیطان کے اغوا سے سب کچھ جائز سمجھتے ہوں مگر ایک کلمہ گو کیا کرنا یا سب کچھ جائز ہے کہہ کر سب کچھ کر گزارا نہیں دیتا یہ اسلام و ایمان کے تقاضوں کے سرانہ نہیں ہے

ممکن ہے کہ توجس کو سمجھتا ہے بہاراں
اور دل کی نگاہوں میں وہ موسم موخر اکی

انفرادی معیشت

اسلام انفرادی معیشت پر بہت زور دیتا ہے اور ہر تندرست و توانا و صحیح العقل لائق محنت مرد کو

اس بات کی ذمہ داری سونپتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں کی قوتوں اور دیگر جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نہ صرف اپنے معاش و روزی کی جستجو کرے بلکہ اپنے آپ کو معاشرے کے ضعیف اقوال اور معذور لوگوں کی معاونت کا بھی اہل بنائے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الْيَدُ الْعَلَى خَيْرٌ مِنَ الْفِيءِ
یعنی اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے (لے لینے والا) سے بہتر ہے۔

اور بہتر اس لئے ہے کہ انفرادی معیشت کے استحکام پر ہی اجتماعی معیشت کا استحکام رتوف ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستار

اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے اس وقت بہتر ہے جب کہ وہ اپنی خدات کے لئے لیتا ہو اور اگر وہ دین کے لئے یا دوسرے مستحق کے لئے لیتا ہو تو اس کے برعکس ہو سکتا ہے

جیسا کہ علماء کرام والد اروں سے دین کے لیے لے کر خرچ کرتے ہیں۔ بہر حال انفرادی معیشت کو اہمیت حاصل ہے۔ سورہ جمعہ میں ہے۔

كَيْ يَسْتَعُوا مِنْ فَضْلِ الْغَنِيِّ،
کہ (زمین میں پھیل جاؤ اور رزق کی تلاش کرو۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

۱۔ طَلِبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ (طبرانی)
یعنی رزق حلال کی تلاش کرنا فریضہ کے بعد فریضہ ہے۔

۲۔ طَلِبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (دیلمی)
کہ ہر مسلمان پر طلبِ رزق حلال واجب ہے۔

۳۔ طَلِبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ (القناعتی والبنوعیم)
طلبِ حلال جہاد ہے۔

أَوْرَدَ الشَّامُكَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ج ۲ ص ۵۳) ان کی شرح میں امام علامہ علی عزیزی (مسنوۃ ۱۴۰۰ھ) علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

طَلِبُ الْكَسْبِ الْحَلَالِ مَوْثِقَةُ النَّفْسِ
والعیال فریضۃ بعد الایمان والعسوة

أَوْ بَعْدَ جَمِيعِ مَا فَرَضَ اللَّهُ فَطَلِبُ
ما یَحْتَاجُ جَهْدًا لِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ وَاجِبٌ

جَوْنٌ مَا دَامَ عَلَى الْكَفَايَةِ ثَوَابُهُ كَثُورٌ
الجہاد (السلح المینر) ج ۲ ص ۴۱

یعنی اپنے اور کنبے کے لئے حلال کمائی کی تلاش کرنا ایمان اور نماز یا جمیع فرائض الہیہ کے بعد ایک فریضہ ہے: لہذا اپنی اور اپنے کنبے کا ضرورت کی حد تک تلاش رزق فرض عین اور اس سے زائد فرضی کفایہ اور اس کا ثواب جہاد کے برابر ہے

اسی افتادی ہیں ہے جو لوگ مساجد اور خانقاہوں میں ابیر و فقیر بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور گزراوقات کے لئے کچھ نہیں کرتے اور اپنے آپ کو متوکل بتاتے ہیں (ان سے رزق حلال کمانے والے بدرجہا بہتر ہیں، یہ کیسے متوکل ہیں حالانکہ ان کی نگاہیں منتظر رہتی ہیں کہ کوئی ہمیں دے جائے، وہ متوکل نہیں۔ اس سے اچھا یہ تھا کہ کچھ کماتے جس سے گزراوقات کرتے (فتاویٰ عالمگیری، ج ۴، ص ۳۴۹)

تیرے دین و ادب سے آرہی ہے بُوئے بہانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

حدیث میں ہے لا دھبانیۃ فی الاسلام کہ اسلام میں (اس طرح کی) گوشہ نشینی کی کوئی گنجائش نہیں۔

پیری مریدی کو پیشہ بنانا جائز نہیں | اسی طرح آج کل بہت سے لوگوں نے پیری مریدی کو پیشہ

بنالیا ہے۔ مریدوں میں دورے کرتے اور ان سے فتنیں بڑھتے ہیں جسے نذرانے وغیرہ کا نام دیتے ہیں اور ان ہی سے بہت سے ایسے میں جو جھوٹ اور فریب بھی کام لیتے ہیں، یہ ناجائز ہے (سہارنشریعت ج ۱۴، ص ۲۱۸) بہ استثناء مخلصین لکھ الہیۃ ”وہم اقل قلیل وقلیل من عبادی الشکور“

مسئلہ بھیک | حدیث شریف میں ہے کچھ انصار کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا اپنے عطا کیا انہوں نے پھر مانگا اپنے عطا کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو تھا سب ختم ہو گیا پھر اپنے فرمایا کہ میرے پاس جو مال ہو تمہارے میں اسے تم لوگوں سے چھپا کر نہیں رکھتا اور جو شخص

سوال کرنے سے گریز کرے اسے اللہ سوال کرنے سے بچائے گا اور جو سوال کرنے سے بے نیاز رہے گا خدا تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیگا اور جو سوال کرنے سے اپنے آپ کو دیکھے گا اور صبر کر لیا خدا اسے صبر سے بڑھ کر وسیع اور بہتر کوئی چیز نہیں ہے جو کسی کو خدا سے عطا کی جائے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۹)

اس حدیث سے کسی ایک مسئلہ معلوم ہوتے ایک یہ کہ ایک ہی سائل کو بار بار دینا جائز ہے دوسرا یہ کہ جب دینے کو کچھ نہ ہو تو اچھے الفاظ میں معذرت کی جائے پھر سوال سے گریز کی قیمن چوتھا تنگدستی کے عالم میں صبر کرنی کی ترغیب پانچواں ضرورت کے وقت مانگنے کا جواز مگر اس سے پرہیز بہتر چھٹا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کبر کا ظہور کہ سائل پر بار بار کرم فرماتے تھے اور سائل کہتا تھا۔

وہ کیا جو دو کرم ہے شہر بلعما تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دوسری حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کسی شخص کی رسی لے کر اپنی پیٹھ پر بکریوں کا گٹھا اٹھا لانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس جا کر بھیک مانگے آگے وہ اسے دے یا نہ دے

ایک اور حدیث میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

تم میں سے کسی ایک کا رسی بیکر اپنی پیٹھ پر بکریوں کا گٹھا لا کر اسے بیچا پھر اس کے ذریعہ اللہ کا اس کی آبرو بچا لینا اس سے بہتر ہے کہ وہ

لوگوں سے مانگتا پھرے وہ اسے دیں یا نہ دیں (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۹)

امام بدر الدین عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ سوال کرنے یا مانگنے کی چار صورتیں جن میں سے ایک حرام، دوسری مکروہ، تیسری جائز ہے اور چوتھی واجب حرام اس وقت ہے جب کوئی شخص غنی ہونے کے باوجود سوال کرے یا تنگدستی کی صورت میں ضرورت سے زیادہ مانگے اور مکروہ اس وقت ہے جب مانگنے والے کے پاس اس قدر مال ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کا کام چل سکتا ہو اور وہ اپنی تنگ دستی کا بھی اظہار نہ کرے اور جائز اس صورت میں ہے جب سائل دستور کے مطابق کسی قریبی تعلقہ دار یا دوست سے سوال کرے اور واجب اس صورت میں ہے جب اپنی زندگی کی بقا کا مسئلہ پیش ہو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لئے سوال کرنا واجب ہے اور اگر کسی طمع یا سوال کے بغیر کہیں سے کچھ ملے تو بے نیاز ہونے کے باوجود اس کا لینا جائز ہے (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۵۹)

وضاحت جب جان بچانے کے لئے سوال کرنا واجب ہے تو اسلام و مسکات حق کے احیاء اور بقاء اور حفاظت کیلئے اہل ثروت و غیر حضرات سے سوال کرنا کہیں زیادہ ضروری ہو جاتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضرورت کے لئے صحابہ کرام سے چندہ جمع فرماتے تھے اس سلسلے میں سیدنا ابوبکر کا واقعہ و عثمان غنی کا ایشار محتاج بیان نہیں۔

بھیک کی ممانعت اسلام کے معاشی نظام نے چونکہ ہر تندرست و عقلمند کو رزقِ حلال ملانے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اس لیے انہیں بھیک مانگنے سے بھی منع کیا الا یہ وقت حاجت شدیدہ بہ مجبوری و معذوری اور بلا ضرورت شدیدہ اپنے لئے سوال کرنا منع ہے فتاویٰ عالمگیری میں فرماتے ہیں:

وَمَنْ كَانَ لَهُ قُوَّةٌ يَوْمِيًّا

لَا يَحِلُّ لَهُ السَّوَالُ وَمَا جَمَعَ السَّائِلُ
مِنْ السَّائِلِ فَمَنْ تَخَلَّصَتْ اَعَالِيْهِ
اِسْءَابُكَ اَنْ تَكُنْ اَحْرَامُ بَنِي اَوَّلَاسِ
بِاَوْدٍ جَوَاهِرُكَ كَرَجْعِ كَرْتِ فِيْ تَوَدِّهِ
حرام ہے

(۵۳۹-۵۴۰)

حکومت بھیک مانگنے پر پابندی عائد کر رہی ہے جس سے بھیک کے پیشہ رکھنے والوں کی حوصلہ شکنی مقصود ہے۔ بلاشبہ ہمارے ہاں بھکاریوں نے بھیک کو ایک پیشہ بنا لیا ہے اور یہ قابلِ مذمت فعل ہے۔ اس کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے اس کے لئے ضروری ہے کہ معذوروں کی کفالت کی جائے اور تندرستوں کو کوئی ہنر اور کام سکھایا جاتے پھر انہیں کام سیکھنے کے بعد ملازمت کے مواقع دیئے جائیں یا اپنا کاروبار کرنے کے لئے مدد و کفالت سے اس قدر دیا جائے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔

اقارب کی کفالت اس سلسلے میں انفقہ حضرات کو اپنے قریبی معذور نادار رشتہ داروں کی کفالت پر مجبور کیا جائے۔

انہیں ترغیب ترہیب اور بڑھت ضرورت جبر و اکراہ کے ذریعے بھی کفیل بنانے سے گریز نہ کیا جائے۔ اگر مالدار حضرات اسلام کی ہدایت کے مطابق اپنے معذور اور نادار رشتہ داروں کے نان نفقہ کی ذمہ داری لے لیں تو پاکستان میں غربت و افلاس کا مسئلہ کافی حد تک خود ہی حل ہو جائے گا اور بہت سے بھکاری خود ہی بھیک سے باز آجائیں گے۔

نان و نفقہ کفالت کے سلسلے میں عام طور پر نان و نفقہ کا لفظ مشہور ہے مگر فقہ کی اصطلاح میں "نفقہ" ہی استعمال ہوتا ہے۔

ہے نفقہ کے لغوی معنی اس چیز کے میں جسے انسان اپنے کنبے پر خرچ کرتا ہے۔ اور اصطلاح شریعت میں کھانا لباس اور رہنے کی جگہ کو نفقہ کہا جاتا ہے اور عرف شریعت

میں صرف کھانے پر نفقہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

وجوب نفقہ کے اسباب و وجوہ | کسی کے ذمہ کسی کے نفقہ کے واجب ہونے کے تین اسباب و وجوہ ہیں ایک سبب زوجیت

ہے دوسرا قرابت اور تیسرا عمل کویت۔ لہذا خاوند پر بیوی کا خرچ واجب ہے کیونکہ وہ اس کے فائدہ کے لئے اس کے ہاں رکھی ہوتی ہوتی ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جو شخص جس کے مفاد کے لئے رکھا ہوا ہو گا اس کا خرچہ اسی کے ذمہ ہو گا جیسے مفتی، قاضی، وصی اور عامل وغیرہ۔ جس ادارہ کے مفاد میں مصروف ہوں ان کی ضرورت کا بندوبست اسی ادارہ کے ذمہ ہو گا خواہ وہ ادارہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری۔ اور نایاب و محتاج اولاد کا خرچ بھی باپ پر واجب ہے اور نایاب بیٹا معذور و محتاج کا خرچ اور غیر مالدار نایاب روٹی کا بھی۔ جب تک اس کی شادی نہ کرے۔ شادی کے بعد شوہر پر ہے اور اگر باپ مفلس ہے تو کمائے اور بچوں کو کھلاتے اور اگر وہ معذور و محتاج ہے کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو داد کے ذمہ ہے خود ان کے باپ کا نفقہ بھی اسی کے ذمہ ہے۔

اگر کسی کے ماں باپ دادا دادی نانا نانی تنگ دست ہوں اور وہ مالدار ہو۔ تو ان کا نفقہ اس پر واجب ہے اگرچہ وہ کمانے پر قادر ہوں اور اگر یہ بھی محتاج ہے تو باپ کا نفقہ اس پر واجب نہیں، البتہ اگر باپ پاچ یا مغلوب ہے کہ کما نہیں سکتا تو بیٹے کے ساتھ نفقہ میں شریک ہے اگرچہ بیٹا فقیر ہو اور ماں کا نفقہ بھی بیٹے پر ہے اگرچہ پاچ نہ ہو اگرچہ بیٹا فقیر ہو یعنی جبکہ بیوہ ہو۔

باپ اور ماں دونوں محتاج ہوں تو دونوں کا نفقہ بیٹے پر ہے اور باپ محتاج نہ ہو تو ماں کا خرچہ باپ پر ہے اور باپ محتاج ہے ماں مالدار تو ماں کا

نفقہ بیٹے پر نہیں۔

باپ وغیرہ کا نفقہ جیسے بیٹے پر واجب ہے یونہی بیٹی پر بھی ہے اگر بیٹا بیٹی دونوں ہوں تو دونوں پر برابر برابر واجب ہے اور اگر دو بیٹے ہوں ایک فقط مالک نصاب ہے اور دوسرا بہت مالدار ہے تو باپ کا نفقہ دونوں پر برابر ہے۔

باپ اور اولاد کے نفقہ میں قرابت و جزئیّت کا اعتبار ہے اذیت کا نہیں مثلاً بیٹا ہے اور پوتا تو نفقہ بیٹے پر واجب ہے پوتے پر نہیں۔ یونہی بیٹی ہے اور پوتی تو بیٹی پر ہے پوتے پر نہیں اور نواسی نواسہ ہے تو دونوں پر برابر اور بیٹی ہے اور بہن یا بھائی تو بیٹی پر ہے اور نواسہ نواسی ہیں اور بھائی تو ان پر ہے بھائی پر نہیں اور ماں باپ یا ماں ہے اور بیٹا تو بیٹے پر ہے ان پر نہیں اور دادا دادی تو ایک تنہائی دادا پر اور باقی پوتے پر اور باپ ہے اور نواسی نواسہ تو باپ پر ہے ان پر نہیں۔

باپ اگر تنگ دست ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور بچے محتاج ہوں اور بڑا بیٹا مالدار ہے تو باپ اور اس کی سب اولاد کا نفقہ اس پر واجب ہے بیٹا اگر ماں باپ دونوں کا نفقہ نہیں دے سکتا مگر ایک کامے سکتا ہے تو ماں زیادہ مستحق ہے۔

اور اگر باپ محتاج ہے اور چھوٹا بچہ بھی ہے اور دونوں کا نفقہ نہ دے سکتا ہو مگر ایک کامے سکتا تو بیٹا زیادہ مستحق ہے۔

اور اگر والدین میں سے کسی کا پورا نفقہ نہ دے سکتا ہو تو دونوں کو اپنے ساتھ کھلاتے جو خود کھاتا ہے اسی میں سے انہیں بھی کھلاتے۔

اور اگر باپ کو نکاح کرنی ضرورت ہے اور بیٹا مالدار ہے تو بیٹے پر باپ کی شادی کر دینا واجب ہے۔

اور اگر باپ کی دو بیویاں ہیں تو بیٹے پر فقط ایک کا نفقہ واجب ہے مگر باپ کو دے دے کو وہ دونوں میں تقسیم کر کے دے:

باپ بیٹے دونوں مالدار ہیں مگر بیٹا کمانے والا ہے تو بیٹے پر دینا نہ حکم کیا جائیگا کہ باپ کو بھی ساتھ لے لے۔

جو رشتے دار محارم ہوں ان کا بھی نفقہ واجب ہے جب کہ محتاج ہوں اور نابالغ یا عورت ہو۔

اور رشتہ دار بالغ مرد ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ کمانے سے عاجز ہو مثلاً دیوانہ ہے یا اس پر فالج گرا ہے یا پا بج ہے یا اندھا۔

اور اگر عاجز نہ ہو تو واجب نہیں۔

اور عورت میں بالغہ نابالغ کی قید نہیں۔

اور ان کے نفقات بقدر میراث واجب ہیں یعنی اس کے ترکہ سے جتنی مقدار کا وارث ہو گا اسی کے موافق اس پر نفقہ واجب مثلاً کوئی شخص محتاج ہے اور اس کی تین بہنیں ہیں ایک حقیقی ایک سوتیلی ایک اختیائی تو نفقہ کے پانچ حصے تصور کریں تین حقیقی بہن پر اور ایک ایک اختیائی دونوں پر۔

اور اگر اس طرح کے تین بھائی ہوں تو چھ حصے تصور کریں ایک اختیائی بھائی پر اور باقی حقیقی پر سوتیلے پر کچھ نہیں کہ وہ وارث نہیں۔

اگر ماں اور دادا ہیں تو ایک حصہ ماں پر اور دو دادا پر اور اگر ماں اور بھائی

یا ماں اور چچا ہے جب بھی صورت ہے۔

اگر ان کے ساتھ بیٹا بھی ہے مگر نابالغ نادار ہے یا بالغ ہے مگر عاجز تر اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر کہ جب اس پر نفقہ واجب نہیں تو کالعدم ہے۔

اور اگر حقیقی چچا یا حقیقی پھوپھی یا حقیقی ماموں ہے تو نفقہ چچا پر ہے پھوپھی یا ماموں پر نہیں اور وارثت سے مراد محض اہل وارثت ہے کہ حقیقتہً وارثت تو مرنے کے بعد ہے نہ کہ اب۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ رشتہ دار عورت میں نابالغہ کی قید نہیں بلکہ اگر کمانے پر قادر ہے جب بھی اس کا نفقہ واجب ہے ہاں اگر کوئی کام کرتی ہے جس سے اس کا خرچ چلتا ہے تو اب اس کا نفقہ رشتہ دار پر فرض نہیں یونہی اندھا (وغیرہ) بھی کمانا ہو تو اب کسی اور پر نفقہ فرض نہیں:

طالب علم دین اگرچہ تندرست ہے کام کرنے پر قادر ہے مگر اپنے کو طلب علم دین میں مشغول رکھتا ہے تو اس کا نفقہ بھی رشتہ داروں پر فرض ہے۔

قریبی رشتہ دار غائب ہے اور دور والا موجود ہے تو نفقہ اسی دور کے رشتہ دار پر فرض ہے۔

عورت کا شوہر تنگ دست ہے اور بھائی مالدار ہے تو بھائی کو خرچ کرنے کا حکم کیا جائے گا پھر جب شوہر کے پاس مال ہو جائے تو واپس لے سکتا ہے:

اگر رشتہ دار محرم نہ ہو جیسے چچا زاد بھائی یا محرم ہو مگر رشتہ دار نہ ہو جیسے رضاعی بھائی بہن یا رشتہ دار محرم ہو مگر حرمت قرابت کی نہ ہو جیسے چچا زاد بھائی اور وہ رضاعی بھائی بھی ہے کہ حرمت رضاعت کی وجہ سے ہے نہ رشتہ کی وجہ سے تو ان صورتوں

میں نفقہ واجب نہیں۔

محرم کا نفقہ دیدیا اور اس کے پاس سے ضائع ہو گیا تو پھر دنیا ہو گا اور کچھ بچ رہا تو اتنا کم کر دیا جائے۔

باپ محتاج ہے نفقہ کی ضرورت ہے اور بیٹا جوان مالدار ہے جو موجود ہے تو باپ کو اختیار ہے کہ اس کے اسباب کو بیچ کر اپنے نفقہ میں صرف کرے مگر جائیداد غیر منقولہ کے بیچنے کی اجازت نہیں اور ماں اور رشتہ داروں کو کسی چیز کے بیچنے کی اجازت نہیں۔ اور بیٹا موجود ہے تو باپ بھی کسی چیز کو نہیں بیچ سکتا۔

یونہی اگر میٹا محنون ہو گیا اس کے اور اس کے بال بچوں کے خرچ کے لئے اس کی چیزیں باپ فروخت کر سکتا ہے اگرچہ جائیداد غیر منقولہ ہو۔

(حوالہ جات کے لئے ملاحظہ ہو۔ درمختار، شامی، عالمگیری،

قاضی خاں اور بہار شریعت)

محتاج اقارب کے مالدار رشتہ داروں پر شریعت کے ان احکام کے مطابق کفالت کی ذمہ داری عائد کی جائے تو بہت سے بیسک مانگنے والوں کو باعزت روزگار میسر آسکتا ہے باقی بچے رہنے والے تھوڑے ہی ہوں گے ان کے لئے متبادل روزگار کا انتظام نہایت ہی آسان ہو گا۔

اسی طرح اجائز ذرائع مثلاً روپیٹ یا گاجا کرکمانی کرنے سے بھی منع کیا اور ایسی کمائی کو حرام قرار دیا گیا ہے چنانچہ الاختیار اور عالمگیری میں ہے۔

كان المال بمقابلة المعصية كروني و صولني اور گانا بجانے کی اجرت
فكان اخذ المعصية كالغنا والنجس چونکہ معصیت کا معاوضہ ہے اس لئے

(عالمگیری، ج ۵، ص ۳۳۳ الاختیار ج ۲ ص ۲۸)

کیونکہ ان پیشوں میں بیچارے سادہ لوح مسلمانوں پر معاشی بوجھ پڑتا ہے اور ایسا کرنے والے جہاں دوسروں کے لئے بوجھ بنتے ہیں وہاں اپنی خداداد جسمانی اور ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ضائع کر کے بھی گنہگار ٹھہرتے ہیں بہر صورت اسلام میں رزق حلال کی تلاش نہ صرف اہم کام ہے بلکہ گناہوں کا کفارہ بھی ہے چنانچہ طبرانی نے ارسطو ابو نعیم نے علیہ و خطیب نے تلخیص المتشابه میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من الذنوب ذنوب لا یغفرها
الا اللہ یطلب المعصية
کہ کچھ ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ طلب معاش
میں جدوجہد اور سرکڑنا ہی ہے۔

(احیاء العلوم للغزالی ج ۲ ص ۳۲)

اسی طرح ابو یعلیٰ اپنی مسند طبرانی، کبیر اور امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اطلبوا الرزق فی خبايا الارض
الجامع الصغير ج ۱ ص ۳
کہ اپنی روزی زمین کے پوشیدہ خزانوں
(کھیتی باڑی وغیرہ میں تلاش کرو)

اس حدیث کی شرح میں امام علی عزیزی علیہ الرحمہ سراج منیر میں فرماتے ہیں؛
ای القصود فی الحرث بنحو
یعنی تم رزق کو بونے میں تلاش کرو کھیتی
ذرع فاعرض فاق الارض تغرج
کر کے اور درخت لگا کر کہ زمین اپنے اندر
ما فیہا من النبات الذی یلہ قلوبہ
کی چیزیں باہر نکالتی ہے یعنی نبات کہ

الحيوان (الان قال) وفيه ان طلب
الرزق مشدوع بل ربما دخل بعض
الطلب في حد الغرض وفي الله لا يتنا
في التوكل لان الرزق من الله لكنه
سبب عادي للطلب
(سراج منير - ج ۱ - ص ۳۱)

جس سے جانوروں کی خوراک ہے اور اس
حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رزق حلال
کی تلاش جائز ہے بلکہ بار اوقات رزق
حلال کی تلاش بعد فرض میں اہل ہو جاتی ہے
اور رزق کی تلاش توکل کے خلاف نہیں کیونکہ
رزق تو اللہ کی طرف سے ہے لیکن تلاش طلب
رزق کا سبب عادی ہے۔

- علامہ عزیزی کی تفسیر سے مندرجہ ذیل ایمان افراد مسائل کا استنباط ہوتا ہے:
- ۱۔ تلاش رزق کا عادی ذریعہ مندرجہ ذیل ایمان افراد
 - ۱۔ تلاش رزق کا عادی ذریعہ کھیتی باڑی کرنا اور آمدنی پیدا کرنے والے پودے لگانا ہے۔
 - ۲۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی رزق کا ذریعہ بنایا ہے۔
 - ۳۔ رزق کی جستجو جائز بلکہ بار اوقات فرض ہو جاتی ہے جب کہ اپنے کنبے کی ذمہ داری
عائد ہو جائے۔
 - ۴۔ تلاش رزق توکل کے خلاف نہیں
 - ۵۔ تلاش رزق طلب رزق کا سبب عادی ہے اور یہ جہان اسباب کے ساتھ ہی ہوتا ہے

تلاش رزق ازاں دادند مارا !
کہ باشد پر کشودن را بہسانہ

تلاش رزق | اتنا کمافرغض ہے جو اپنے اندر اور اہل و عیال اور جن
کی کفالت ذمہ میں ہے ان کے خرچہ اور ادائیگی قرض
کے لئے کفالت کر سکے۔ اس کے بعد اجازت ہے کہ اتنے چر ہی بس کرے یا اپنے اور اہل
عیال کے لئے کچھ پس انداز دے پس ماندہ رکھنے کے لئے بھی جدوجہد کرے (بلکہ آج کے نازک
دوڑ میں یہ افضل ہے) نیز ماں باپ تنگ دست و محتاج ہوں تو فرض ہے کہ اپنی کمائی
سے اس قدر ان کی امداد کی جائے جس سے انکی ضروریات پوری ہو جائیں (فتاویٰ عالمگیری
ج ۵ - ص ۳۲۹ طبع مصر)

گویا اسلام کا اقتصادی نظام کسی فرد کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ خود عیشی میں اپنے
ماں باپ اور دیگر کفالت عزیزوں کی پڑا نہ کرے بلکہ ان کی خبر گیری فرائض میں شامل ہے۔
نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں ادبے گانہ نحو ! رہنا

عیاشی کی ممانعت | اسلام کے معاشی نظام میں اسراف و تبذیر اور
عیاشی سے بڑی شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی
گئی ہے کہ اس سے بواسطہ (یعنی انفرادی معیشت کے کمزور پڑنے سے) اجتماعی معیشت
پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ مقدارِ خرچ میں تجاوز اسراف اور موقع میں (بے جا)
خرچ تبذیر ہے اور اسی طرح بخل سے بچنے کی تاکید بھی آتی ہے۔ بخل سے پرہیز اور اسراف
تبذیر سے گریز کا نام اقتصاد و میانہ روی ہے جو معیشت کی ترقی میں ایک اہم چیز ہے۔

اخراجات میں مہارت و احتیاط کا حکم | اخراجات میں میانہ روی اختیار
کرنیکا حدیث میں واضح حکم وار ہے

چنانچہ مروی ہے الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشتہ کہ نفقہ میں میانہ روی نصف معیشت ہے اور امام قاضی حسن بن عبدالرحمن رامہرزی متوفی ۳۶۹ھ اپنی کتاب المحدث الفاضل بین الراوی والواعی میں اپنی سند سے حضرت میمون بن مہران سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں سے محبت کے ساتھ پیش آنا نصف عقل ہے اور خوبصورتی سے مسند پوچھنا نصف علم ہے اور اپنی معاش و گذر اوقات میں میانہ روی اختیار کرنے سے اسی شقت دور ہو جاتی ہے (ص ۳۶۰ طبع بیروت ۱۳۹۱ھ)

اگر اسرف تبذیر کا سلسلہ بند ہو جائے اور اد پر کی سطح سے لے کر پچھلی سطح تک سب افراد میانہ روی اختیار کر لیں، تو ملک بھر کی معیشت پر سے تقریباً نصف بوجھ کم ہو جائے، پھر میانہ روی کی ابتداء سربراہ مملکت سے ہو۔ سربراہ اگر فضول خرچ اور عیاش ہو تو اس کا عملہ اور ماتحت افسران اعلیٰ و ادنیٰ بھی فضول خرچ اور عیاشی میں مبتلا ہو جائیں گے، مشہور ہے الناس علیٰ دین ملوکہم کہ لوگ اپنے سربراہ کی روش اپناتے ہیں سربراہ مملکت میں اگر ملک کی معاشی و اقتصادی ترقی کا کوئی سوز و گداز نہ ہو تو ملکی مشیر کا کے دوسرے کل پر نہ بھی اس ملی و ملکی ہذب و تمدن دی سے قطعاً نا آشنا ہیں گے۔ شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا:

تیرے پرانے بھی اس لذت سے ہی خالی ہے

وصیت پر پابندی | اسلام کے نظام کو لوگوں کی معاشی بہتری جس

میں نہیں ملے گی باوجود یہ کہ اسلام کسی کی ذاتی ملکیت میں دخل اندازی کا روادار نہیں، تاہم جہاں ذاتی ملکیت کے مقابلے میں اجتماعی معیشت اور حاجت مندوں

کی مشترکہ منفعت کو خطرہ لاحق ہوا، وہاں اسلام نے کسی حد تک انفرادی اور ذاتی حلیت میں دخل اندازی کو روک رکھتے بلکہ ضروری گردانتے ہوئے اجتماعی معیشت اور حاجت مندوں کے مشترکہ مفاد کی حفاظت کی ہے اس کی نظیر وصیت پر پابندی ہے، چنانچہ اس کی صوت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا کل مال فلاں شخص کو دے دیا جائے، تو اس کی وصیت میں اس طرح کی ترمیم ضروری ہوگی کہ کفن و دفن اور قرض کی ادائیگی کے بعد اس کی جائداد کا تیسرہ حصہ موصیٰ لہ (جس کے حق میں وصیت کی گئی) کو دے کر باقی دو حصے اس متوفی ادوات یا فتنہ کے حقدار وارثوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے اور یہ اس لیے کہ اس کا کل مال وجہ معقول اور ضرورت شرعیہ کے بغیر کسی ایک شخص کے ہاتھ میں نہ چلا جائے، بلکہ معاشرے کے دوسرے حقداروں کو بھی کچھ نہ کچھ مل جائے یہ بھی ایک طرح سے مستحقین کے حقوق کا تحفظ اور دولت کو مختلف افراد کے ہاتھوں میں منقسم رکھنے کی کوشش ہے؛ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کے احکام کے آگے ہر تسلیم خم رکھیں اور تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کریں۔

ختم ہے تسلیم میرا آپ کے آگے !!

پیری ہے تواضع کے سبب میری جوانی

اسلام کے نظام معیشت میں اپنی اولاد کو میرے بخشش کے سلسلے میں بھی خصوصی ہدایا

اولاد میں حکم مساوات

ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دینا چاہتا ہے تو سب کو دے، بلاوجہ معقول و بلاسبب شرعی کسی کو محروم نہ رکھے۔ صحیح مسلم میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ ان کے والد انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

میں لاتے اور عرض کی کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہمہ کے طور پر دے دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تو نے اپنے سبب بچوں کو اسی طرح ایکٹ ایک غلام کا ہمہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا فارجدہ کہ اس سے جو ع کرو۔ ایک روایت میں ہے فاددہ کہ اسے واپس لے لو۔ ایک اور روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: اتقوا اللہ واعدوا فی اولادکم ورجع الی ذرئکم اللہ کہ خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری کرو، تو میرے بچے وہ عطیہ مجھے واپس کر لیا۔ ایک روایت میں ہے فرمایا: فلا تشمد فی اذا فانی لا شمد علی جور تو مجھے گواہ نہ بناؤ، میں غلام پر گواہ بنا نہیں چاہتا۔ (وغیر ذلک من اختلاف اللفاظ صحیح مسلم ۲۵ - ۲۶)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وفی الحدیث انه ینبغی ان یسوی یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے
بلن الاولادہ وفی المہملہ ویسبب کل کہ ہمہ میں اولاد کے درمیان برابری کرنا
وحدہ منہم مثلاً لا یفصل ویسوی مناسب ہے اور ہر ایک کو دوسرے
بین الذکر والاُنثیٰ شرح نووی کے برابر حقوق دے اور کسی کو ترجیح نہ دے
ج ۷ ص ۳۷ دھکذا فی الدر المنثور والشیخ مرد و عورت کو برابر دے۔

ترجیحی سلوک کی صورت

بعض اولاد کے ساتھ محبت زیادہ ہو اور بعض کے ساتھ کم یہ کوئی ملامت کی چیز نہیں کیونکہ یہ فعل غیر اختیاری ہے اور عطیہ و بخشش میں اگر یہ ارادہ ہو کہ بعض کو ضرر پہنچائے تو یہ درست نہیں بلکہ سب میں برابری کرنے کم و بیش نہ کرنے ایسا کرنا مکروہ

وغیر مستحسن ہے۔ ہاں اگر اولاد میں کوئی دینی بزرگی رکھتا ہو، مثلاً عالم دین ہو جو علم دین کی خدمت میں مصروف یا عبادت و ریاضت میں مشغول ہے اسے اگر دوسروں کی نسبت زیادہ دیدے اور ان لوگوں کو جو دنیا کے کام و دھندوں میں لگے ہوئے ہیں، اگر غصہ و کلام سے تو بلاشبہ مستحسن ہے (فتاویٰ قاضی خاں لا مش ہندیرہ ج ۲ - ص ۱۷۷)

شرعیات نے صورت مذکورہ میں جو نیک اولاد کے حق میں ترجیحی سلوک کی اجازت دی ہے اس میں غلم و زیادتی ناحق نہیں بلکہ یہ عین حق ہے اور سراپا صواب اس میں جہاں دوسری اولاد کو جو مقابلہ نیک صالح نہیں ہے نیک و صالح ہونے کا احساس و شوق ہوگا اور وہ کسی نہ کسی خیال سے دیر اصلاح ہوں گے، دلوں والد کو دین کو غیر دین پر ترجیح دینے کا ثواب اجر بھی ہوگا اور اس نیک بچے کی جو صلاح و فلاح بھی ہوگی۔ اس میں اور بھی کئی ایک موزوں اسرار ہیں جنہیں اہل رموز و اسرار علماء جانتے ہیں۔ یہ دنیا کے اہل حکمت و دانش کیا جانیں ۷

حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے درائے عقل ہے یاں بل حق کی تدبیریں

ہر فرد کو ضروریات زندگی مفت حاصل ہوں

یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام کا معاشی نظام انفرادی حقوق کے مقابلے میں اجتماعی اور ملی حقوق کا زیادہ تحفظ کرتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس بات کا بڑی شدت سے اور اولین طور پر اہتمام کیا جاتا ہے کہ ہر فرد کو خوراک، لباس، مکان، علاج اور تعلیم کی مناسب سہولتیں مفت حاصل ہوں اور اس کی ذمہ داری اور اخراجات کا بوجھ بیت المال پر ہوتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ بیت المال کبھی خالی

ہو جائے تو ترغیبِ تربیتی کے ذریعے دولت مندوں کی ذمہ داری میں شریک کیا جائے گا انہیں غریبوں، ناداروں اور حاجت مندوں کی حالتِ زار پر خاموش تماشائی بنے رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں حدیث شریف بھی ملاحظہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ فِي الْمَالِ لَخُفَا سُوًى کہ تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

یہ ارشاد فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت کریمہ دیس البتر ان تروا وجوهكم قبل المشرق والمغرب کی آخر تک تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ ج ۱ - ص ۱۶۹)

کیونکہ اس میں ہے ذاتی المال علیٰ حبہ (اس کی محبت پر مال خرچ کرے) اور اسی آیت میں آگے ہے ذاتی الزکوٰۃ (اور زکوٰۃ دے) اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خدا کے لئے غریبوں کا حق ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں: کہ مانگنے والا آجاتا ہے، اسے خالی نہ لوٹانا، قرض مانگنے والے کو قرض دنیا گھریلو استعمال کی چیزیں یعنی آگ، پانی، نمک، مروجہ مصالح اور آٹا و برتن وغیرہ جو عام طور پر ایک دوسرے کے گھر سے مانگی جاتی ہیں سب شامل ہیں (مرقاۃ ج ۲۰ - ص ۲۱۰)

اجتماعی حقوق کس ترتیب سے ادا ہوں | اجتماعی حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام نے ہماری رہنمائی کر دی ہے: چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی صحیح

میں حضرت ابو ہریرہؓ و حکیم بن حزام سے اور امام مسلم اپنی صحیح میں صرف حکیم بن حزام سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَابْدِءْ بِمَنْ تَعُولُ امْسُكُوْهُ کہ خرچ کی ابتدا اس سے کرو جس کے تم کفیل ہو۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ای بمن تلزمك نفقتك (مرقاۃ ج ۲۰ - ص ۲۱۵)

یعنی اپنے بعد حیل اجتماعی حقوق کے ادا کرنے کی نوبت آئے تو سب پہلے اس کا حق ادا کرو جس کے تم کفیل ہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ انسان دوسروں پر بوجھ نہ ہو، بلکہ اپنے اور اپنے ساتھ اہل و عیال کا آپ ہی کفیل ہو، کیونکہ جب جماعت کو اپنے نوراکتساب سے مستفید کرنے کی نوبت آئے تو سب پہلے اس کے اپنے اہل و عیال ہی اس کی جملہ حاجتوں سے مستفید ہوں گے۔

تو اے مسافر شب خود چرخ بن اپنا
کہ اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی

اس اجمال کی تفصیل اس حدیث سے ملتی ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے پاس ایک دینار ہے (میں اسے کس پر خرچ کروں) فرمایا النفقۃ علیٰ نفسك کہ اپنی ذات پر خرچ کرو (یہ نفقۃ عید حق کے تحت تعلیم ہے) اس نے عرض کی کہ میرے پاس دوسرا دینار ہے فرمایا اپنے خادم پر خرچ کر۔ عرض

کی کہ میرے پاس تیسرا دینا رہے فرمایا اس کو بیوی پر خرچ کر عرض کی میرے پاس
چوتھا دینا رہے فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کر عرض کی میرے پاس پانچواں دینا
ہے فرمایا (انت اعلو) رواہ ابوداؤد و نسائی۔ مشکوٰۃ ج (۱ - ص ۱۷۱) کہ تو خوب
جاتا ہے، یعنی اس کے بعد تیسرے اعزہ واقارب میں جو مستحق امداد ہیں وہ تجھے
خوب معلوم ہے، ان پر خرچ کرو (مرفقا)

حقوق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے ان حقوق کا پورا
کرنا ضروری ہے جو فرض کا درجہ رکھتے ہیں مثلاً ایک اپنی
ذاتی ضروریات کہ جن کے بغیر گذر بسر ممکن نہیں دوسرے بیوی بچے اور خادم ایسے
گھریلو افراد کی ضروریات و مستقبل کی حاجات کا انتظام پھر ان رشتہ داروں کی امداد و
کفالت جو محرم ہوں جن سے ہمیشہ ہمیشہ نکاح حرام ہے جب کہ یہ غریب معذور ہوں
یا کسی بھی وجہ سے اپنی کفالت آپ کر سکتے ہوں پھر تمام ضرورت مندوں کا درجہ ہے۔
قرآن کریم میں قُلْ الْعَفْوَ سَبَّحِ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَالَمِينَ اگر ملک کے دولت مند اور صاحب مال
لوگ قُلْ الْعَفْوَ کی یہ مراد سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں، تو ملک سے افلاس و غربت کا کچر
خاتمہ ہو جاتے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان اللہ کے تجھ کو عطا ہوتی کردار
جو صرف قُلْ الْعَفْوَ میں ہے پڑھنا اب تک اس دور میں شاید حقیقت ہو
نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلزَّكَاةِ وَالصَّوْمِ كَذَلِكَ
مندوں کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے بذاریات و معارج
اگر دولت کی تحریک اس حد تک کمزور ہو چکی ہو کہ وہ ملک کے ایک مخصوص طبقے میں محروم کرنے

لگے اور عام لوگ بنیادی ضروریات سے محروم ہو جائیں ہوں تو امیروں سے فاضل دولت لیکر غریبوں کو
انکی ضروریات فراہم کرنا ضروری ہو جائے کفالت کی صورت میں بھی جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے
اور دوسری صورت میں بھی جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

نیز ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ فاضل مال
کو ضرورت مندوں میں خرچ کرنا اسے جمع کر کے رکھنے سے بہتر ہے اور اپنی ضروریات
میں کام کرنے کی حد تک کچھ بچھڑانے میں کوئی حرج نہیں اور خرچ کرتے وقت ان پر
پہلے خرچ کرو جو تمہاری کفالت میں ہوں اور خرچ کرنے والا اپنے لئے مانگے والے
سے بہتر ہے۔ (ترمذی - ج ۲ - ص ۵۷)

لفظ حق سے تعبیر کا فائدہ

لفظ حق دونوں کے بارے میں وارد ہوا
ہے اور یہاں لفظ حق سے تعبیر کا فائدہ
یہ ہے کہ سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو معلوم ہو جائے کہ استحقاق دولت کی بنیاد یہ
بھی ہے لہذا مفلس نادار افراد بھی ٹھیک اسی طرح دولت کے مستحق ہیں جس طرح
اولین مالک مگر فرق صرف اولیت اور ثانویت کا ہے اگر کیا دولت کے مستحق و متم
کے لوگ ہوئے۔ ایک تو وہ ہیں جو کسی پیداوار کے عمل پیدائش میں بنیادی کردار ادا کرتے
ہیں دوسرے وہ جنہیں عمل پیدائش میں کسی کردار کا مظاہرہ کئے بغیر محض ان کی
غربت و افلاس کی وجہ سے دولت میں حصہ دار و شریک اور حقدار بنایا گیا ہے چنانچہ
اپنی جگہ کے ایک نسخہ میں ہے فی المال حقاً سوی الزکوٰۃ کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ
بھی غریب ضرورت مندوں کا حق ہے حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں فی مالک
حق سوی الزکوٰۃ کہ تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی ضرورت مندوں کا حق

ہے (معدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۲۳۷/۲۳۸)

ضرورت مندوں کی دوستیں ہیں | کچھ تو وہ ہوتے ہیں جو اپنی ضرورت کے مانگنے سے نہیں شرماتے وہ مکمل

نہیں اور دوسرے وہ ضرورت مند بھی ہیں جو سوال کرنے شرماتے ہیں، جب کہ وہ شدید ضرورت مند اور معاشی مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہیں، مگر ان کا خود ار ضیم انہیں درست سوال دراز کرنے سے منع کرتا ہے، تو ایسے لوگوں کی ہمیں خود تلاش کرنی چاہیے کہ وہ ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی اظہار حاجت نہیں کرتے، البتہ ان کا دل فریاد سے معمور ہوتا ہے اور ان کی شکایات و حاجت زبان سے نہیں آہ سرد سے عکس کی جاسکتی ہے۔

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستو ہے

سینۂ سواں تیرا فریاد سے معمور ہے

ایک عجیب واقعہ | یہاں ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جسے ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

میں تحریر فرماتے ہیں: ہمارے شیخ عارف باللہ علی متقی علیہ الرحمۃ نے بتایا کہ ایک صالح آدمی اپنی حلال کمائی کا ایک حصہ خدا کے لئے بانٹ دیتے اور ایک حصہ اپنے کام میں لاتے اور بقیہ ایک حصہ اپنے کاروبار میں لگا دیتے۔ ایک روز ان کے پاس ایک مالدار شخص آیا اور کہا کہ میں کسی غریب کی امداد کرنا چاہتا ہوں کہ کسی مستحق کی نشان دہی فرمائیں۔ اپنے فرمایا کہ مستحق کے ہاتھ میں حلال کمائی ملے گا ہی ماں جاتا ہے جب اس نے مجبور کیا، تو اپنے فرمایا کہ تم ملے جاؤ مانگنے والے پھرتے ہوں گے جس کے بارے

میں تمہارا دل ملے اور مطمئن ہو، اسے دے دو، وہ چلا گیا، تو اسے ایک نابینا معمر منگتا ملا، اس نے اس کو جو دینا تھا دے دیا اور چلا آیا پھر دوسرے روز اس مال دار کا اس نابینے پر سے گزر ہوا، تو وہ نابینا اپنے ساتھی کو بتا رہا تھا کہ گذشتہ کل مجھے مالدار نے اتنی رقم دی کہ میرا کام بن گیا، میں نے شراب پی اور فلاں گانے والی عورت کے ساتھ شب بسر کی۔

مالدار نے سنا، تو اسے صدمہ ہوا کہ اس کے مال کو اس نابینا منگتے نے کہاں پیہودگی میں خرچ کیا، وہ اس صالح کے پاس آیا اور اسے اقرار بتایا، تو اس صالح نے اپنی مثال کمائی سے مالدار کو کچھ دے کر کہا کہ جاؤ اور سب سے پہلے جس آدمی پر تمہاری نظر پڑے، یہ رقم فی سبیل اللہ اسے دے دو۔

چنانچہ وہ چلا گیا اور سب سے پہلے جس پر اس کی نظر پڑی، وہ ایک خوش لباس شخص تھا، معدوم ہوتا تھا کہ یہ دولت مند ہے، اسے دینے کو مالدار کا دل نہیں چاہتا تھا، تاہم صالح مذکور کے حکم کی وجہ سے اس نے وہ رقم اسی شخص کو دے دی۔ اس سفید پوش نے وہ رقم لی اور اٹھ پاؤں واپس چلا گیا اور ایک ویران مکان میں داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل کر چلا گیا یہ مالدار بھی اس کے تعاقب میں رہا تا کہ یہ دیکھے کہ اس ویرانے میں جا کر کیا کیا ہے اس نے جا کر دیکھا کہ وہاں ایک مرہو اکبوتر پڑا ہے اس مالدار نے اس سفید پوش کو قسم دی کہ کہہ تاؤ یہ کیا راز ہے اس نے کہا کہ اس کے بچے بھوک سے پک نہ تھے اور مانگنے کو خمیر گوارہ کرتا تھا، یہی مرہو اکبوتر ملا تھا، میں اسے لے جا رہا تھا کہ اسے پکاؤں اور بچوں کو کھلا کر ان کی جان بچاؤں، راستے میں آپ ملے اور فی سبیل اللہ کچھ رقم دے دی، اب چونکہ مجھے حلال مل گیا اس لئے اس اکبوتر کو واپس

اس دیرانی میں پھینک کر گھر جا رہا ہوں تاکہ اس رقم سے کچھ حلال خریدوں اور بچوں کو کھلاؤں، اس کے بعد اس مالدار کو اس صالح کی بات کا یقین ہو گیا (مرفاقہ ج ۴ ص ۱۹۹/۲۰۰)

اس لئے اہل دولت اور صاحب ثروت لوگوں کو ایسے باضمیر اور سفید پوش اہل فقر کا بھی خیال رکھنا چاہیئے، اس بات کا منتظر نہیں رہنا چاہیئے کہ گھر پر بند گئے والے آئیں گے تو انہیں دے دوں گا، بلکہ بے شکستہ ضرورت مندوں کو خود جا کر جستجو کرنا اور ظاہر حال سے نہیں، کچھ دل کی بصیرت اور دوسرے قرآن و شواہد سے بھی ان کی خبر رکھنا چاہیئے۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب !
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

حضرت عمر کا عیال کی خوشحالی کے لئے فکر مند ہونا
سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عیال

کی زندگی کو خوشحال بنانے کے لئے اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کے جذبے سے راتوں کو گشت کرنا ایک مسلم تاریخ کی حقیقت ہے۔ تاریخ طبری میں حضرت ام حنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے راتوں میں گشت کرنے کے سلسلے کو وسعت دینے کے پروگرام کو مرتب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ راتوں کا گشت ساری مملکت میں پورا سال کروں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر طرح کی کوشش کے باوجود بعض مجبوروں کی بنا پر بعض لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ہوں گے۔

خاص سیرالی الشام فاقیم بہا تو میں تمام جاؤں گا، وہاں دو ماہ

شہرین ثو اسیرالی الجزیرۃ فاقیم
بہا شہرین ثو اسیرالی
مصر فاقیم بہا شہرین
ثو اسیرالی البحرین فاقیم
بہا شہرین ثو اسیرالی الکوفۃ
فاقیم بہا شہرین ثو اسیرالی
البصرۃ فاقیم بہا شہرین
واللہ لنعمو الحول هذا
تاریخ الطبری ج ۵ ص ۱۸۱

قیام کروں گا اور وہاں راتوں کا گشت کروں گا ابھر صریحے جاؤں گا وہاں دو ماہ قیام کروں گا پھر مصر جاؤں گا وہاں دو ماہ قیام کروں گا پھر بحرین جاؤں گا وہاں دو ماہ قیام کروں گا پھر کوفہ جاؤں گا وہاں دو ماہ قیام کروں گا پھر بصرہ جاؤں گا وہاں دو ماہ قیام کروں گا اور پھر پورا سال میری راتوں کو گشت کا سال ہو گا۔ قسم بخدا یہ پچاس سال ہو گا

اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ قوم کے نگران اور چہلے ہوں اور اس نے انہیں اس لئے حکمران نہیں بنایا کہ وہ قوم کو ٹیکسوں کے بوجھتے مبادیں۔

امام ابو نعیم حلیم فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین اپنے زمانہ خلافت میں اس تمام سونے اور چاندی و دیگر اموال کو جو بیت المال میں جمع ہو جاتا حاجت مندوں اور مستحقوں میں بانٹ دیتے اور بیت المال میں کچھ باقی نہ چھوڑتے پھر وہاں دو رکعت نماز ادا کر کے فریضے کے روز زمین اس بات کی گواہی دے گی کہ ہم نے اللہ کے بندوں کے لئے جو کچھ جمع کیا تھا، وہ سب انہیں بانٹ دیا ہے

شاہد قدرت کا آئینہ ہو، دل میرا نہ ہو

سر میں جز ہمدردی انسان کوئی سودا نہ ہو

الغرض اسلام کے نظام حکومت سے ایک ایسا اقتصاد و معاشی نظام معرض وجود میں آتا ہے کہ صالح و موزوں ہونے کی بدولت امت کے ہر ہر فرد کے خوشحال فارغ البال ہونے کی پوری ضمانت دیتا ہے۔

رعیت کے لئے نقصان کا معاوضہ | اسلام کے معاشی نظام میں

اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ اگر رعیت میں سے کسی کا نقصان ہو جائے تو حکومت اسلامیہ کی طرف سے اسے معاوضہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں ہے۔

اتى عمر رجال فقال يا اعدى المومنين ذرعت ذراعا فستر بهم جيش من اهل الشام فاصدوه قال فحوضه عشرة الاف صد۱۱۹
یعنی ایک شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی اے امیر المومنین میں نے کھیت بویا، اہل شام میں سے ایک لشکر کا وہاں سے گزر رہا تو میرا کھیت برباد ہو گیا۔ آپ نے اسے دس ہزار روپیہ معاوضہ دیا۔

اس واقعہ سے اسلام کے معاشی نظام کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، یہی وجہ ہے کہ بنیائے عیسائیت تک کے منکرین نے اسے ایک بے مثال معاشی نظام قرار دیا۔ والفضل ما شہدت بلہ الاعداء۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ

عنه، کو عوام کی معاشی تکلیف کی

سربراہ مملکت کو مہنگائی کی فکر

فکراس حد تک ہوتی ہے کہ اس کے مقابلے میں اپنی تکلیف کو بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا، تو اس اثناء میں کسی دور کے علاقے سے ایک نمائندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے سب سے پہلے یہی سوال کیا کیف اسعارہو؟ قال قلت ارخص اسعارہ ذاریع الطبری ج ۵ ص ۱۱۱ کہ ان کے ہاں عام چیزوں کے نرخ کیسے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ وہاں چیزیں بہت سستی ہیں۔ آپ نے اطمینان کا سانس لیا۔ معلوم ہوا کہ سربراہ مملکت لوگوں کی معاشی خوشحالی کا ذمہ دار ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے سربراہ درد و فکر سے ہی عالم اسلام میں معاشی خوشحالی کا دور روٹ سکتا ہے۔

کانا وہ دے کہ جس کی کھٹک لانا وال ہو

یا رب وہ درد جس کی کھٹک لانا وال ہو

اسلام کے مایاتی نظام پر ایک نظر | اسلام کے معاشی نظام کے بڑے

مکڑی خزانے کا وجود ضروری ہے جسے بیت المال کہا جاتا ہے۔ ایک بیت مال مرکزی ہوتا ہے، دوسرے صوبائی اور تیسرے ضلعی اگر ضرورت ہو تو ایک ضلع میں متعدد بیت المال بھی قائم کئے جاسکتے ہیں جس سے عوام کی ضروریات پوری کی جاسکیں گی۔ اب ہم اختصار کے ساتھ بیت المال کے ذرائع آمد اور ساتھ ہی اس کے مصارف کے سلسلے میں کچھ عرض کرتے ہیں۔

ذرائع آمد (۱) زکوٰۃ (۲) عشر (۳) خراج (۴) جزیہ (۵) دقت (۶) کرار الارض (سرکاری زمین پر لگان) (۷) عشور (کشم ڈیوٹی) (۸) ضرائب (ہنگامی ٹیکس) (۹) فیس (بغیر جنگ کے بھاگ جانے والے کاسمان) (۱۰) خمس (۱۱) صدقات (۱۲) اموال فاضلہ (متفرق آمدنیاں) (۱۳) کانیں (۱۴) دھینے (۱۵) سواری ٹیکس (۱۶) ذرائع مواصلات (۱۷) برقیات (۱۸) سیاحت و زیارت (۱۹) تجارت (۲۰) صنعت و حرفت۔

مصارف (۱) مصارف ثمانیہ (آٹھ قسم کے ضرورت مند جن کا ذکر قرآن میں بیان ہے) (۲) تنخواہیں (۳) وظائف (۴) رفاہ عامہ (۵) شعبہ ہائے حکومت یعنی ہسپتال، سکول و مدارس، سرٹیکس پل اور سافر خانے وغیرہ کے متفرق مصارف اسلامی نظام یا نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے بعد غیر ملکی قرضوں کی قطعاً ضرورت نہ ہوگی کیونکہ ذرائع آمد مصارف سے کہیں زیادہ ہیں۔ نیز ذرائع آمد میں سے اگر سواری ٹیکس معاف کر دیا جائے جیسا کہ اسلام کے نظام معیشت و آسودگی کا تقاضا ہے تو بہتر ہوگا اسلامی نظام کو خدا کا فضل کافی ہے کہیں سے قرضہ کی بھیک مانگنے کی حاجت ہرگز نہ ہوگی۔ غرضیکہ ذرائع آمد کے مقابلے میں مصارف کم ہیں اس لئے اسلام کے نظام معیشت میں ٹیکسوں کی بھرمار نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ یہ نظام لوگوں کو حیات حقیقیہ کے ذوق سے آشنا کرتا ہے۔

ہست دین مصطفیٰ دین حیات !

شرح او تفسیر آئین حیات !

زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام اور مالیاتی پروگرام کے سلسلے میں زکوٰۃ ایک اہم ذریعہ آمد ہے جو نماز کے بعد ہر صاحب نصابِ قلم و بائع مسلمان کے فرائض واجب الادا ہے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور نشوونما کے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دولت پاکیزہ ہو کر برکتوں سے نشوونما پاتی ہے۔ نیز زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دولت پاکیزہ ہو کر برکتوں سے نشوونما پاتی ہے۔ نیز زکوٰۃ کی ادائیگی بندے کو اس بات کا احساس بھی دلاتی ہے کہ اس کے مال کا مالک حقیقی خدا تعالیٰ ہے اور اس کی حیثیت صرف خازن و امین کی ہے اور اس امانت کو رضا کارانہ طور پر ادا کرنا از حد ضروری کرتی ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف منعموں کو مال و دولت کا بناتی ہے ایسے

فلسفہ زکوٰۃ اسلام میں اہل دولت پر جو مالی حقوق عائد کئے گئے ہیں مثلاً زکوٰۃ، عشر اور خمس وغیرہ سب میں یہی حکمت و فلسفہ کا فرمان ہے کہ ملک کی دولت چند ہاتھوں میں مرکوز و محدود ہو کر نہ رہ جائے چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

لَا يَكُونُ دَوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ (احشریت) کہ ہم نے دولت مندوں پر زکوٰۃ و عشر و صدقات و خیرات ایسے مالی حقوق اس لئے عائد کیے ہیں کہ مال چند اغنیاء میں ہی گردش نہ کرتا رہے اور چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے، بلکہ اس کی تحریک و گردش کا دائرہ اس طرح وسیع و عریض ہو کر پورے ملک و ملت کے افراد اس کی فہم سے مستفید و منتفع ہوں۔ آیت مذکورہ کے جملہ مسطور بالا نے اسلام کے نظام معیشت

کی روح و خلاصہ کو بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اسلام کے نظامِ معیشت کے برعکس سرمایہ دارانہ معیشت میں دولتِ سمٹ کر چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے جس سے ملک کے چند افراد اذ حد متمول و مالدار بن جاتے ہیں اور ملک قوم کے باقی افراد تنگ دستی و معاشی بد حالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے ایسی سرمایہ داری کی پہلے ہی صحیح کنی کر دی ہے اور اسلامی معاشرہ کو اس طرح کی شکل عطا کی کہ اس پر مہلک تباہ کن سرمایہ داری کے دھسے کبھی بھی پڑنے نہیں پاتے اور اسلامی معاشرہ میں سرمایہ داری پنپ ہی نہیں سکتی اور دولت کو چند ہاتھوں میں مجتمع و مرکز ہونے سے روکا اور اس سلسلے میں ایسے حفاظتی بند باندھے کہ اس سے دولت نہ تو چند ہاتھوں میں جمع ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی ادا دیت چند افراد تک محدود رہ سکتی ہے۔ بلکہ اس کی حرکت و گردش تمام افراد ملک ملت میں جاری رہتی ہے۔ لہذا اس میں نہ تو امیر امیر تر اور نہ ہی غریب غریب تر ہوتے ہیں، بلکہ نہایت حسن و خوبی سے غربت و افلاس کا قلع قمع ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ باہمی طبقاتی آگ اور تحاسد و تباہی کی بجٹی ہمیشہ کے لئے سرد ہو جاتی ہے جس سے غریب و مفلس لوگ آمادہ بغاوت ہو کر اپنی ہی قوم کے خون کا دریا بہا دیتے ہیں اور باہمی کشت و خون جو سوشلزم و کمیونزم اور اشتراکیت کا طرہ انبیاز ہے، عمل میں نہیں آتا، بلکہ معاشرہ کی عمارت دولت کی مساویانہ تقسیم پر کچھ اس طرح بے استوار کی جاتی ہے کہ پورا ملک امن و سکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اشتراکِ معاشرہ کو جس کی موٹا تک نصیب نہیں ہوتی۔ علامہ اقبالؒ سے اشتراکِ معاشرہ کی بابت سینے سے

جگت بوز تن نغیر و جان پاک جز بہ تن کار سے نداد و اشتراک
دین آں پے پیغمبرِ حق ناشناس بر مساواتِ شکم دار و اساس
تہ علم یہ حکمت یہ تدبیر حکومت پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
لیکن اسلام نے زکوٰۃ، عشر و صدقہ و خیرات ایسے مالی حقوق دولت مندوں اور مالداروں پر قائم کر کے غریبوں اور ناداروں کو ان کی دولت و ثروت میں حصہ دار بنا کر جو مساوات حقیقی پیدا کی ہے اس میں نعرہ بازی اور طمع سازی نہیں، بلکہ اس کی صدائے مساوات حقیقت و صداقت پر مبنی ہے جو ہمیں صدیوں سے دعوتِ عمل دے رہی ہے جو دشمنِ نشیں غریب کو اٹھا کر تحتِ نشیں بہر کا ہم پہلو بنا دیتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کی زبان سے سینے سے

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز صدیوں سے سُن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط کرتی ہے جو غریبوں کو ہم پہلوئے امیر
اقبال کس مساوات کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا، جہشی کو دوام ہے

نفلی حج سے غریبوں کی امداد بہتر ہے | اسلام کے معاشی نظام میں غربتِ افلاس کے دور کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد اگر کسی کے پاس فاضل دولت موجود ہے تو اسے بھی اس انداز سے خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ خرچ

۱۳۱ پیغمبرِ حق شناس، یعنی لینن اور کارل مارکس
۱۳۲ سوشلسٹوں اور اشتراکیوں پر تنقید ہے۔
۱۳۳ لہ اشتراکِ معاشرہ
۱۳۴ کا نظریہ اشتراکیت و کمیونزم

کرنے والا اپنا مقصد بھی حاصل کر لے اور اس سے معاشرہ کے بد حال لوگوں کا بھلا بھی ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص فاضل دولت سے کوئی ثواب کا کام کرنا چاہتا ہے اور اس مسئلے میں نفلی حج کرنے کا خیال رکھتا ہے تاکہ اسے خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو، تو اسلام کے معاشی نظام کی طرف سے اسے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ نفلی حج کے بجائے اس رقم کو معاشرہ کے بد حال لوگوں پر صرف کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کر لے اس سلسلے میں ہم امام غزالی علیہ الرحمۃ کا فرمان پیش کرتے ہیں۔

”بہت سے دولت مندوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا (اور ضرورت) چھوڑتے ہیں ایسا حج کہاں قبول ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا ہے کہ (قیامت کی علامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ اخیر زمانہ میں بلا ضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی، ان کو حج کا سفر بہت آسان معلوم ہوگا کہ جہازوں پر آئیں جائیں گے) روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی (جب کہ معاشرہ کے بد حال اور ضرورت مند لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور یہ نفلی حج کرتے پھرتے ہوں گے، لیکن وہ حج کے ثواب محروم رہیں دست واپس آئیں گے ابو نصر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ایک شخص امام الادبیا بشر بن حارث کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میرا حج کا ارادہ ہے اپنے پوچھا تیرے پاس کتنی رقم ہے؟ اس نے کہا دو ہزار درہم۔ فرمایا حج سے تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے عرض کی اللہ کی رضا جوئی۔ فرمایا کہ میں تمہیں ایسا کام بتاتا ہوں کہ تمہارے بچے بھی خرچ ہو جائیں اور خدا کی رضا جوئی بھی حاصل ہو اور تمہیں سفر بھی نہ کرنا پڑے۔ اس نے عرض کی بخوشی؟ فرمایا اچھا بآؤ اس مال کو ایسے آدمیوں کو دے دو جو مقررہ ہوں وہ

اس سے اپنا قرضہ ادا کر دیں اور اگر تمہاری طبیعت چاہے، تو یہ ایک ہی (مقررہ) ہی کسی حاجت مند کو دے دو۔

فان ادخالک السور علی قلب المسلم واغاثۃ اللہفان وکشف الضر واعانة الضعیف افضل من مائة حجة بعد حجة الاسلام (بیان العلم ج ۲ ص ۳۹۷)

ترجمہ: کیونکہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا ایسے کس کی امداد، ضرورت مند کی ضرورت پوری اور کمزور کی اعانت کرنا سو نفلی حج سے افضل ہے (اور اگر تو نے ایسا نہ کیا اور ضرورت مندوں کو چھوڑ کر حج پر چلا گیا، تو تیرا حج قبول نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ وہ صرف متیقن کے عمل کو قبول فرمائے گا۔ احیاء العلوم، ج ۳ ص ۳۹۷۔ طبع مصر)

سچ تو دل میں لگتا ہے کہ یہ زیبا تجھے؟

انجمن ہے پیاسی اور پیما نہ بے صہب تیرا

ضرورت کی ضرورت کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر بہتر ہے | اسی کتاب میں ایک جگہ امام صاحب فرماتے

ہیں کہ بعض لوگ معاشی بد حالی میں مبتلا لوگوں کی ضروریات میں صرف کرنے کی بجائے مساجد کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں، حالانکہ ضرورت مند کی ضروریات کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر کے کہیں بہتر اور اہم ہے۔

صرف المال الیہم اھمو
افضل واولی من الصرف الخ
بناء المساجد و زینتها۔
یعنی ضرورت مند مسلمانوں کی ضروریات میں مال خرچ کرنا مساجد کی تعمیر و آرائش پر خرچ کرنے سے زیادہ ضروری و بہتر

اور افضل ہے۔

ج ۲ - ص ۱۳۹۹

پاکستان کی قومی آمدنی اور زکوٰۃ

اگر پاکستان کی قومی آمدنی کی زکوٰۃ پاکستان کے نادار افراد میں تقسیم کی جائے تو اس سے تقسیم دولت کا جس قدر وسیع سلسلہ عمل میں آسکتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی قومی آمدنی پندرہ ارب تیس کروڑ روپے کے قریب تھی۔ زکوٰۃ کی شرح اڑھائی فیصد کے حساب سے قومی آمدنی سے اگر زکوٰۃ نکال لی جائے تو اڑتیس کروڑ پچیس لاکھ روپے سالانہ غریبوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ۱۹۶۵ء کا سرکاری بجٹ

اموال ظاہر و باطنہ

اموال کی دو قسمیں ہیں ظاہرہ و باطنہ۔ اول الذکر وہ مال ہے جسے گھر میں چھپا کر رکھنا ممکن نہ ہو۔ جیسے جائیداد، کھیتی اور زراعتی مال ہے جسے گھر میں چھپایا جاسکتا ہے جیسے سونا اور چاندی۔ ثانی الذکر مال کی زکوٰۃ اگر صاحب مال از خود حکومت کو ادا کرے تو بہتر ورنہ اس سے جبراً وصول نہیں کی جائیگی۔ البتہ اگر سونا چاندی یا نقد صرفی جسے وہ پیہ پتے میں کو گھر سے باہر کسی دوسری جگہ منتقل کریں جہاں ڈاکوؤں، ایٹروں اور چوروں کے شر سے محفوظ دینا حکومت کی ذمہ داری میں آتا ہو اس صورت میں حکومت جبری طور پر اس کی زکوٰۃ بھی وصول کر سکتی ہے۔ بیگوں کا حکم بھی یہی ہے کہ ان کی حفاظت بھی حکومت کی ذمہ داری میں شمار ہوتی ہے۔ ذیلی فرماتے ہیں۔

فياخذ الصدقات من الاموال يعني حکومت کا کارندہ ان اموال کی زکوٰۃ لون العجائب بالحمایة۔ (تبيين وصول خرگاہ کینوئیکس دیا زکوٰۃ الکی وصولی

الحقائق امام ذیلی ج ۱ ص ۱۲۸۲

حفاظت کی فوج سے اس کا حق ہے۔

نیز وزیر خزانہ یا افسر خزانہ اموال زکوٰۃ کو اسی طرح خرچ کرنے کے پابند ہیں۔ جس طرح قرآن سنت کی ہدایت میں اور قرآن سنت نے ہر طرح سے اس کی وضاحت کر دی ہے جس کو پیش نظر رکھنے والا غلطی میں نہ پڑے گا۔

صفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند !!

کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمت شب میں ابھی

انگرنی کا حق

اسلام کے معاشی نظام کی برتری کے جذبات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے اصول خدا تعالیٰ کے وضع کردہ ہیں

اور زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے اپنی مرضی سے کچھ کہنے یا کرنے کے مجاز نہیں، بلکہ دونوں خدا و مصطفیٰ جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی و امر پر چلنے کے پابند ہیں اس لئے اسلام زکوٰۃ دینے والوں کی انگریزی کا بھی حق دیتا ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے اموال صحیح مصرف پر صرف ہو رہے ہیں یا نہیں، اگر ضرورت پڑے تو ذمہ دار افسر کے خلاف عدالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ ہم و دنیا یعنی نقد رقم اور سونے چاندی کی زکوٰۃ صاحب نصاب اپنی مرضی سے جہاں چاہے دے اور جس مستحق کو مناسب سمجھے عطا کر سکتا ہے، لیکن حکومت اسلامیہ کی تجارت پر زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے، اس میں جو مزاحم ہو اسے باغی تصور کیا جاتا ہے اور امیر اسلام اس سے اکراہ و جبر کے ساتھ زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے اور زرعی پیداوار کا عشر بھی حکومت اسلامیہ وصول کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ حکومت اسلامیہ اس سلسلے میں پوری توجہ سے اور بار و رعت

خسولی کی بگٹ دو کرینگی تاکہ وہ معاشی بد حالی میں مبتلا افراد کی حالت سدھارنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو سہ

ہر ایک مقام سے آگے گزر گیا ماہ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے بگٹ دو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مصارفِ زکوٰۃ

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے درج ذیل آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ فقرائے جن کے پاس اس قدر سرمایہ نہ ہو جس سے ان کی ضرورت پوری ہو سکے۔

۲۔ مساکین: جن کے پاس سرے سے کچھ بھی نہ ہو۔ فقیر و مسکین میں فرق آگے چل کر ملاحظہ فرمائیے۔

۳۔ عاملین: جنہیں حکومت کی طرف سے زکوٰۃ و عشر کی تحصیل پر مامور کیا گیا ہو ان کو زکوٰۃ ہے اس قدر دیا جائے گا جس سے ان کی اور ان کے زیر کفالت متعلقین کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

مولفۃ القلوب: ضعیف الایمان لوگوں کو اسلام پر سچے کرنے کے لئے یا مائل بہ اسلام لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب کے سلسلے میں یا معارین اسلام شر پسندوں کو شر سے باز رکھنے کے لئے زکوٰۃ دی جاتی تھی یہ مبنوں گزہ مولفۃ القلوب کہلاتے ہیں (فتح القدیر) اس کی مزید تفصیل عنترتیب آرہی ہے۔

رقاب، مکاتیب کو بدل کتابت دیگر آزادی سے چمکانا کرنا۔

۳۔ غارین، وہ مقروض جن کے پاس اس قدر سرمایہ نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکیں۔

۵۔ ابن السبیل : مسافر جن کا وطن میں تو سرمایہ ہو لیکن سفر کی حالت میں ان کا سفر خرچ ختم ہو چکا ہو۔ (ہدایہ جلد اول صفحہ ۱۸ طبع دہلی)

۶۔ فی سبیل اللہ، یعنی خدا کی راہ میں اقرآن کریم میں جہاں کہیں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ذکر آیا ہے۔ وہاں کبھی تو عام معنی مراد لیا جاتا ہے جس پر لفظ فی سبیل اللہ کی بڑھاپہ دلالت ہے۔ یہ معنی عام جو دراصل لفظ فی سبیل اللہ کا بول بھل ہے ہر قسم کی نیکی اور ہر طرح کے کار خیر کو شامل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبئت سبع سنابل في محل سنبلة مائة حبة۔ الى آخرها۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله ثم لا تتبعون منا ولا اذى لهم اجرهم۔ الى آخرها۔“

اس قسم کے ارشاد باری تعالیٰ میں واقع ہو نیوالے لفظ ”فی سبیل اللہ“ کو کسی نے بھی جہاں کے معنی کے ساتھ مختص نہیں کیا بلکہ اس سے معنی عام مراد لیا جاتا ہے جس کا تعلق ہر مستحق امداد سے ہے خواہ وہ کوئی بھی کار خیر انجام دے رہا ہو، تنہا ہو یا ادارہ کی شکل میں ہو۔

کبھی لفظ ”فی سبیل اللہ“ سے معنی خاص مراد لیا جاتا ہے اور وہ اللہ کے دین

کی مدد اس کے دشمنوں سے جنگ اور رشتے زمین پر اس کا بول بالا کرنا ہے سختی کو کفر کا فتنہ فرد ہو اور اس کا دین غالب۔ اور آیت کے سیاق و سباق سے ہی پتہ چل سکتا ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ سے وہاں کون سا معنی مراد ہے۔ عام یا خاص؟ اور یہ خاص معنی قتال و جہاد کے ذکر کے بعد آیا کرتا ہے۔ مثلاً

”قاتلوا فی سبیل اللہ“ ”وجاہدوا فی سبیل اللہ“
اور اسی طرح کفار کے ساتھ جنگ کے ذکر کے بعد فرمایا گیا۔

”وانفقوا فی سبیل اللہ“ ”وانفقوا بايديكم الى التهلكة“ (نور ۵۰)

بلاشبہ یہاں انفاق فی سبیل اللہ سے مراد اسلام کی امداد و حمایت کرنا، دشمنان اسلام جو لوگوں کو اسلام لانے سے روکتے ہیں کے مقابلہ میں اللہ کی توحید و اسلام کا بول بالا کرنا ہے اسی طرح آیت کریمہ انما الصدقات میں وارد ہونے والے لفظ ”فی سبیل اللہ“ کا سیاق و سباق بھی اسی معنی خاص کو متعین کر رہا ہے بلکہ اس سورہ مبارکہ کا آغاز ہی کفار و مشرکین سے برارۃ کے ساتھ ہو رہا ہے جو ان کے لئے کھلا اعلان جنگ ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے آگے اور پیچھے کی آیات بھی اسی معنی خاص کے مراد و متعین ہونے کو واضح کر رہی ہیں۔ وہ یہ کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد و اسلام کی امداد و حمایت میں خرچ کرنا ہے۔ وہ عام معنی مراد نہیں کیونکہ اگر وہ معنی عام مراد لیتے جائیں اور کہا جائے کہ اس سے مراد ہر اچھے اور تعمیری کام میں خرچ کرنا ہے تو اس صورت میں مصارف کا آٹھویں تھما رہے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ خدا کی راہ میں عام خرچ کرنے کے مواضع و اقسام و مواقع آٹھ میں منحصر نہیں بلکہ وہ

بسیوں اقسام و مواقع ہیں اور ہر قسم کے سیکڑوں افراد ہیں بلکہ فی سبیل اللہ سے

ہر نیک کام میں خرچ کرنے کے معنی مراد لینے کے بعد باقی سات مصارف کے علیحدہ طور پر ذکر کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی بلکہ ان کا علیحدہ ذکر کرنا بلاوجہ تکرار و ساقار پاتا ہے جب کہ کلام الہی کچھ ایسا معجز واقع ہوا ہے کہ اس میں اس قسم کے بے فائدہ تکرار کا قصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا ضروری ہے کہ یہاں "فی سبیل اللہ" سے ایسا خاص معنی مراد لیا جائے جو اسے بقیہ سات مصارف سے ممتاز کر دے یہی وہ مفہوم ہے جسے شروع سے کرابتاً کلمہ تفاسیر و فقہاء مجتہدین اختیار کرتے چلے آئے ہیں اس سلسلے میں دوسرے دلائل بھی ہیں اور اس سبب کچھ کی بنیاد پر ائمہ کرام نے یہاں "فی سبیل اللہ" سے مراد جہاد لیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جب "فی سبیل اللہ" کا لفظ مطلق ہو تو اس سے جہاد ہی مراد ہوگا چنانچہ امام ملائم ابن اثیر جزری علیہ الرحمۃ متوفی ۷۰۲ھ معاصر امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ "الہنایہ" میں لکھتے ہیں کہ

سبیل اللہ عام یقع علی کل عمل خالص سلك به طریق النقب الی اللہ تعالیٰ باواء انفرادی والنوافل والنواع التطوعات واذا اطلق فموسو فی الغالب واقع علی الجہاد حتی صار لكثیر الاستعمال كأنه مقصود الہنایہ ج ۲ ص ۲۸۹/۲۹۰ طبع بیروت

سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جو فرض کی بجائے نوافل اور دیگر قسم کے نیچے کاموں کے ذریعے اختیار کئے جانے والے خالص عمل کو جس سے خدا کا قرب مقصود ہو شامل ہے اور جب علی الاطلاق اس لفظ کا استعمال ہو تو غالباً اس سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا استعمال جہاد کے معنی میں اس کثرت سے ہوا ہے کہ گویا اس کا معنی جہاد ہی ہو

کر رہ گیا ہے۔

ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن میں "فی سبیل اللہ" کے لفظ کا علی الاطلاق استعمال ہوا ہے اور ائمہ کرام نے اسے "جہاد" پر بھی محمول کیا ہے۔ اس قسم کے تمام کے تمام قرآن اسباب کے حق میں جاتے ہیں کہ مصارف ذکر و ذکر کی آیت میں وارد ہونے والے لفظ "فی سبیل اللہ" سے جہاد ہی مراد ہے جیسا کہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے وہ عام معنی مراد نہیں جو محض لغوی حیثیت رکھتا ہے۔

فقہ حنفی، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مجاہد ہے لیکن حنفیہ اس میں یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ وہ فقیہ و حاجت مند ہو اور سامان جنگ از خود لینے کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو یا امام ابو یوسف و امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے نجیب کہ امام محمد اس میں حاجت مند حاجی کو بھی شامل کرتے ہیں علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا فی سبیل اللہ سے مراد مجاہد لینا اس لئے ہے کہ جب فی سبیل اللہ علی الاطلاق استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی جہاد بھی ہوتے ہیں (حواشی ہدایہ علامہ بدر الدین عینی ج ۱ ص ۱۸۷)

طبع دہلی

فقہ شافعی، فقہ شافعی کی رو سے بھی فی سبیل اللہ سے مجاہد مراد ہے چنانچہ امام جلیل مجتہد نبیل امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ويعطى من سلع سبیل اللہ سبیل اللہ کی مد سے اسے دیا جائے گا سہو جل وعز من غزاهن جیران الصدقة مجاہد ہو خواہ غنی ہو یا محتاج اور مجاہدین فقیرا مکان او غنی ولا يعطى کے سوا کسی اور کو نہ دیا جائے گا

غیر ہو (مقابلہ امام شافعی ص ۳۶)

اس میں بھی فی سبیل اللہ کے مصرف کو مجاہد کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے جیسا کہ ہدایہ کے حوالہ سے گذرا مگر حنفیہ مجاہد کے لئے فقر و ناداری کی شرط عائد کرتے ہیں جب کہ امام شافعی اس حکم کو عام رکھتے ہوئے غنی اور غیر غنی دونوں مجاہدوں کے لئے زکوٰۃ صرف کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

فقہ مالکی: فقہ مالکی کی رو سے بھی فی سبیل اللہ سے مجاہد مراد ہے چنانچہ فقہ مالکی کی مشہور کتاب "المدفۃ النکری" میں امام جلیل مجتہد نبیل امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس طرح ہے۔

وسألناہ عن الرجل یوصی
بافتقار فی سبیل اللہ قال یبدأ
بأهل الحاجة الذین فی سبیل اللہ
(المدونۃ ج ۱ ص ۳۰۲)

امام مالک علیہ الرحمۃ کے اس ارشادِ دُرّانی میں اہل حاجت فی سبیل اللہ کا ذکر ہے یعنی وہ حضرات جنہیں راہِ خدا میں خرچ کی حاجت و ضرورت پیش آگئی ہو اور وہ مجاہدیت ہی میں چنانچہ علامہ شیخ احمد فقیہ مالکی لکھتے ہیں۔

وفی سبیل اللہ الفاسقین بالمجاد
واشتدّی منها اللہ من سلاح ودرع
وفوس وذهب مالک ان طلبتہ العلم
المنہمکین فیہ لہم الاخذ من

الزکوٰۃ والواجب ان اذا القطع قطع

من بیت المال لانہم مجاہدون

(مناہیہ الصاوی علی الخلائین ج ۲ ص ۱۳۲)

علامہ شیخ احمد صاوی مالکی علیہ الرحمۃ نے امام مالک کا مذہب بیان فرما کر اس حقیقت کو کھول کر رکھ دیا ہے کہ "فی سبیل اللہ" سے جو مجاہدین مراد لئے جاتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ جہادِ عسکری میں مصرف ہوں بلکہ جہادِ عام ہے خواہ جنگ کی صورت میں تلوار کے ساتھ ہو یا علم دین کی نشر و اشاعت اور دین کی تبلیغ کی شکل میں ہو، گویا جو شخص بھی دین اسلام کی حمایت و اعانت کا کام کر رہا ہو وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے لہذا وہ "فی سبیل اللہ" کی مد میں زکوٰۃ کا مستحق ہے اور اس حقیقت سے کس عقل مند کو انکار ہو سکتا ہے کہ جس طرح تلوار وغیرہ کے ذریعے جہاد ہوتا ہے ایسے ہی زبان و قلم سے بھی ہوتا ہے، بلکہ علمی و فکری صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے زبان و قلم سے جہاد کرنا، جہادِ بالسیف اور جنگی ہتھیاروں کے ساتھ جہاد کرنے سے کہیں زیادہ موثر ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کافروں کی مذمت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں شعر کہتے تھے۔ اسی میں شریفی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ آپ کے آگے آگے چل رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے۔

خلوّانی بکفر عن سبیلہ

ضربا یزیل الہام عن قلیلہ

ترجمہ: کافروں کے بیٹوں! حضور کے راستے سے الگ ہو جاؤ آج ہم حضور کے

اليوم نصرکمو علی تمزیلہ

وینزل الخیل عن خلیلہ

ترجمہ: آج تم کو نصر دے گا اور تم کو خلیل سے جدا کرے گا

الغزاة الذين لا ديوان لهم۔ ہے اور وہ ایسے مجاہدین ہیں جن کا

الانصاف ج ۳ ص ۱۲۳

بیت المال سے کوئی وظیفہ نہیں۔
فقہ حنبلی میں بھی فی سبیل اللہ سے مجاہدین کا بطور مصرف مراد ہونا
واضح ہو گیا۔

ائمہ اربعہ کا متفق علیہ موقف

تین امور ایسے ہیں جن پر ائمہ اربعہ
رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔ ایک یہ کہ قطعی طور
پر جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ دوئم یہ کہ زکوٰۃ کا اشتخاص مجاہدین پر صرف
کرنا جائز ہے لیکن جہاد کے مصالح و ضروریات پر صرف کرنا بغیر اس کے کہ افراد
پر خرچ ہو اختلافی چیز ہے۔ سوئم یہ کہ بندوں، پلوں، مساجد و مدارس اور ہسپتال
کی تعمیر، سڑکوں کی تعمیر و مرمت، مردوں کے کفن اور اس قسم کے قومی و رفاہی
کاموں پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک تو اس لئے کہ ان امور
میں تملیک کی شرط کا فقہ ان ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک اس لئے کہ یہ امور مصارف
ثمانیہ میں سے نہیں ہیں۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی جمہور ائمہ کا یہی مذہب ہے۔

فقہ حنفی کا عندیہ تو ہے ہی اور دیگر ائمہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ان مصارف
اور جو ان مصارف کی تشریح و تفسیر کے مطابق مستحق ہیں کے علاوہ زکوٰۃ کسئی سر
مصرف میں نہیں دی جاسکتی۔ چنانچہ فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ
میں ہے کہ۔

قال مالک بن انس لا یجوز ان
یعطی من زکوٰۃ فی کفن میت
امام مالک بن انس نے فرمایا کہ میت کے
کفن میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ صدقہ

لان الصدقة للفقر والمساكين زکوٰۃ فقر اور مساکین اور ان لوگوں کے
ومن سعى الله وليس للاموات ولا لبناء المساجد شئ

(المدونۃ ج ۳ ص ۲۹۹)

اور نہ ہی مساجد کی تعمیر کے لئے کچھ جائز ہے
امام مالک علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے بھی واضح ہو گیا کہ رفاہی کاموں میں اگرچہ
وہ عبادت خانہ ہی کیوں نہ ہو زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح امام ابن
قدامہ علیہ الرحمۃ المغنی میں فرماتے ہیں۔

فقہ حنبلی، اسی طرح فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی میں ہے۔

ولا يجوز صرف الزکوٰۃ الى
غير ذكرا لله تعالى من بناء للمساجد
والقناطر والسقايات واصلاح الطرق
وسد البشوق وقصيف الموق والتوسعة
على الاضياف واشباه ذلك من القرب
الى سعي ذكرها الله تعالى۔
المغنی لابن قدامه رحمه الله
تقلاً ج ۲ ص ۴۶

خرچ نہیں کی جاسکتی۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ائمہ مذاہب اربعہ رفاہی کاموں میں جہاں مالک
ہو نے اور وصول کی صلاحیت کا فقدان ہے وہاں زکوٰۃ کے خرچ
کرشیکی اجازت نہیں دیتے۔ علامہ یوسف قرضاوی نے بھی ائمہ اربعہ کا یہی مسلک

نقل کیا ہے۔

عدم جواز صرف الزکوٰۃ فی
جمہات الخیر والاصلاح العالمہ من
بناء السدود والقناطر وانشاء
المساجد والمدارس واصلاح
الطرق وتكفیف الموقی ونحو ذلك
والغلبہ هذه الامور علی موارد
بيت المال الاخری من الفی واللزاج
وغیرهما وانما بعد بحز الصرف
فی هذه الامور لعدم التمییز فیها
كما یقول الحنفیتہ او لجزوہا
عن المصارف التماہیة كما یقول غیرہم
(فقہ الزکوٰۃ ج ۱ ص ۶۳۳)

الغرض، حنفیہ جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک کو رکن قرار دیتے ہیں اور
رفاہی کاموں میں تملیک نہیں پائی جاتی اس لئے وہ رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کو صرف کریم
اجازت نہیں دیتے اور دوسرے ائمہ جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک کو رکن نہیں سمجھتے
وہ رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کے خرچ کرنے کی اس لئے اجازت نہیں دیتے کہ ان کے
زودیک یہ رفاہی کام ان اٹھ مصارف میں شامل نہیں جن کا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ
نے ذکر فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انما الصدقات میں لفظ انما صرح کرتے ہیں جس کا

مفاد یہ ہے کہ ان اٹھ امور کے علاوہ کسی اور کام میں زکوٰۃ صرف نہ کی جائے! اور یہ
کہ ملکی و ملی نفاہی کام بیت المال (خزانہ) کی دوسری آمدنیوں سے کیے جائیں۔ جیسے مال
غنیمت اور خراج ایسی دوسری میں ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں کہا جاسکتا ہے کہ آج کے دور میں مال غنیمت
خزانہ کی آمدنیوں میں نہیں اور نہ ہی خراج کی کوئی اس
قدر آمدنی ہے تو رفاہی کاموں کے مصارف کا کیا ہوگا اس سلسلے میں یہ جواب ہو سکتا ہے
کہ اس وقت اور مدین ایسی بھی ہیں جو اس زمانہ میں نہیں ہو کر تھیں۔ اس وقت بیشمار
محکمے ایسے ہیں جو کروڑوں روپے کی بجٹ کر رہے ہیں جنہیں حکومت تجارتی بنیادوں
پر چلا رہی ہے۔ مثلاً کسٹم، کالیں، سواری ٹیکس، ریلوے، بیس، ٹیلی فون، تار،
ریڈیو، ٹی وی، اخبارات، اپناچوں، مواصلات کے محکمہ کے اہم پیداواری شعبے ہیں، بجلی
سیاحت، ڈاک، کورٹ فیس وغیرہ ایسے بے شمار ذرائع ہیں۔ اگر حکومت ان سے
متعلقہ لگان یا ٹیکس نصف کی مدت تک بھی کم کر دے اور انکم ٹیکس سرے سے ختم یا اس
میں اچھی خاصی کمی کر دے جب بھی تمام ملکی مصارف پورے ہو سکتے ہیں بشرطیکہ حکومت
اپنے غیر ضروری مصارف ترک یا ان میں معقول حد تک کمی کر کے کفایت شعاری و تقویت
سے کام لے۔ جبکہ کوشش یہ ہو کہ کسٹم اور مردوہ ٹیکس ختم کر دیئے جائیں کہ شرعاً جائز ہیں۔

بعض ائمہ کا مذہب

تاہم بعض ائمہ و محققین فقہاء جن کی تعداد بہت ہی
قلیل ہے اس طرف گئے ہیں کہ قرآن میں وارد لفظ
"فی سبیل اللہ" ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی میں بڑی وسعت و گنجائش ہے یعنی "مذا
کی راہ" ہیں۔ اس میں ہر قسم کی کام جو ثواب کی نیت سے کوئی شخص یا ادارہ کرتا ہے

شاس ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ امام فہر علیہ الرحمۃ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے فی سبیل اللہ میں ہر اس کام کو شامل کرتے ہیں جس کا فائدہ کسی شخص کو حاصل ہو یا جماعت کو یا پوری قوم و امت کو۔

انہو اجاز و صرف الصدقات یعنی بعض فقہاء نے مردوں کی تکفین و
 الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی قلعوں کی تعمیر و مساجد کی عمارت ایسے تمام نیک
 و بناء الحصون و عمارة المساجد قلوب کاموں میں زکوٰۃ صرف کرنے کو جائز قرار دیا
 "فی سبیل اللہ" عام فی السکال کیونکہ ان کے نزدیک "فی سبیل اللہ" کل
 (تفسیر کبیر جلد ۱۶ ص ۱۱۳) کو شامل ہے۔

علامہ یوسف قرضاوی نے البتہ فی سبیل اللہ کے معنی میں اس حد تک توسیع کے خیال کا اظہار فرمایا ہے کہ "فی سبیل اللہ" سے جو مجاہد و غازی مراد لیا جاتا ہے۔ اس سے صرف وہ مجاہد و غازی ہی مراد نہیں جو عرفی و عسکری جہاد کا مجاہد ہے بلکہ جہاد عام ہے تلوار و بندوق سے کرنے والا ہو یا قوت علمی و فکری سے کرنے والا لہذا اس میں جہاد کی وہ تمام صورتیں داخل ہو جاتی ہیں جن سے کفار و لادین عناصر سے مقابلہ کیا جاتا ہے خواہ وہ کفار و لادین عناصر اندرون ملک ہوں یا بیرون ملک اس تعمیر میں جہاد و معرفت کے علاوہ کفار و لادین عناصر سے تقریر و تحریر ایسے ہر تعمیری و دینی منصوبوں کے ذریعے مقابلہ کرنا بھی شامل ہو جاتا ہے۔ مثلاً مقامات مقدسہ کو کفار یہود سے آزاد کرنا، غیر مسلم اقوام کے تسلط سے مسلمانوں کو آزادی دلانا جیسے مسئلہ کشمیر وغیرہ ہے اسی طرح نظریاتی و فکری اعتبار سے مسلمانوں کی راہنمائی کرنا، تبلیغ کے لئے وفود بھیجنا، مخالفین اسلام کے جعلی بے ہودہ نظریات کی تردید میں کتابیں اور رسائل لکھنا اور انہیں مفت یا کم قیمت پر

فراہم کرنا۔ یہ تمام صورتیں جہاد فی سبیل اللہ میں آ جاتی ہیں۔ راقم الحروف علامہ یوسف قرضاوی کی نسبت فی سبیل اللہ کے مفہوم میں مزید اس حد تک توسیع کا بھی قائل ہے کہ ہر اس تعمیری کام پر زکوٰۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کی توجہ غیر مسلم اقوام سے ہٹانا مقصود ہو، یعنی غیر مسلم اقوام کوئی تعمیری کام کر کے اس کے ذریعے غریب مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہوں اور اندیشہ ہو کہ اگر یہاں مسلمانوں یا مسلمان حکومت کی طرف سے غیر مسلموں کے مقابلہ میں اس طرح کے تعمیری کام کے ذریعے عوام کو سہولت نہ پہنچائی گئی تو عوام غیر مسلموں کی ان سہولتوں سے استفادہ کر کے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے اور اس طرح اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے تو ایسے موقع پر زکوٰۃ میں سے خرچ کر کے عتہ الناس کے لیے ویسا تعمیری و دفاعی کام کرنا بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ کا مصداق قرار پاتا ہے۔ خواہ یہ تعمیری کام ہسپتال کا قیام ہو یا سکول کا اجراء یا سڑک کی تعمیر۔ بشرطیکہ آٹھ مصارف کے مستحقین کو اولیت دی جائے۔ اور ان کی ضروریات پوری ہو چکی ہوں اور اب وہ زکوٰۃ لینے کے خواہش مند ہی نہ رہے ہوں۔ اور یہ کہ خزانے میں عشر و زکوٰۃ کے علاوہ دوسری کسی مد میں سرمایہ موجود نہ ہو اور اگر ملک میں آٹھ مصارف میں سے کوئی حق دار باقی ہے یا کسی کی ضرورت ابھی پوری نہیں ہوئی یا دیگر کسی مد کا سرمایہ موجود ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا روپیہ دفاعی کاموں پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ غرضیکہ فی سبیل اللہ کا ایک تو لغوی معنی ہے جس میں سارے کے سارے اچھے کام داخل ہو جاتے ہیں خواہ ان کی اقاویت اشخاص کو ہو یا اجتماعیت کی صورت میں معاشرے کے تمام افراد کو اور دوسرا خاص معنی ہے یعنی وہ کام جو دشمنان دین و مخالفین اسلام کی جنگی اور معاشرتی و اخلاقی سازشوں کو ناکام کرنے کے لئے کئے

باتیں جیسا کہ آج ہم پاکستان کے اندر اور باہر اس قسم کی سازشیں دیکھ رہے ہیں کہ کہیں تو وہ جدید ترین اسلحہ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں اور کہیں اسپتال قائم کر کے مریضوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں پہنچا کر اپنے آپ کو عمدہ اخلاق کا حامل ثابت کر کے مریضوں کو اپنے نظریات کی طرف مائل کر رہے ہیں اور کہیں سکول اور کالج قائم کر کے عوام کو تعلیمی سہولتیں فراہم کر رہے ہیں اور اپنے مخصوص نظریات نسل نو تک پہنچا رہے ہیں اور کہیں کتابیں چھاپ چھاپ کر مفت تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔ بلاشبہ ہر محاذ پر دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنا اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانا اور اس سلسلے میں بروقت مجبوری مدد زکوٰۃ سے بھی ضرورت کرنا "فی سبیل اللہ" کا مصداق ہے۔ آیت کریمہ میں یہی خاص معنی مراد ہے۔ وہ عام معنی مراد نہیں جس میں اس خصوصیت سے قطع نظر ہر اچھا کام شامل ہو جاتا ہے خواہ اس کا فائدہ کسی خاص شخص کو حاصل ہو یا عامۃ الناس کو کیونکہ یہ عام معنی مراد لینے سے زکوٰۃ کے مصارف کا تعدد بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے اس سلسلے میں علامہ یوسف قرضاوی کی رائے بھی یہی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

ان الذی ارجمہ ابن المعنی العام لسبیل اللہ لا یصلح ان یراد ہوضا لاندہ بهذا العموم یتبع لجهات کثیرة لا تخصر اصنافها فضلا عن اشخاصها ولهذا نیای فی حصر المصارف فی

یعنی جس بات کو میں ترجیح دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ سبیل اللہ کا یہاں عام معنی مراد لینا درست نہیں کیونکہ اس عموم سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں جن کے اقسام کا احاطہ ممکن نہیں ہے چاہے کہ ان کے افراد کا ہر

تعمینہ کما ہو ظاہر کیا جا سکے اور یہ معنی مصارف کے اٹھ اقسام میں حصر کے معنی میں ہے جیسا کہ آیت کے ظاہر اور آیت۔
افقہ الزکوٰۃ ج ۲ ص ۶۵۵ سے حصر معلوم ہوتا ہے۔

جو کچھ "فی سبیل اللہ" کے سلسلے میں راقم نے جو عرض کیا ہے علماء خراسان کے مندرجہ خیال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ المجموع میں ہے۔

ان شام اشتری من سہم سبیل اللہ سبحانہ ونعائے افوا سا کی مدد سے گھوڑے اور جنگی سامان خریدنے والے الحرب وجعلها وقفا فی سبیل اللہ اور (مجاہدین کو ان کا مالک بنانے و شخصی تملیک کرنے کی بجائے) ان کو خدا کی راہ میں وقف کرنے اور یہ بروقت ضرورت جس کی انہیں حاجت ہو وہ بروقت حاجت انکو دیدیا کرے پھر مجاہدین وہ سامان ایسے کر دیا کریں خزانے میں مال کی قلت و کثرت کے

(المجموع شرح المہذب ج ۴ ص ۲۱۳/۲۱۴)

مطابق مصلحتیں بدلتی رہتی ہیں۔

یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ عام طور پر زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور یہ کہ مصارف میں اس کا لحاظ رکھا جائیگا کہ تملیک کی صورت موجود ہونی چاہیے کہ اخاف کا مذہب ہے اور اٹھ مصارف سے تجاوز نہ کیا جائیگا جیسا کہ دیگر ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے لیکن اگر خزانے میں اس بات کی گنجائش نہ ہو کہ مجاہدین کو مسلح کر کے اسلحہ دیگر ضروریات کا ان کو مالک بنایا جاسکے تو سربراہ مملکت جنگی ساز و سامان کو جو زکوٰۃ سے خریدایا

وقف کر دے جسے مجاہدین ضرورت کے وقت استعمال کریں اور ضرورت کے پورا ہو جانے کے بعد اسے واپس کر دیا کریں۔ اس صورت میں ہمارے اس خاص معنی کی تائید کا پہلو نکلتا ہے جو ہم نے "فی سبیل اللہ" سے متعلق بیان کیا ہے کہ اس دور میں مخالفین اسلام کے ساتھ جنگ کرنے کے محاذ بہت سی صورتوں میں کھل چکے ہیں۔ کہیں اسلحہ کے ذریعے جنگ ہو رہی ہے اور کہیں تبلیغ و تعلیم کے انداز سے اور مخالفین اسلام کہیں کھلے طور پر اور کہیں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر قریہ قریہ اور شہر شہر وار ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے مختلف حیلے اپنائے ہوئے ہیں اس لئے جہاں جس تعمیری کام کے ذریعے مخالفین اسلام سے مقابلہ کی ضرورت محسوس ہو وہاں مجبوری کی صورت میں شخصی تملیک کے تصور سے مہذب کر اجتماعی امور پر بھی یہی تدبیر ضروری ہوگی اور اس پر بلاشبہ "فی سبیل اللہ" کا حکم صادق آئے گا اور اس صورت حال کا تعین ذمہ دار افراد کر سکتے ہیں کہ یہاں مخالفین اسلام اس طریقے سے کام کر رہے ہیں یا نہیں بھی ان کے مقابلہ میں سی طرح کام کرنا چاہیئے تاکہ وہ اس آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش نہ کر سکیں۔

تحدید نصاب | رہا تحدید نصاب کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے نصاب زکوٰۃ کے سلسلے میں چاندی اور سونا دونوں کو نصاب زکوٰۃ میں معتبر قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم و بخاری و مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت جابر و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَيْسَ فِيهَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ پانچ اوقیہ چاندی سے کم ہیں

مِنَ الْوَرَقِ صَادِقَةٌ۔ زکوٰۃ نہیں۔

نصوص مشہور اور اجماع اہل اسلام کی روشنی میں طے شدہ ہے کہ ایک اوقیہ چالیس درہم کی ہوتی ہے تو پانچ اوقیہ کے دو سو درہم ہوئے مطلب یہ ہوا کہ دو سو درہم سے کم ہوں تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور سونے کے بارے میں بھی متعدد احادیث آئی ہیں۔ سنن دارقطنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
وسلم کان یاخذ من کل عشرين مہربیس دینار میں سے نصف دینار
دینار نصف دینار۔ زکوٰۃ لیا کرتے تھے۔

ابوداؤد شریف میں سیدنا علی الرضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ:

اذا كانت لك ما تادره یعنی جب تمہارے پاس دو سو درہم
و حال علیہا الخول ففیہا خمسة ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے
دلہا و لیس علیک شیء یعنی فی تو ان میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور جب
الذہب حتی تکون لك عشرون تمہارے پاس سونا بیس دینار ہو
دینارا فاذا كان لك عشرون دینارا اور دو سال گزر جائیں تو اس میں
و حال علیہا الخول ففیہا نصف نصف دینار ہے۔ حدیث میں "و لیس
عَلَيْكَ شَيْءٌ" کے ثبوت ہوتا کہ زکوٰۃ
وغیر کے بعد کہ فی خمس و معلوم کرنا جائز نہیں۔

اس حدیث میں چاندی اور سونے کا نصاب بتا دیا گیا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ دریافت

طلب ہے کہ آج ہمارے پاس لین دین نہ سونے سے ہے اور نہ ہی چاندی سے اگرچہ بین الاقوامی اعتبار سے کرنسی کا زر سونا ہی طے پایا گیا اور کرنسی کی قیمت میں سونے کی قیمت کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے تاہم زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سونے اور چاندی کے دونوں نصابوں میں سے کس کو دار و مدار ٹھہرایا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے لئے چاندی کو ہی نصاب قرار دیا جائے اور اس کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ چاندی کا بطور نصاب ہونا ایک متفق علیہ اور سنت صحیحہ مشہورہ سے ثابت شدہ امر ہے حتیٰ کہ بعض روایات میں سونے کی زکوٰۃ واجب شدہ حصہ کے لئے چاندی کا ذکر ہے چنانچہ امام ابن عروم کی اعلیٰ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا سونے کے بیس مشعل کا ایک ہار تھا تو

فامرہا ان تخرج عنہ خمسة
دراہم (المحلج ۲ ص ۱۵۹)
آپ نے اسے حکم دیا کہ اس کی زکوٰۃ میں پانچ درہم ادا کرو۔

(فقہ الزکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۵)

ایک مثقال ایک دینار کا ہوتا ہے تو اس سلسلے میں نصف دینار یا نصف مثقال بھی فرمایا جاسکتا تھا لیکن پانچ درہم کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو سکتا ہے کہ جب سونا اور چاندی نصاب قرار پانے میں زیر بحث آئیں تو نصاب چاندی ہی ٹھہریں دوسری وجہ یہ ہے کہ چاندی کو نصاب قرار دینے میں متحققین کا نفع ہے کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ ادا کنندگان کی تعداد زیادہ ہوگی اسی لئے مصر میں بیس سے کچھ اوپر ریال نصاب زکوٰۃ تجویز پائے ہیں اور تقریباً پچاس ریال ملکیت عربہ سعودیہ اور خلیج کی دیگر عرب امارات میں بھی یہی مقدار نصاب قرار شدہ ہے

اگرچہ علامہ یوسف قرضاوی کے نزدیک سونے کو نصاب قرار دینا قابل تریح خیال ہے جس کے کچھ دلائل بھی انہوں نے بیان کئے ہیں تاہم جہاں زکوٰۃ کے وجود کا فلسفہ ہے اس کی رو سے چاندی کو نصاب مقرر کرنا قرین مصلحت و موجب افادیت ہے کیونکہ اس سے ایک تو زکوٰۃ دہندگان کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور لوگ ادا زکوٰۃ جیسے نیک عمل کی سعادت سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں مشرف ہوں گے علاوہ ازیں وجوب زکوٰۃ کا فلسفہ دولت میں تحریک پیدا کر کے غریب لوگوں کے ہاتھوں تک اسے پہنچانا ہے اور دولت کی زیادہ سے زیادہ تحریک اسی صورت میں عمل میں آسکتی جس صورت میں زکوٰۃ دہندگان کی تعداد زیادہ ہو۔ جس قدر زکوٰۃ دہندگان کی تعداد زیادہ ہوگی اسی قدر دولت میں تحریک زیادہ ہوگی اور جس قدر تحریک زیادہ ہوگی اسی قدر افلاس و غربت میں کمی آئے گی جب کہ سونے کو نصاب قرار دینے میں یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ لہذا نصاب زکوٰۃ چاندی کو ہی ٹھہرایا جائے۔

اگر کسی کے پاس سونا ہے تو اس پر زکوٰۃ ساڑھے سات تو لے اور ایک سال گزر جانے پر ہی زکوٰۃ عائد ہوگی۔ ساڑھے سات تو لے سونے کا کم از کم نصاب زکوٰۃ ہے اسی طرح چاندی پر بھی اس کے نصاب کی حد تک ہونے اور سال بھر پڑے رہنے کے بعد ہی زکوٰۃ فرض ہوگی اور چاندی کا نصاب کم از کم ساڑھے باون تو لے ہے۔ سونا ہو یا چاندی ہو اس کا چالیسواں حصہ دینا ہوگا خواہ وہ اسی سے دیں یا اس چالیسویں حصہ کی قیمت دیں دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اگر سونا ساڑھے سات تو لے یا چاندی ساڑھے باون تو لے سے زیادہ ہو تو زائد میں اس وقت تک زکوٰۃ واجب ہوگی جب تک کہ وہ زائد کل نصاب کے پانچویں حصہ کو نہ پہنچے اور جب

پانچویں حصہ کو پہنچ جائے تو اس نصاب کے ساتھ اوپر کے پانچویں حصہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً چاندی کا بھاؤ چالیس روپے فی تولہ ہے تو ساڑھے باون تولے کے اکیس سو ۶۱۰۰ بنتے ہیں۔ اگر اس قدر رقم بینک میں ہے اور اسے سال بھی گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائیگی۔ اگر اس دوران اس نے بینک میں اور رقم دو یا تین سو زائد جمع کرادی اور اسے ایک سال گزر گیا تو اگلے سال زکوٰۃ صرف اکیس سو کی ہی وضع کی جائے گی اور پر کی رقم کی نہیں کیونکہ اوپر کی رقم کل نصاب یعنی اکیس سو کا پانچواں حصہ نہیں بنتی ہاں اگر اس نے چار سو بیس روپے جمع کرادیئے اور اس پر سال گزر گیا تو اب اکیس سو کے ساتھ چار سو بیس روپے کو ملا کر رقم پچیس سو بیس روپے کا پالیسواں حصہ زکوٰۃ کا وضع کیا جائے گا کیونکہ چار سو بیس روپے جو زائد جمع ہوئے وہ کل نصاب یعنی اکیس سو روپے کے پانچویں حصہ کے برابر ہیں۔ اسی طرح پھر اگلے سال تک کے دوران اس نے کچھ اور رقم جمع کرائی تو وہ زائد رقم جب تک پھر کل نصاب یعنی اکیس سو کے پانچویں حصہ یعنی چار سو بیس تک نہ ہو اس زائد کی زکوٰۃ وضع نہ کی جائیگی بلکہ زکوٰۃ پچیس سو بیس روپے کی وضع کی جائیگی اور وہ زائد رقم اگر پانچویں حصہ نصاب کے برابر ہو تو پھر اس کل نصاب کی دونوں زائد رقومات کے ساتھ زکوٰۃ وضع کی جائیگی غرضیکہ ایک شخص سے دوسرے شخص تک کے درمیان کی رقم پر زکوٰۃ نہیں بلکہ وہ مفاد ہے یہی خود چاندی اور سونے کے نصابوں کا حکم ہے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار میں ہے۔

ومابین الخمس الى الخمس
یعنی دو شخصوں کے درمیان جس قدر مال ہوگا وہ مفاد ہوگا۔
عفو (الدرا المختار طبع دہلی ص ۱۳)

یعنی اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔

اور یہ ملحوظ خاطر رہے کہ چونکہ زکوٰۃ کے نصاب کا دار و مدار چاندی پر ہے اس لئے چاندی کے بھاؤ کی کمی بیشی کے مطابق نصاب کی رقم بھی کم و بیش ہوتی رہے گی اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ جب زکوٰۃ کی کٹوتی کا سالانہ موقع آئے گا تو اس وقت چاندی کے بھاؤ کے مطابق ساڑھے باون تولے کی جو رقم بینگی اسی کے حساب زکوٰۃ وضع کرنا ہوگی۔

فقیر و مسکین میں فرق
زکوٰۃ کے مصرف وہ آٹھ قسم کے لوگ ہیں جن کا قرآن کریم کی سورۃ توبہ میں ذکر ہے انصار

الصدقات للفقراء الخ آیت ۶۰ یعنی زکوٰۃ صرف غریبوں، فزے، ناداروں اور انہیں کے لئے ہے جو اسے حاصل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنوں کے چھڑانے میں (صرف کی جائے) اور مقروضوں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اجہاد کرنے والوں اور طالب علموں اور مسافر کے لئے ہے (یعنی فقر اور مساکین و یتیم و بیوہ و جسمانی معذور و بے روزگار کے لئے)

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ مبارکہ مسمیٰ بہ کنز الایمان ص ۱۳۲ فی ترجمہ القرآن میں مسکین کا ترجمہ فزے نادار سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ہدایہ کے مطابق ہے۔ فرماتے ہیں۔ مسکین من لاشئ لہ الخ ص ۱۸۷ اگر مسکین وہ ہے جو کچھ بھی نہ رکھتا ہو۔ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں ولہذا مروی عن ابی حنیفہ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی تعریف مروی ہے۔

مولفۃ القلوب کا مسئلہ
ابتداءً اسلام میں کچھ لوگوں کو اسلام کی طرف

مائل کرنے یا اسلام پر باقی رکھنے یا ان کے شر سے بچنے کے لئے تدرک لکھنے سے حصہ دیا جاتا تھا (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۹) اور اے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تقسیم فرماتے تھے جب اسلام ایک طاقت بن گیا تو اس وقت ایسے لوگوں کو حصہ دینے کی ضرورت نہ رہی: لہذا مولفۃ القلوب کا حصہ خود بخود ساقط ہو گیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ عینید اور اقرع نامی دو شخص مولفۃ القلوب تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا حصہ طلب کیا۔ آپ نے حضرت عمر کو خط لکھا۔ وہ دونوں صاحبان خط لے کر بیتنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، آپ نے اس کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لئے عطا فرمایا کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر کے ایسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اب اگر تم اسلام پر قائم رہو گے تو بہتر، ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہوا انشاء یعنی وہی (میرے بعد خلیفہ ہوں گے) اگر چاہیں (اور منظور کریں) اگے تو حضرت صدیق اکبر اور دیگر جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے اتفاق کیا: لہذا مولفۃ القلوب کے حصہ کے سقوط پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو گیا۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ حضرت عمر فاروق قرآن کریم کو کیے ایک شب کا ازالہ | منسوخ کر سکتے تھے۔ نیز یہ خبر واحد ہے اس سے قرآن کریم کا منسوخ نہیں ہو سکتا لہذا اس حکم کا باقی رہنا حکومت وقت کی صوابدید پر موقوف

ہونا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نہیں بلکہ صحابہ کرام کا اتفاق و اجماع ہے اور اجماع قطعی ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق تو اس فیصلے کے مظہر قرار پائے اور اس اجماع کی سند کتاب سنت سے کوئی نہ کوئی دلیل شرعی انہیں معلوم تھی، اگرچہ اس دلیل شرعی کا اس وقت ذکر نہ کیا گیا اور عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ہے پھر ممکن ہے کہ ذکر بھی ہوا ہو، مگر اسے کسی نے بھی نقل نہ کیا ہو۔ کیونکہ عدم نقل بھی عدم ذکر کو مستلزم نہیں ہے اور اس کے لئے اس قدر کہنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہونے کی حیثیت سے وہ نفوس قدسیہ کسی حکم فیصلہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہ سکتے، جب تک کہ انہیں اس فیصلے و حکم کی سند کتاب سنت سے معلوم نہ ہو، ان کا حضرت عمر فاروق اعظم کے فیصلہ مذکورہ پر خاموش رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات معلوم تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولفۃ القلوب کو حصہ دینا اس وقت تک کہ جب تک کہ اسلام کو غلبہ قوت حاصل نہیں ہوتی۔ نیز امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ساتھ ہی یہ آیت تلاوت فرمائی:

الغنى من ربه كفون شاء فليسومن ومن شاء فليس كفر سورة کہمت

کہ تمہارے رب کی طرف سے حق (واضح ہو گیا) ہے جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی آیت مولفۃ القلوب کے حصہ کے سقوط کی

موجب ہے (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۰)

رہا یہ سوال کہ آیت انما الصدقات الخ مدنی اور آیت الحق من ربہ

ایک مکی صورت سے ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مؤخر الذکر آیت کا نزول مکہ میں ہوا، تاہم اس کا حکم اور اس پر عمل بعد میں ظہور پذیر ہوا کہ ایسی کسی ایک آیات پائی جاتی ہیں جو نزول کے اعتبار سے مقدم مگر حکم و عمل کے لحاظ سے مؤخر ہیں۔ بہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام بالخصوص لسان الحق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم سے یہ بات ہرگز مہرگز متصور نہیں کہ وہ کسی ایسی نص قرآن کریم کی جو اپنی قطعی حالت کے ساتھ بدستور موجود ہو، خلاف ورزی کریں، کیونکہ وہ تو قرآن کریم کے احکام کے محافظ و پاسان تھے، اس کے کسی حکم کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے ہمہ پاسبانِ عزت اُم الکتاب !
از نگاہش غائر باطل خراب !

مقامی مستحقین کو ترجیح اسلامی معاشی نظام نے دور والوں کی نسبت قریبی و مقامی مستحقین کو ترجیح دی ہے۔ زکوٰۃ کی تقسیم میں اول قریب، پھر بعید کے مطابق پہلے قریبی و مقامی مستحقین کو دینے کا حکم ہے اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو دور والوں کو۔

چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی ذمہ داریاں سونپ کر روانہ کیا، تو ارشاد فرمایا اے معاذ! تم اہل کتاب کے پاس جا کر انہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے (اسلام لانے) کی دعوت دنیا اگر وہ تمہاری بات مان لیں (اسلام قبول کر لیں) تو انہیں پنجگانہ نمازوں کی پابندی کا حکم دینا اور اس کے بعد انہیں فریضہ زکوٰۃ سے آگاہ کرنا اور ان کے امیروں سے زکوٰۃ وصول کرنا توخذ

اغنیاءہم و ترد علی فقرائہم یعنی زکوٰۃ وہاں کے دولت مندوں سے لے کر وہاں کے غریبوں میں بانٹ دی جائے گی اور وصولی زکوٰۃ میں ان کے بڑھیا مال نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں (بخاری، مسلم) اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ان نقل الزکوٰۃ من بلد یعنی ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے البلد لا یجوز مع وجود المستحقین شہر کو بھیجنا جائز نہیں، جب کہ وہاں فیہ بل صدقۃ کل ناحیۃ مستحق موجود ہوں، بلکہ ہر علاقہ کی لمستحق تلك الناحیۃ۔ زکوٰۃ اس علاقے کے مستحقوں کے لئے ہے۔ (مرقاۃ ج ۲، ص ۱۱۹)

فقہائے احناف نے اگرچہ عدم جواز کا قول نہیں کیا، تاہم کراہیت سے اتفاق کیا ہے، ہدایہ میں ہے۔ ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد (ج ۱، ص ۱۹۰) ایک مرتبہ خراسان کی زکوٰۃ وہاں کے عامل نے شام کے بیت المال کو روانہ کر دی، خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا، تو آپ نے وہ زکوٰۃ خراسان کے بیت المال کو واپس بھیجوا دی اور ہدایت کی کہ اسے خراسان کے مقامی مستحقوں میں بانٹ دیا جائے (محمد القاری، شرح بخاری، ج ۸، ص ۲۳۸) البتہ اگر ایک شہر کی زکوٰۃ وہاں کے مقامی مستحقوں کی ضرورت سے زیادہ ہے اور زکوٰۃ دینے والے کو کوئی ایسا قریبی رشتہ دار جسے شرعی طور پر زکوٰۃ کی ممانعت نہیں۔ دوسرے شہر میں ہے، تو اس صورت میں اس کو زکوٰۃ بھیج سکتے ہیں۔ (ہدایہ ج ۱، ص ۱۹۰)

ہاشمیوں کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں جمہور فقہاء احناف کی رائے ہے کہ

لا تدفع الی ہاشم کہ ہاشمیوں کو زکوٰۃ نہ دی جاتے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یابنی ہاشم ان اللہ احرم
علیکم وغالۃ الناس واسانہم
وغوۃکم منہا ب خمس الخمس
(ہدایہ ج ۱ - ص ۱۸۸)

کر اے بنی ہاشم اللہ تعالیٰ نے تم پر
لوگوں کا خستہ اور میل (زکوٰۃ احرام کی
ہے اور اس کے عوض تمہیں خمس کا خمس
عطا کیا ہے۔

لہذا نص سے معلوم ہوا کہ نبی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے ۔ وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے بلکہ ہاشمی لوگ اپنی زکوٰۃ غیر ہاشمی کو دیں گے ، لیکن آج کے دور میں اس مسئلے پر نظر ثانی کرنا ہوگی ، جیسا کہ ۔

امام طحاوی کی رائے

امام الاحناف حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ ضرورت مند معاشی بھران میں مبتلا ہاشمی حضرات لے سکتے ہیں۔ امام طحاوی نے اس سلسلے میں کچھ احادیث بھی روایت کی ہیں جن سے جواز ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے تاہم آج کے پرفتن دور میں جسے معاشی مسائل نے سنگین حالات سے دوچار کر رکھا ہے۔ غیر ظاہر الروایہ پر عمل مناسب ہے۔ جب کہ امام صاحب نے ایک روایت جو ان کی بھی ہے؛ چنانچہ فتح القدیر میں امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں۔

وروی ابوعمامة عن ابی حنیفة اور امام ابوعمامة امام ابوحنیفہ رضی

انہ 'یجوز فی ہذا الزمان'
 كَانَ مُتَّبِعًا فِي ذَلِكَ الزَّمانِ۔
 (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۲)

کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے۔

الحرمۃ كانت فی عہد النبی
صلی اللہ علیہ وسلم للعوض ولہو
الشخص فلما سقط ذالک حلت لہم
الصدقة قال الطحاوی وبالجملة
ناخذ - (مہدایہ ج ۱ - ص ۱۸۸)

یہ حرمت گویا اس وجہ سے تھی کہ انہیں خمس الحسن ملتا تھا اور جب خمس الحسن ساقط ہو گیا، تو ان کے لئے بہ قاعدہ الضرورات بیع المخطوات زکوٰۃ کی حرمت ساقط ہو گئی۔ ہاشمی حضرات کو لوگوں کے صدقات نافذ یا حیلوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا ان کے معاشی بحران میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔ ہاں اگر پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے بعد غریب ضرورت مند ہاشمیوں کے لئے کفالت کا الگ انتظام کر دیا جائے جس سے وہ حسب ضرورت لے سکیں، تو وہ زکوٰۃ سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ فیعود حکومت۔ الغرض زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اگر اہل دولت اپنی دولت کی زکوٰۃ صحیح طور پر ادا کریں، تو اس سے نہ صرف ان کے دلوں سے دولت کی محبت مٹ کر وہاں خدا تعالیٰ کی محبت جلوہ گر ہوگی، بلکہ معاشرہ

کے افلاس و غریب کے مارے ہوئے لوگوں کو کسی حد تک معاشی مساوات حاصل ہوگی اور اسلامی معاشرہ کو بے مثال استحکام بھی نصیب ہوگا۔

حُبِّ دولت رافنا ساز و زکوٰۃ ہم مساوات آشنا ساز و زکوٰۃ
دل زحقاً تنفقوا محکم کند زرفزاید الفت زر کم کند
این ہمد اسباب استحکام تست پختہ محکم اگر اسلام تست
اہل قوت شو زور دے یا قوی تا سوار اشتہر غامی شوی

ہاں اگر حیلہ یا تدبیر کا عمل کر لیا جائے تب بھی درست ہے یعنی کسی غیر ہاشمی متحی کو زکوٰۃ دی جائے گی پھر اسے اپنی طرف سے ہدیہ کے طور پر ہاشمی کو دینے کی ترغیب دی جائے وہ ہاشمی کو ہدیہ کر دے تو زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ہو جائے گی اور کسی اختلاف کے بغیر ہاشمی کو اس کا قبول کرنا درست بھی قرار پائے گا۔ اگر ایک شخص قرض لے کر نابہی کاموں پر خرچ کر دے پھر زکوٰۃ سے اس کا قرض اتار دیا جائے تو یہ بھی درست ہے اس طریقے سے تدبیر سے ہر قومی و فابی کام پر زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے۔ حدیث بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کی دلیل ہے عمدۃ القاری میں ہے۔ اَنَّ الاشیاء المحرمۃ لعل معلومۃ اِذَا

ارقتعت عنہا تلك العلل حلت وان التحريم في الاشیاء ليس بعینہا (ج ۹ ص ۹۲)
یعنی جن حرام چیزوں کی حرمت کی وجوہات معلوم ہوں جب وہ وجوہات باقی نہ رہیں تو وہ چیزیں حلال ہو جائیں گی۔ اور یہ کہ چیزیں اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہیں ہوتیں۔ شریعت کا یہ قاعدہ آج کے دور کی سائنسی ایجادات، ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر وغیرہ کے بارے میں بھی تنکوک و شبہات دور کرنے کو بھی کافی ہے

کس کس چیز کو عشر دیا جائے
عشر کے معنی دسویں حصہ کے ہیں نصف عشر اسیواں حصہ بھی اس اطلاق میں شامل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

والتوحقہ، یوم حصادہ اور اس کا حق شرعی اس کے کاٹنے کے دن ادا کرو۔ (انعام ۱۳۱)
صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر خزان العرفان میں تحریر فرماتے ہیں:

معنی یہ ہیں کہ یہ چیزیں (کھیتی اور رخت) جب پھیلیں کھانا، تو اسی وقت سے تمہارے لئے مبارک ہے اور اس کی زکوٰۃ یعنی عشر اس کے کامل ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے، جب کھیتی کاٹی جائے یا پھل توڑے جائیں (مسکہ، بڑی، بانس، گھاس کے سوا زمین کی باقی پیداوار اگر بارش سے ہو تو عشر واجب ہوتا ہے اور اگر رہٹ وغیرہ سے ہو، تو نصف عشر) تفسیر خزان العرفان، برعاشیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت جمائل ص ۱۳۶

عشر کا نصاب
امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک عشر کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے یہ مطابقت فرمان باری

تعالیٰ و انفقوا من طیبات ما کسبتھو و ما اخذ جناتھو من الارض۔ یعنی اپنی پاک کمائی سے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا اس سے ہماری راہ میں خرچ کرو۔ یہ اپنے عموم کے اعتبار سے زمین کی تمام پیداوار کو شامل ہے۔ تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اور حدیث میں ہے کہ فَمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْغَيْمُ الْفُشْرَ وَفِيہَا

مُسْقًى يَالسَّابِغَةَ نِصْفُ الْعَشْرِ - یعنی جو باران و بارش سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جو رہٹ سے سیراب ہو اس میں نصف عشر ہے۔ (صحیح مسلم وغیرہ)
اور حدیث میں ہے - فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعَيُونُ الْعَشْرُ وَفِيمَا سَقَى
بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعَشْرِ - یعنی جو بارش اور چشموں یا دریاؤں کے میلان سے سیراب ہو
اس میں عشر ہے اور جو کنوئیں سے سیراب ہو اس میں نصف عشر ہے۔ اس حدیث کو مسلم
کے ساتھی صحابہ صحاح نے روایت کیا۔

ان حدیثوں میں قلیل و کثیر کی کوئی قید نہیں اور پانچ وسق کا تعلق عشر سے
تینیں زکوٰۃ سے ہے یعنی اگر کسی کے پاس تجارت کے لئے غلہ ہو اور سال گزر جائے تو
اس کی زکوٰۃ تینے لگا جب وہ پانچ وسق ہو اس زمانے میں غلہ کا لین دین وسق کے
ساتھ ہوا کرتا تھا اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوا کرتی تھی اس اعتبار سے پانچ کے
دو سو درہم ہوا اور یہی زکوٰۃ کا نصاب ہے۔ پھر وسق والی حدیث میں لفظ عشر بھی
نہیں بلکہ لفظ صدقہ ہے جو زکوٰۃ پر دلالت کرتا ہے اور اس میں مالک کا اعتبار بھی نہیں
حتیٰ کہ وقف زمین کی پیداوار کا عشر بھی دینا ہوگا۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۹۲)

عشر زمین کا کرایہ ہے

الارض للہ (قرآن) کہ زمین کا مالک اللہ ہے اس نے اپنے بندوں کو عارضی اور مجازی
طور پر مالک بنا دیا ہے کہ اپنی ضروریات کے سلسلے میں زمین سے استفادہ کریں؛ لہذا
عشر اس کا معاوضہ و کرایہ ہے لیکن چونکہ وہ خود کرایہ لینے سے پاک ہے اس لئے
اس نے ہدایت کی کہ اسے ضرورت مندوں کو دے دو ان کے ہاتھوں میں گیا، تو

گرمی خدا کے ہاتھوں میں پہنچا کہ خدا کی مخلوق اس کا عیال ہے امام ابو یعلیٰ اور امام بزاز رحمۃ
اللہ علیہ اور امام طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے اوی ہیں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

الخلق كلهم عيال الله، فاجتنب
الله ما يكثر عياله - (جامع الصغير للسيوطی ج ۲ ص ۲۸۱)
اللہ کو وہی زیادہ پسند ہے جو اس کے
عیال کو زیادہ فائدہ پہنچاتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمین خدا کی ہے ہم عارضی استفادہ کرنے والے ایک طرح سے
اس کے کرایہ دار ہیں اور یہ عشر و نصف عشر وغیرہ اس کی زمین کا کرایہ ہے
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و نظر کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین

عشری زمین

عشر یا نصف عشر، عشری زمین سے لیا جاتا ہے۔
اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے تو ان کی زرعی زمین
اور عرب کی زمینیں اور مجاہدین و غنیمت والوں کے حصہ میں آتی ہوتی زمینیں
جنہیں مسلمانوں نے آباد کیا ہو اور لاوارث ذمی کے مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبضہ
میں آنے والی زمین سب عشری ہیں۔ ان سے عشر یا نصف عشر لینے کا حکم ہے اسی
طرح جو زمین عشری ہو نہ خراجی اس سے بھی عشر یا نصف عشر کی وصولی کا حکم ہے۔

ہندوپاک کی زمینوں کا حکم

اس صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت
مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ

علیہ فتاویٰ مبارکہ "فتاویٰ رضویہ" میں فرماتے ہیں:

ہندستان اور پاکستان کی زمینیں خراج نہ سمجھی جائیں گی۔ جب تک کہ کسی خاص زمین کی نسبت خراج ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو بلکہ وہ عشری یا نہ عشری خراج اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے (فتاویٰ رضویہ ج ۴ - ص ۴۵۳)

عرب کی زمین عشری ہے فاضل القضاۃ امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وارض
 الجواز والمدينة ومكة واليمن وارض العرب كلها ارض عشر - (کتاب المعراج ص ۱۶۰) اور حجاز مدینہ و مکہ و یمن اور کل عرب کی زمین عشری ہے۔

عشر و نصف عشر کی صورت اگر عشری زمین بارش اور دریائی سیلاب یا قدرتی چشموں اور نہروں کے لیے قیمت پانی سے سیراب ہوتی ہو، تو اس کی پیداوار سے عشر لیا جائیگا اور اگر ان ذرائع سے سیراب ہو جن میں خرچ کرنا پڑتا ہے، تو نصف عشر لیا جائے گا۔ ہدایہ میں ہے کہ اس پر ہونے والے مصارف کے وضع کرنے سے پہلے عشر یا نصف عشر دینا ہوگا۔

عشر زمیندار پر یا مزارع پر؟ امام اہل سنت مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ شریف میں فقہاء کے فیصلوں کی بہترین تفسیح کر کے مسئلہ کو نہایت خوبی کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

زمین اگر بٹائی پردی جائے یعنی مزارع کے لیے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف (۱/۲) یا ثلث (۱/۳) غلہ قرار دیا جائے تو مالک زمین پر صرف

بقدر عشر آئے گا، مثلاً مزارعت بالمناصفۃ اہل کی صورت میں سو من غلہ پیدا ہو تو زمیندار پانچ من عشر میں دے اور اگر زمین اجارہ پردی گئی جسے لوگ نقشی کہتے ہیں مثلاً سو روپیہ بیگ پر اٹھائی، تو اب بھائی قول صاحبین رحمہما اللہ اکل عشر مزارع پر ہے ہمارے بلاد میں یہی قول صاحبین (۱) اوفق بالناس ہے۔ (الخ ج ۴ - ص ۴۵۴)

کیونکہ اس صورت میں زمیندار پر عشر واجب کرنا اس کے لئے ناقابلِ بابت ہو جائیگا جس سے اگر ایک کو معاشی سہولت ضرورت سے زیادہ حاصل ہوگی، تو دوسرے کے لئے مشکل پیدا ہو جائیگی۔

پریشان ہو کے میری خاکِ آخر دل نہ بن جائے
 جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

عشر و خراج کا مصرف عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ البتہ خراج کا حکم اور ہے وہ یہ کہ

خراج کا مصرف شکر اسلام ہی نہیں، بلکہ تمام مصالح عامۃ مسلمین ہیں جن میں تعمیر مساجد خرچ مساجد وظیفہ امام و مؤذن و دہانے پل و سرائے و سخاۃ مدرسین عالم دین و خبر گیری طلبہ علوم دین و خدمت علماء رتب حامیان دین مشغولین درس و وعظ و غیرہ امور دین سب داخل ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ - ص ۴۵۶/۴۵۷)

زمین کے عشری ہونے کی صورتیں کسی زمین کے عشری ہونے کی آٹھ صورتیں ہیں:

۱۔ مفتوحہ ارضی کہ مجاہدین اسلام میں تقسیم کی گئیں۔ ۲۔ لڑائی کے بغیر از خود

مسلمان ہونے والوں کی زمینیں۔ ۳۔ کاشت ہونیوالی زمین کہ عشری کے قریب ہے۔ ۴۔ عشری و خراجی زمین سے یکساں قریب کاشت ہونے والی زمین ۵۔ مسلمان کا مکان کہ کھیت یا باغ بن گیا۔ ۶۔ عشری زمین خرید کر دہ ذمی کو مسلمان نے شفعہ میں لے لیا یا مستقم شرعی سے بیع فاسد یا خیاب شرط یا خیاب ربریت سے بیع ٹوٹ گئی یا خیاب رعیب سے حکم قاضی واپس ہو گئی۔ ۷۔ افتادہ زمین کہ اسے مسلمان نے آباد کیا۔ ۸۔ غیر مسلم لاوارث بچے مرنے کے بعد اس کی زمین مسلمان کے قبضہ میں آگئی۔ ان سب صورتوں میں عشر یا نصف عشر ہوگا۔ جب ان زمینوں کا عشر بیت المال میں جمع ہو کر مستحقین مملکت میں تقسیم ہوگا۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ المعیشت نظام مصطفیٰ کی برکت سے مملکت پاک کے باشندوں کو فارغ ابالی کا وہی مقام اور بادۂ جام ہاتھ آجائے گا جسے ظالمانہ سریزہ ارانہ نظام نے ان سے چھین لیا ہے۔

لا ایک بار پھر وہی بادۂ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

کونسی صورتوں میں زمین خراج لینے کا حکم ہے

صورتیں بھی آٹھ ہیں۔ ۱۔ مفتوحہ راضی کہ غیر مسلم مضویٰ کے پاس رہنے دی گئیں ۲۔ غیر مسلم صلح اطاعت قبول کر کے ذمی کی حیثیت سے پناہ میں آگئے ۱۰۔ ان کی زمینیں ۳۔ غیر مسلم ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی۔ ۵۔ افتادہ (غیر آباد) زمین کہ اسے بلا عارت سلطان غیر مسلم ذمی نے آباد کیا۔ ۶۔ مسلمان کی آباد کردہ افتادہ زمین کے قریب یا خرابی پانی سے سیراب ہو۔ ۷۔ مفتوحہ غیر مستقم راضی کہ تاقیامت مسلمانوں

کے لئے چھوڑ دی گئی۔ ۸۔ زمین کے مالک مر گئے اور وہ بیت المال میں آگئی جب ان سب راضی کا خراج بیت المال میں جمع ہوگا۔ تو انشاء اللہ معاشی مشکلات حل ہوتے بغیر نہیں رہ سکیں۔ نیز خراج کا تعلق عشر کے برعکس پیداوار کی بجائے صرف زمین سے ہے خواہ آباد کرے یا نہ۔

عشری اور خراجی پانی

بارش، کنوؤں، چشموں، دریاؤں اور عربوں کی کھودی ہوئی نہروں، غیر مسلموں کے کھودے ہوئے کنوؤں کا پانی خراجی ہے، اگرچہ بعد میں مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے۔

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں ایک خراج مقاسم یعنی پیداوار کو حصہ آدھا یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ کی صورت میں مقرر کیا جائے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر مقرر کیا۔ دوسرا خراج مؤظف کہ فی سبکھ رقم کی ایک مقدار مقرر کر دی جائے جیسا کہ امیر المومنین حضرت فاروق عظیم رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ (ہدایہ و کتاب الخراج)

جزیرہ

غیر مسلم جو اسلامی سلطنت کے زیر اقتدار اور پناہ میں آجائیں حکومت ان کے جان و مال و آب و کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان غیر مسلموں سے معمولی سائیکس وصول کیا جاتا ہے جس کا نام جزیرہ ہے۔ اس سے جہاں غیر مسلموں کی جان و مال اور آب و کی حفاظت کی آئینی ضمانت حاصل ہوتی ہے، وہاں اسلام کی بالادستی کا بھی اظہار ہوتا ہے اور عزیز ہر مقل بائع، آزاد اور باروزگار غیر مسلم مرد سے لیا جاتا ہے اور موجودہ ٹیکس جزیرہ

کی جگہ ہوگا اس لئے ان سے جزیہ کی دوسری کوئی وصولی نہیں کی جائے گی، اسے جزیہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں غیر مسلموں سے حُرَن سلوک

دھیانہ اور شفقانہ نظام حیات ہے کہ اس میں غیر مسلموں سے بھی مہربانی کی بنیاد پر بہتر سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ جزیہ صرف ان غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے جو مسلمانوں سے لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لیے غیر مسلم عورتیں، بچے، پاگل، معذور، بے روزگار اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ان کے مذہبی رہنما جو غلو ت نشین اور عبادت گزار ہیں اور اپنے عامۃ الناس کو اسلام کے خلاف کوئی صلاح و مشورہ تک نہیں دیتے، وہ بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ان کے مالوں سے کوئی زکوٰۃ وغیرہ بھی نہیں لی جائے گی اور یہ جزیہ سال میں صرف ایک ہی مرتبہ لیا جائے گا۔ نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر مسلم ذمیوں کو جو تحفظات اور سہولتیں حاصل ہیں اگر انہیں وہ صحیح طور پر مستعمل نہ ہوں، تو وہ اس کی تاثیر فیض سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اسلام لاتے بغیر نہیں رہتے۔ خلافت راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور اس پر شاہد ہیں۔

جیل تر ہیں گل ولالہ فیض سے اس کے

نگاہِ نظامِ مصطفیٰ میں وہ ہے جادو

سقوطِ جزیہ اگر سال ختم ہونے لگا، جزیہ کی ادائیگی سے قبل کوئی غیر مسلم ذمی مسلمان ہو گیا، تو اسے جزیہ معاف ہوتا ہے

اور اگر غیر مسلم ذمی پر جزیہ سال کے اختتام سے واجب ہو چکا تھا اور وہ مر گیا، تو جزیہ ساقط ہو گیا، نہ تو اس کے وارثوں سے لیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے ترکہ سے وضع کیا جائیگا (کتاب الخراج، طبع مصر ۱۲۲/۱۲۳)

اور یہ جزیہ مستقل طور پر اس وقت ختم و ساقط ہو جائیگا، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

جزیہ کی مقدار

اسلام کے نظام معیشت میں غیر مسلموں پر جو جزیہ عائد کیا جاتا ہے، اس کی مقدار اس قدر قلیل ہے کہ وہ برائے نام ہی ہوتا ہے؛ چنانچہ امام شمس اللہ سرخسی کتاب المسبوط اور امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں: مالدار ذمی سے سالانہ اڑتالیس اور متوسط درجہ والے سے چوبیس اور اس سے ادنیٰ حالت والے سے بارہ درہم شرعی وصول کئے جاتے ہیں (المسبوط ج ۱۰ ص ۸۷ و کتاب الخراج ص ۱۲۳/۱۲۴)

درہم چاندی کا ہوتا ہے جس کا وزن تولہ کا پلچھہ ہے، تو چار درہم گویا ایک تولہ چاندی ہوتی، چاندی کی بجائے اس کی مالیت کی رقم موجودہ نرخ کے مطابق دی جا سکتی ہے، پھر اس کی وصولی میں ان سے انتہائی نرم رویہ برتنا اور نہایت ہی شفقانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

ایک یہودی کا عجیب واقعہ

ایک مرتبہ المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مکان سے گزر رہے تھے کہ اس کے دروازے پر ایک بوڑھا نابینا سوال کر رہا تھا، اپنے ازراہ شفقت اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور پوچھا کہ تم کون ہو۔ اس نے کہا کہ وہ یہودی ہے، اسے جزیہ دینا ہے

جس کی ادائیگی کے لئے وہ بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ فاروق اعظم نے اس کا ہاتھ پکڑا، اسے اپنے گھڑائے پر کچھ توفیق تھی، اسے عنایت فرمایا اور بیت المال کے افسر کو بلوا کر اسے ہدایت فرمائی کہ اسے دیکھ لو یہ ایک نادار یہودی ہے، اس قسم کے لوگوں سے جزیہ مت لیا کرو، بلکہ اس کی ضرورت کا بندہ دست کر دو۔ (یعنی اس کا بیت المال سے گزارہ ملاؤ) مقرر کردہ ناکہ اسے پیٹ پلنے کے لئے بھیک بھی نہ مانگنی پڑے اخذ کی قسم یہ بے انصافی ہوگی کہ اس سے ہم جوانی میں تو جزیہ لیں اور بڑھاپے میں اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیں (کتاب الخراج، ص ۱۲۶)

اسلام کے نظام معیشت پر عرف گیری کرنے والے ذرا نظر انصاف سے اس کی برکتوں کو دیکھیں جو بلا تميز اپنے پائے سب پر بار بار نثار کی جا رہی ہیں۔ فرنگی نظام حیات کا سرکار مدینہ کے نظام حیات سے موازنہ فرما کر خود ہی صحیح فیصلہ کریں۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سُرمہ میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

غیر مسلم ناہندگان کے ساتھ سلوک | اسلام کے نظام معیشت میں
مسلمان تو مسلمان ہے غیر مسلم
ناہندگان سے بھی جو حسن سلوک برتا جاتا ہے، اس کی کہیں مثال نہیں ملتی، اس کے برعکس آج کے نام نہاد ترقی پسند و مہذب میں جس طرح مجبور عوام کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جاتا ہے، وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اسلام کے سراپا رحمت و شفقت نظام معیشت کو رجعت پسندی کا طعنہ دینے والے حق و انصاف کے نام کی کسی چیز سے اگر آفتابیں تو وہ غور کریں، کیا یہی نام نہاد جدید اور

ترقی یافتہ نظام معیشت بہتر ہے جس میں مجبور عوام سے سود و سود وصول کیا جاتا ہے اور ناداری و غربت سے ادائیگی نہ کرنے والے کو پابند سلاسل کر کے جیل میں ڈالا جاتا ہے اور اگر اس کے باوجود وہ بیچارہ نادار آدمی ٹیکس کی رقومات کسی مجبوری سے نہ دے سکے، تو اس کی جائداد جو اس کی ضروریات زندگی تک کی کفایت نہیں کر سکتی نیلام عام کر کے اس سے سرکاری قرضے وصول کیے جاتے ہیں؟ یا اسلام کا وہ نظام معیشت بہتر ہے جس میں مسلمان تو کجا نادہندگان غیر مسلموں سے بھی شفقانہ سلوک کیا جاتا ہے اور ان سے کسی طرح کی زیادتی و تشدد کو ہرگز برداشت نہیں کیا جاتا؟ اس لیے یہ کہنا بجا ہو گا کہ اسلام کا نظام معیشت ہی ایک اعلیٰ نظام حیات ہے جو اپنے پائے سے قطع نظر انسانی قدروں کا سچا محافظ ہے اور اس حقیقت کا اعتراف وہ حضرات ضرور کریں گے جن کا سینہ عقل و شعور اور عدل و انصاف سے روشن ہے اور جو اس روشنی سے محروم ہیں۔ وہ اپنی کچھ فہمی پر رویوں سے اسلام کے نظام معیشت کا کیا قصور؟

میرے شہر میں بجلی کے جوہر
لیکن نیستان تیرا ہے نمناک

امام قاضی ابویوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

ہمیں ہشام بن عمرو نے اپنے باپ عروہ سے، انہوں نے سعید بن زید سے روایت کی ہے کہ ان کا اہل کتاب کے ایک گروہ سے گزر ہوا، جنہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا، سعید بن زید نے اس کی وجہ دریافت کی جواب ملا کہ یہ لوگ جزیہ نہیں دیتے، انہیں اس کا ڈکھ ہوا، وہ میدھے

حاکم کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا من عذاب الناس عذبه الله جو لوگوں کو عذاب دیگا اسے اللہ تعالیٰ عذاب دے گا اس پر ان کی رہائی ہو گئی۔
(کتاب الخراج ص ۱۲۵)

اس کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے اپنے تشریف لائے تھے کہ آپ کا کچھ ایسے لوگوں سے گزر ہوا جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کی وجہ دریافت کی عرض کی گئی کہ یہ لوگ جزیہ نہیں دیتے، آپ نے فرمایا کیا کہتے ہیں۔

قَالُوا يَقُولُونَ لَا تُجِدُ قَالَ
فَدَعَوْهُمْ لَا تَكْفُوهُمْ مَا
لَا يَطِيقُونَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
لَا تُعَذِّبُوا النَّاسَ فَإِنَّ الَّذِينَ يَعَذِّبُونَ
النَّاسَ فِي الدُّنْيَا يَعْذِّبُهُمُ
اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَمْرٌ بِهِمْ
فَيُخَلُّ سَبِيلُهُمْ۔

(کتاب الخراج ص ۱۲۵)

روفتوح الشام اردو ج ۲ ص ۱۲۸
آدمیت احترام آدمی!
باخبر شواہد مقام آدمی!

اس کی نفرت بھی عمیق اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی ہے اس کا اللہ کے بندوں پر شفیق

قحط سالی میں قطعید کی ممانعت
اسلام کے معاشی نظام کی
برتری اور سربراہ اسلام

کی شفقت عامہ کا یہ عالم قابلِ دید ہے کہ قحط سالی میں چونکہ معاشی بدحالی کا دور دورہ ہوتا ہے اس لیے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ میں قطعید کی ممانعت فرمادی تھی چنانچہ امام ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خیر خواہی اور معاملہ فہمی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ آپ نے زمانہ قحط میں چوروں سے ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی ساقط فرمادی تھی اور فرمایا کہ زمانہ قحط میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائیگی اور ایسے ہی وجوہ کی بنا پر آپ نے سوکریوں کے ریوڑ کے مالک کو بوقتِ ضرورت زکوٰۃ لینے کی اجازت دے دی تھی (کتاب المال ج ۲ ص ۳۳۱) کہ بکریوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ وہ بھوک سے دودھ دینا بند کر دیتی ہیں اور دودھ پر تو مالک کی روزی کا انحصار ہوتا ہے۔ قحط سالی اور معاشی بدحالی کے زمانے میں چوروں سے عفو و درگزر کرنا نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرہ امتیاز ہے اس لئے یہ کہنا یقیناً سجا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا نظامِ زندگی پوری زندگی انسانیت کے لئے پیغامِ فوز و فلاح اور سراپا عفو و اماں ہے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نوازیں

حضرت علی کی ایک تحصیل دار کو نصیحت

امام بیہقی سنن کبریٰ اور
امام ابویوسف کتاب

الخراج میں روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف کا ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ساہو رملاتہ کا تحصیل دار مقرر کیا اور روانگی کے وقت مجھے حکم دیا کہ دیکھو روپیہ پیسہ کی وصولی میں کسی کو کوڑے نہ مارنا اور نہ ان کے خوراک کے سامان کو فروخت کرنا اور نہ ان کے موسم سرما اور گرما کے کپڑے نیلام کرنا اور نہ ہی ان کے جانوروں کو جن سے وہ کام کرتے ہیں اور نہ کسی کو ایک ٹانگ پر کھڑا کرنا تحصیل دار نے عرض کی کہ اس صورت میں تو میں اسی طرح خالی ہاتھ واپس آؤں گا جیسے خالی ہاتھ گیا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الحکیم نے فرمایا: افسوس کہ ہمیں حکم ہی یہی ہے کہ جو چیز فاضل اور ضرورت سے زائد ہو، اس سے محصول کریں، تو اگر تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی، تو خدا تعالیٰ تجھے میرے بغیر ہی پکڑے گا اور اگر مجھے علم ہو گیا، تو میں تجھے معزول کر دوں گا۔ تحصیل دار کا کہنا ہے کہ حضرت علی کے حسب ارشاد ورنہ ہوا۔ فَعَلْتُ بِالتَّوْبَةِ فَرَجْتُ وَلَوْ اَنْتَقَصَ مِنَ الْخَرَاجِ شَيْئًا۔ یعنی میں نے خراج کے وصول کرنے سے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہدایات پر عمل کیا، تو پورا خراج ملے کر لوٹا اور خراج سے کچھ بھی کم نہ تھا۔

یہ اسلام کی انتہائی رحمت و شفقت ہے کہ سرکاری ٹیکس اسی طرح لطافت و شفقت سے وصول کیا جاتا ہے کہ اس سے نہ کوئی بھوکا رہتا ہے نہ پریشان تنگ۔ لہذا ہمیں تہذیب حاضر کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اس سے استفادہ و اعتراض کر کے اپنے خدا و مصطفیٰ اجل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے نظام معیشت کو

نافذ کر کے اپنی عزت رفتہ کو واپس حاصل کرنا چاہیے جس میں مسلمانوں کے لئے حقیقی ترقی کا راز مضمر ہے اور جو ہماری صحیح منزل و معراج ہے۔
نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغفار میں معراج مسلمان

جزیرہ کی قلیل مقدار پر جرجی زید ان جیسے متعصب عیسائی کو تسلیم کرنا پڑا کہ جزیرہ کی جو رقم اسلامی سلطنت میں غیر مسلم رعایا سے لی جاتی ہے وہ اس رقم سے بہت ہی کم ہے جو وہ اسلام سے قبل روم و ایران کی حکومتوں کو دیا کرتے تھے اب جب کہ غیر مسلم حکومت پاکستان کو مختلف ٹیکس دیتے ہیں جو جزیرہ سے کہیں زیادہ ہے تو ٹیکسوں کی موجودگی میں ان سے جزیرہ کی وصولی نہیں ہوگی، البتہ جزیرہ میں انہیں قادم ہے کہ وہ تھوڑا بھوکا اور ٹیکس زیادہ ہے۔

جزیرہ کے مصارف | جزیرہ کے مصارف وہی ہیں جو خراج کے ہیں۔ (امانی کتب الفقہ)

وقف | وقف کے معنی ہیں کسی منقولہ یا غیر منقولہ شے کو اپنے ذاتی ملک سے خارج کر کے خالص اللہ کی ملک میں کر دینا تاکہ اس کا

نفع واقف کی حسب خواہش بندگان خدا کو ملتا رہے۔ وقف ایک صدقہ باربر ہے کہ وقف کرنے والے کو ہمیشہ ہمیشہ (تا وجود و موقوف) اس کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور بہتر وقف وہی ہے جس کی مسلمانوں کو زیادہ ضرورت ہو جس کا نفع بھی زیادہ ہو مثلاً کتابیں خرید کر کتب خانہ قائم کرنا اور اسے دین کے لئے وقف کرنا کہ اس سے اہل علم استفادہ کرتے رہیں اور وقف کرنے والے کو ثواب ہوتا

رہے۔

اسی طرح مدرسہ قائم کرنا اور اس کے لئے جائیداد اور زمین، دکانیں و باغات وقف کرنا کہ اس کی ضروریات خود بخود پوری ہوتی رہیں جس سے اس کا وجود ہمیشہ کے لئے قائم رہے، یہ نہایت اعلیٰ درجے کا کام ہے۔ اس کے بعد مساجد کا قیام و تعمیر اس کے باقی رفاہی اداروں کی تعمیر ہے جو جائیداد فقراء مسلمین پر وقف کی گئی، وہ بیت المال کی تحویل میں ہوگی جہاں سے فقراء مسلمین امداد پاتے رہیں گے۔

آج سے کچھ عرصہ قبل مسلمانوں میں اپنی آخرت سنوارنے کا جذبہ خوب تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی جائیدادیں نیک کاموں اور دینی اداروں کے لئے وقف کر کے انہیں خود فیصل بنا کر دین و دنیا میں بلند مقام حاصل کرتے تھے مگر آج سخی و کجی کا خوب دور دورہ ہے۔ جائیدادیں بنانے اور سمیٹنے کا جذبہ رجحان ترقی پر ہے۔ خدا تعالیٰ اس مادہ پرستی اور ہوس ساختی سے بچا کر مسلمانوں کو پھر سے وہی جذبہ کہن عطا فرمائے۔ آمین

شہراب کہن پھر پلا ساقیا وہی جام گردش میں لاساقیا
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے میرا عشق میری نظر بخش دے

کرار الارض | کو الارض حکومت کی مملکت کا سارا زکریہ اور لگان ہے جو کاشت کاروں پر عائد کیا جاتا ہے۔ ایسی

زمینوں کو اسلام کی اصطلاح میں ارض المملکت یا ارض الخوڑہ کہتے ہیں اور جو لاوارث زمین ہو کہ جنگ سے مفتوح ہو کر وقف علی المسلمین ہو گئی، اس کی بھی آمدنی بیت المال

میں جاتی ہے اور جنگ سے مراد کفر و اسلام کی جنگ ہے کہ ایک طرف کفار ہوں اور دوسری طرف مسلمان اعداء کلمۃ الحق کیلئے لڑے ہوں، اس کے سوا کوئی اور وجہ جنگ نہ ہو۔

یہی دینِ محکم یہی فتح یاب !
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب !

عشور | ایران اور روم کی سلطنتوں کا دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان تاجر مال تجارت لیکر ان کی حد میں داخل ہوتا، تو وہ اس سے محصول (کسٹم ڈیوٹی) لیا کرتے تھے اور اگر وہ سال میں متعدد بار آمد و رفت رکھتا، تو ہر بار محصول لیتے، لیکن جب غیر مسلم اباب تجارت لیکر آتا اسلامی مملکت اس سے کوئی محصول نہیں لیتی تھی۔ اس صورت حال سے غیر مسلم تاجر فائدے و مسلم تاجر خسارے میں رہتے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس بارے میں خط لکھا، تو آپ نے فرمان جاری کیا کہ تم بھی ان سے کسٹم ڈیوٹی لیا کرو، اسے اسلامی اصطلاح میں عشور کہتے ہیں۔

خذ انت منهم مالا خذون | تم بھی غیر مسلم تاجروں سے ٹیکس لیا کرو جیسے وہ مسلمان تاجروں سے لیتے ہیں۔
(کتاب الخراج حد ۱۳۵)

اور اس فرمان میں مسلمان تاجروں سے محصول لینے کا حکم بھی شامل تھا، لیکن اس طرح کہ غیر مسلم ذمی سے کل مال لے کر گزرے، بیسواں حصہ اور غیر مسلم حربی سے سواں اور مسلمان سے چالیسواں (وہی زکوٰۃ کا) حصہ لیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی درج

مقی جس مال کا مسلمان سے چالیسواں حصہ اور ذمی سے بیسواں اور عربی سے دسواں حصہ لیا جاتے اس کی مالیت دوسودرہم سے کم نہ ہو

اگر کوئی شخص بہت مال کو اس قدر کئی قسطوں میں کر کے لے جاتے جس کی مالیت دوسودرہم سے کم ہو تب بھی اس سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ نیز یہ بھی کہ جس مال سے ایک بار کسٹم ڈیوٹی لٹی جاتے۔ اگر اسے تاجر واپس لے جا کر پھر دوبارہ لے آئے جب بھی اس مال سے کسٹم ڈیوٹی نہ لی جاتے، جو تک کہ وصولی کو سال نہ گزرے؛ البتہ غیر غیر مسلم عربی سے ہر بار کسٹم ڈیوٹی وصول کی جاتے گی، غیر مسلم ذمی اور مسلمان تاجر سے دونوں سے نہیں۔ نیز اس میں یہ ہدایت بھی تھی کہ اگر مسلمان تاجر اس بات کا حلف اٹھائے کہ اس مال کی اس نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے تو اس سے بھی کسٹم ڈیوٹی نہ لی جاتے کتاب الخراج ص ۱۳۲/۱۳۳

قارئین! غور فرمائیں کہ اسلام کو عوام کی حالت سدھارنے اور ان کی معیشت کو بہتر بنانے میں کس قدر احساس ہے۔ اسلام کے نظام معیشت میں ملک کے عوام سے متعلق جو جذبہ صداقت کا رہا ہے اسے ایک حقیقت میں کی آنکھ دیکھ کر تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتی، لیکن جنہوں نے اپنی آنکھ پر تعصب کی عینک چڑھا رکھی ہو۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک کیسے حاصل ہوئے

کیا خبر اس کو ہے یہ راز کیا؟

دوست کیا ہے، دوست کی آواز کیا؟

راقم کی رائے میں ادائیگی، زکوٰۃ کا سرٹیفکیٹ یا رسید کا مصدقہ کاغذ بھی پیش کرنا فی زمانہ مزید موجب حصول طمانیت ہوگا اگر آج

فائدہ

کے مسلمان جھوٹی قسم اٹھانے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے اور یہ سرٹیفکیٹ یا رسید اسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ کی طرف سے مصدقہ ہو۔

عشور (کسٹم ڈیوٹی) کی شرعی حیثیت

عشور یعنی کسٹم ڈیوٹی جو مسلمان سے لی جاتے وہ

زکوٰۃ اور جو ذمی و عربی غیر مسلم سے لی جاتے وہ خراج مقصور ہوگی، چنانچہ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

وکل ما اخذ من المسلمين من العشور فسیلہ سبیل الصدقة وسبیل ما یأخذ من اهل الذمة جمیعا واهل الحرب سبیل الخراج۔ ص ۱۳۲

اور جو عشور مسلمانوں سے لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کے طور اور جو غیر مسلم ذمیوں اور عربیوں سے لیا جاتا ہے وہ خراج کی مد سے مقصور ہوگا۔

یعنی ہر ایک کو متعلقہ مد میں جمع کر کے اس کا حساب اندراج اسی کے ساتھ رکھا جائے گا:

ضرائب

ضرائب (ہنگامی ٹیکس) بھی بیت المال کے لئے ہوتے ہیں۔ اگر کفار کے ساتھ جنگ ہو جائے اور بیت المال

خالی ہو اور لوگوں کو ان کی ضروریات میسر نہ آ رہی ہوں جس سے تباہی و بربادی اور ہلاکت کا قوی اندیشہ منڈلا رہا ہو اور غنی و سرمایہ دار لوگ بھی وہ تمام مالی حقوق ادا کر چکے ہوں جو ان پر عائد ہوتے تھے۔ لیکن اس سمرٹکی ضروریات پوری نہ ہو رہی یا قحط سالی سے بربادی و ہلاکت کا قوی اندیشہ دستور باقی ہو، تو اس صورت میں ملکی اداروں پر ہنگامی اور وقتی ٹیکس لگائے جائیں گے ان کا نام ضرائب ہے۔

ان سے جنگی اور غریب و پریشان حال لوگوں کی معاشی ضرورت پوری کی جائیگی، بجائے اس کے کہ ہم غیر ملکوں سے قرض کی بھیجک مانگتے پھریں۔ اپنے ملک کے دولت مندوں سے ان کے حرب استطاعت و فنی ٹیکس لے کر ملکی معیشت و ضرورت کو سنبھالا دیا جاسکتا ہے، بلکہ ہمارے اسلاف کی روایت تو یہ ہے کہ اہل ثروت و غنی لوگ اپنی صداقت نیت اور خلوص للہیت کی بناء پر معاشی بد حالی اور غربت و فقر میں مبتلا لوگوں کی خود ہی خبر گیری کرتے اور ان کی اس حد تک معاونت فرماتے تھے کہ انہیں غربت کے مائے جوؤں کو زبان پر حرف شکایت لانے کی ضرورت ہی کم محسوس ہوتی تھی۔

اب ملک یاد ہے قوموں کو حکایت انہی!

نقش ہے صفحہ ہستی پر صداقت انہی!

ضرائب ہنگامی امداد سے اگر اہل استطاعت گریز کرنے لگیں، تو حکومت اسلامیہ ان سے جبری طور پر بھی امداد لے سکتی ہے۔ چنانچہ ہمارے یہ ہے۔

وللأمام ان يفعل	یعنی سربراہ مملکت ملک کے وفادار
خالک فی مال العادل عند	دولت مندوں کے مالوں میں اینٹگانگی نہیں
الحاجة ففی مال الباسی اونی	عامہ کرنے کا تصرف کر سکتا ہے، تو وہ ملک
والمعنی فیہ الحاق الضرر	کے بے وفاؤں (جو ملکی ضروریات میں
الادنی لدفع الاعلی	استطاعت کے باوجود تعاون نہیں
(هدایہ شریعہ ج ۱)	کرتے، بلکہ امداد بر فساد دہنتے ہیں) کے
ص ۵۸۵	مالوں میں ضرر اعلیٰ کے دفع کو تصرف

کر سکتا ہے۔

اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط شریف میں ہے کہ حرب ہوازن میں ضرورت و پیش تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے کچھ زریں اس کی بلا اجازت استعمال کے لیے لے لی تھیں (مبسوط ج ۱۰ ص ۱۲۶)

نظام مصطفیٰ میں جو وہ بے ہم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں لیکن نظام مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم میں ان موجودہ بے ہم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں جو حکومتیں عوام پر بلا جواز مسلط کرتی ہیں۔ یہ سرسبز عدل و انصاف کے خلاف اور خالص جبر و ظلم ہے اور یہ ظالمانہ اور بے رحمانہ ٹیکس محض مقدر بہتیسوں کی عیاشیوں اور ہوس پرستیوں سے باز آ کر اسلامی زندگی اختیار کریں، تو غریبوں پر اس قدر ظالمانہ ٹیکسوں کا بوجھ نہ لادنا پڑے۔

قائمن! غور فرمائیں کہ جس ملک کے سربراہ کی یہ حالت ہو۔

”جو ملک کے خزانے سے اپنے لئے ایک کروڑ دس لاکھ روپے سالانہ یعنی تیس ہزار روپے کے روزانہ وصول کرتا تھا اور دوسرے اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ پاکستان کے خزانے سے انہوں نے اپنے لئے بیس لاکھ روپے کی ایک کار خریدی جس کا نام مرسیڈیز ۶۰۰ ہے۔“

ہفت روزہ ”اسلامی جمہوریہ“ ۲۱ فروری ۱۹۷۹ء ص ۴۲

اور جس سربراہ کی یہ حالت ہو!

”دفتر خارجہ کے سفارتی ذرائع سے اور حکومت پاکستان کے خرچ

پرنیو یارک۔ پانچ سو ڈالر کے سونے سے ایک سو ڈالر کی قمیض
روم سے ایک سو ڈالر کے بوٹ اور پیرس سے معدنی پانی منگوایا جاتا
تھا اس کے علاوہ اس کی پسندیدہ چائے سنگاپور سے منگوائی جاتی تھی۔
”نوائے وقت لاہور“ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ

ایسے سربراہ مملکت کو مملکت اور عوام کا خیر خواہ کہنا چاہیے یا بخواہ پھر
عوام بھوکوں مر رہے ہوں اور سربراہ کی عیاشی کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنے ملک اور وطن عزیز
کا پانی پینا بھی پسند نہ کرتا ہو اور غیر ملکوں کا معدنی پانی نوش کرے۔

ہم کو متیر نہیں مٹی کا دیا بھی!!
گھر میر کا بجلی کے چرنوں سے ہے روشن

بہر صورت قرآن و سنت اسلام اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے
نظام حیات میں عوام پر ٹیکس عائد کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں، جب تک کہ
خزانے میں کچھ موجود ہو۔ درمختار طبع انڈیا مطبع احمدی میں ہے۔

وَصَرَّهٖ الْجَعْلُ اِیْ اَحَدٍ
الْمَالُ مِنَ النَّاسِ لِجَلِّ الْفَرَاةِ مَعَ
الْفَقِیْ اِیْ مَعَ وُجُوْدِ شَیْءٍ
اِیْ بَیْتُ الْمَالِ - ص ۱۳۴
یعنی مجاہدین کے لئے لوگوں سے
ضروریات کا سامان کپڑا لینا اس وقت
تک ناجائز ہے جب تک کہ بیت المال
میں کچھ موجود ہے۔

اور خزانہ تو مسلمانوں ہی کی ضروریات کے لئے ہے لَاتَبْنِیْتُ الْمَالَ مَعَهُ
لِغَوَابِ الْمُسْلِمِیْنَ (شامی ج ۳ ص ۱۲۷) حکام کی عیاشیوں کے لئے نہیں علامہ
امام ابن عابدین درمختار کی بالاسطورہ عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَلَا مَانُ یُخْفُ النَّاسُ
بَانُ یَقُوْیْ بَعْضُهُمْ بِالْکَرَّاحِ الْخِ
الْخِیْلُ وَالسَّلَاحُ وَغَیْرَ ذَٰلِکَ
مِنَ النِّفَقَةِ وَالزَّوَادِ
کہ حاکم جنہی ضرورت کے وقت واجب
کہ خزانے میں کچھ نہ ہو ضرورت مندوں
کے لئے صاحب استطاعت لوگوں سے
جبری طور پر سواریاں و اسلحہ اور سفر
رد المغار ج ۳ ص ۱۲۷

اسی طرح ہاؤس فوج القدر و عیاریہ میں ہے۔ وما وظف الاعام لتجمید

الجیش و فدام الاماری الخ (ج ۳ ص ۱۲۵ و ج ۴ ص ۲۲۲ و ج ۵ ص ۲۲۱/۲۲۲)

اور ضرورت کے پورے ہوئے بعد ٹیکس کے بغیر اصلی اشیاء جو جبراً لی گئی تھیں
ماکوں کو واپس کر دی جائیں گی اور اگر کوئی چیز ضائع ہو گئی، تو ماکوں کو اس کی قیمت
دی جائیگی، چنانچہ مجمع الانہر میں ہے:

بَشَرَطِ الضَّمَانِ فَاِذَا زَالَتْ
الْحَاجَةُ یُرَدُّ اِنْ كَانَ قَائِمًا
وَالْاَفْقِیْتَةُ (ج ۱ ص ۶۳۲)
یعنی بشرط ضمان پھر رفع ضرورت
کے بعد اگر وہ چیز موجود ہو تو وہی مالک
کو لوٹا دی جائیگی، ورنہ اس کی قیمت۔

یہ اس لئے کہ ہمارا دین
دین اسلام ہے اور یہ مسلم
اسلام جان اور مال کا تحفظ دیتا ہے
ہے کہ اسلام جان و مال کا مکمل تحفظ دیتا ہے۔ دارالاسلام میں ہر شخص کی جان
مال و احب الاحرام اور واجب العصمتہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

عَصَمُوا مَنِّیْ دِمَاعَهُمْ وَامْوَالَهُمْ
مَكَّوَاتِقَ (ج ۱ ص ۱۱۳)
کہ میں ہر مسلمان کو جان و مال کا
مکمل تحفظ دینے کا ذمہ دار ہوں۔

اور جان و مال و عزت و ناموس کا صحیح تحفظ اسلام یعنی نظام مصطفیٰ ہی ہو سکتا ہے بلکہ اسلام تو دارالاسلام میں موجود پناہ گزین غیر مسلموں کو جان و مال کا مکمل تحفظ دیتا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کیب عا دلانہ نظام حیات ہے کہ ذاتی ملکیت کو تحفظ دیتا ہے اور حاجت مندوں کی ضروریات کا کفیل بھی ہے۔ ایسے عظیم الشان اور حیات افزا نظام مقدس کے ہوتے ہوئے کیٹلزم اور سوشلزم ایسے سوائے زمانہ نظام بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

ہفت کشور جس سے ہونچیرے تیغ و لشکر
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سامان بھی ہے

اگر کفار و مسلمانوں کے لشکر سے خائف ہو کر مال چھوڑ کر بھاگ جائیں اور وہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگے، اسے فنی کہتے ہیں اور اس کے بھی تین حصے کئے جاتے ہیں۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے: **فنی**
وابو حنیفۃ یقسمہ، ثلاثاً کہ امام ابو حنیفہ اسے تین حصوں (عمدۃ القاری ج ۱۱ - ص ۲۲۴) میں بانٹنے کا فرماتے ہیں۔

مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ فقر و مساکین اور یتیموں کے لئے بیت المال میں رکھا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت فنی کی طرح یہ مد بھی موجود نہیں ہے۔

صدقات صدقات نافلہ اور فقر و مساکین اور یتیموں کے لئے نذر کئے جاتے اموال بھی بیت المال میں جمع ہوتے ہیں جہاں سے مستحقین کو دیے جاتے ہیں۔

اموالِ فاضلہ

یہ متفرق آمدنیاں؛

۱۔ لاوارث لوگ فوت ہو جائیں اور اپنے پیچھے جائیداد چھوڑ جائیں۔ ۲۔ مرد کے زمانہ ارتداد کا کمایا ہوا مال۔ ۳۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت بحق بیت المال ضبط کر لی جاتی ہے۔ یہ سب اموالِ فاضلہ ہیں جو بیت المال میں رکھے جاتے ہیں۔

کامیں زمین کے وہ خزانے جو قدرت نے اس میں پیدا کئے اگر مگراری زمین میں دستیاب ہوتے تو کل بیت المال کے لئے در پانچواں حصہ بیت المال کے لئے۔ حدیث شریف میں ہے۔ وفي الرکاز الخمس کہ قدرت قی خزانہ ارضی میں خمس ہے۔ (کما فی الہدایہ ج ۱ ص ۱۸۲)

دینے کسی زمین میں دفن کیا ہوا مال دینہ کہلاتا ہے، اگر یہ کسی کو دستیاب ہوا اور اس کا مالک بھی کوئی نہ بنے، تو پانچواں حصہ دستیاب کرنے والے کے اور پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے (کما فی الہدایہ) بسوں، ٹرکوں، کاروں، سکڑوں، موٹر سائیکلوں اور تانگوں، ٹریکس وغیرہ، لیکن اس کی موجودہ مقدار

سوار می ٹریکس زیادہ ہے اسے کم کرنا ہوگا اور اگر اس کے بغیر مملکت کا کام چل سکے، تو اس ٹریکس کے عائد کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ احیب اسلام کا نظام حیات مکمل طور پر نافذ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسی برکتیں نازل فرمائے گا کہ سوار می ٹریکس جیسے بوجھوں کی مصیبت سے قوم کو نجات مل جائے گی۔ آسمان ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش! اور ظلمت رات کی سیما پا ہو جائیگی۔

ذرائع مواصلات | سرکاری بیس، گاڑیاں (ریلوے) اہواز اور محکمہ ٹیلیفون اور محکمہ ڈاک کی آمدنی۔

برقیات | بجلی (ایلیکٹرک) کی آمدنی۔

سیاحت و زیارت | اسی طرح غیر ملکوں کی سیاحت و زیارت کی آمدنی۔

تجارت | بنکوں سے سودی نظام کو ختم کر کے انہیں شریعت کے مطابق مضاربت شراکت کے اصولوں پر چلایا جائے گا۔ اس کے منافع بھی بیت المال میں جمع ہوں گے۔

صنعت | اسی طرح سرکاری فیکٹریاں بھی جو آمدنی پیدا کرتی ہیں اس سے درکاروں کی زندگی خوشحال بنانے کے بعد فاضل آمدنی بھی بیت المال میں جمع ہو۔ مملکت اسلامیہ کی مندرجہ بالا پیداواری مدت اور ذرائع آمد بہت وسیع ہیں ان کے مقابلے میں اخراجات محدود ہیں۔ اگر ملکی معیشت پر عیاش و فضول خرچ کی بجائے قناعت پسند و امانت دار قیادت کا کنٹرول ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک میں غربت و افلاس باقی رہ جائے۔

اس قدر ہوگی ترقی آفریں باد بہار!
نہجست خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جاتی ہے

کورٹ فیس کی ممانعت | کورٹ فیس چونکہ حصول انصاف کی فیس ہے، اس لئے یہ جائز نہیں

نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کی گنجائش نہیں، اسے ختم کر دیا جائے تاکہ ہر شخص کو انصاف کے مواقع مفت موصول ہوں۔

گزارہ الاؤنس اور تنخواہیں | اسلام کا معاشی نظام اس لحاظ سے بھی دنیا بھر کے نظاموں سے اعلیٰ و برتر

ہے کہ اس میں لوگوں کی معاشی کفالت کا پورا اہتمام ہے، حتیٰ کہ اس میں نو مولود بچے تک کو گزارہ الاؤنس دیا جاتا ہے۔ اور اسلام نے اس وقت یہ اقدام کیا، جب کہ نئے زمین پر کسی بھی معاشرے میں اس کا تصور تک نہیں ملتا تھا، اگر آج کسی غیر اسلامی معاشرہ میں یہ چیز پائی جاتی ہے تو وہ اسلامی معاشرہ کی تقلید میں ہی ہے! لہذا حقوق انسانی کے تحفظ و مجتہد اشت کا سہرا خدا و دان اسلام کے ہی سر ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں وظائف کا نظم و نسق کئی ایک شعبوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک شعبہ کے لئے الگ الگ حساب کتاب رکھا جاتا ہے۔

فوج کی تنخواہ | فوج کے جوان جو فوجی خدمت و حاضری پر ہیں، ان کے لئے باقاعدہ ماہانہ تنخواہ ہوتی ہے۔ فوج

کی تنخواہیں باضابطہ طور پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جاری فرمائیں۔ یہ تنخواہیں اس قدر تھیں کہ فوجیوں کے روزمرہ کے ضروری اخراجات باسانی پورے ہوتے۔ یہاں تک کہ جب کسی فوجی کے ہاں کوئی بچہ جنم لیتا تو اس کی تنخواہ کے اس کے بچے کا ماہانہ وظیفہ بھی جاری کیا جاتا اور بچوں کے وظائف صرف فوج کے لئے ہی نہیں سب کے لئے تھے، کیونکہ اسلام کے معاشی نظام کا ارادہ رحمت سب کے لئے یکساں ہیں، لیکن ان میں چھوٹا بڑا ایک سا ہے۔

اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
نشیب و فراز و پس و پیش سے

بشر بن غالب سے روایت ہے کہ حضرت
حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے دریافت

شیر خوار سچے کا وظیفہ

کیا گیا کہ نومو لو د بچوں کا وظیفہ کب جاری ہو گا؟ انہوں نے فرمایا اسی وقت سے
جب کہ وہ پہلی آواز نکالے کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۳۹۹

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سچے کا وظیفہ اس وقت
تک جاری نہ کرتے جب تک کہ اس کا دودھ نہ چھڑایا جاتا، لیکن بعد میں انہوں نے
اعلان کیا کہ:

لوگو! اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کیا کرو، ہم ہر
مسلمان بچے کی پیدائش کے وقت ہی سے اس کا وظیفہ جاری کریں
گے اور یہی حکم انہوں نے تمام اسلامی مملکت میں بھیج دیا کہ مسلمان
کے ہر بچے کا اس کی پیدائش ہی سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔

کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۴۰۰

مدونہ گبری اور اس کے حاشیہ میں امام مالک
نے بچوں سے ہمدی

رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک رات تاجروں کے ایک قافلہ نے مدینہ منورہ
کی عید گاہ میں قیام کیا۔ حضرت عمر فاروق نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے فرمایا
کہ (یہ لوگ تھکے ماندے ہیں سو جائیں گے تو انہیں کوئی ہوش نہ رہے گا چلے، ہم دونوں

آج رات ان کا پہرہ دیں کہیں چوران کا سامان نہ لے جائیں۔ دونوں رات بھر
پہرہ دیتے اور نوافل پڑھتے رہے۔ اس دوران ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔
آپ اس طرف تشریف لے گئے اور اس کی ماں سے فرمایا اے خدا کی بندی بچے کو مت
رولایہ کہہ کر واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد پھر اس بچے کے رونے کی آواز آئی
آپ پھر تشریف لے گئے اور اس کی ماں کو وہی بات فرمائی حتیٰ کہ تین بار ایسا ہوا۔

آخر میں آپ نے جا کر اس کی ماں کو ڈانٹ کر فرمایا کہ تو کیسی بُری ماں ہے تیرا بچہ آج
رات بھر کیوں بے قرار رہا ہے؟ اس نے کہا اے خدا کے بندے (اے معلوم نہ تھا کہ
یہ امیر المومنین ہیں) میں اس کا دودھ چھڑانا چاہتی ہوں مگر یہ نہیں چھوڑتا، اپنے
پوچھا کہ اس کا دودھ کیوں چھڑوا رہی ہو؟ کہنے لگی اس لئے کہ حضرت عمر کسی بچے
کا وظیفہ اس وقت مقرر نہیں کرتے جب تک کہ وہ دودھ نہ چھوڑے۔ آپ نے

پوچھا کہ یہ کتنے ماہ کا ہے۔ کہنے لگی اتنے ماہ کا ہے۔ اپنے فرمایا جلدی مت کر پھر
اپنے مسجد نبوی میں اگر صبح کی نماز پڑھائی تو بچوں کے غم میں اس قدر روئے کہ نماز
میں آپ کی قراۃ لوگوں کو واضح سنائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر جب سلام پھیرا تو
منادی کے ذریعے اعلان کر دیا کہ لوگو! اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ
کیا کرو، ہم آج کے بعد ہر مسلمان بچے کا وظیفہ مقرر کر دیں گے اور یہ

ملک کے طول و عرض میں بھی جاری کر دیا گیا (المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۴۰۳)

عمر کے ساتھ سچے کا وظیفہ میں اضافہ

محمد بن بلال المدینی اپنے
باپ کی وساطت سے

اپنی دادی کے بارے میں روایت کرتے ہیں وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ

عنہ کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھیں، ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ نظر نہ آئیں تو اپنے اپنے گھر والوں سے دریافت کیا کہ فلاں خاتون دکھائی نہیں دیتیں کیا وجہ ہے؟ ان کی اہلیہ نے عرض کی آج رات اس کے ہاں بچہ ہوا ہے حضرت عثمان نے اباوجود بیکر اس کی طرف سے کسی قسم کی درخواست تک نہ بھیجی گئی تھی، خلیفہ نے محض اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے (محمد بن بلال کی دادی کے پاس پچاس درہم اور ایک چادر بھیجی اور فرمایا کہ یہ تیرے بیٹے کا وظیفہ ہے اور چادر سے اس کے کپڑے بنالے۔ جب یہ بچہ ایک سال کا ہوگا ہم پچاس کی بجائے اس کا وظیفہ سو درہم کریں گے۔ کتاب الاموال - ج ۱ - ص ۱۳۰) ہے سو زوروں سے زندگانی اٹھنا نہیں خاک سے شہداء

خلیفہ وقت کو جب کہ بچہ کی ولادت کا علم ہوتا تو وہ درخواست طلب کئے بغیر اس کا وظیفہ جاری کر دیتے

راوی ہیں کہ ان کا گز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سے ہوا، تو حضرت عثمان نے ان سے پوچھا:

بڑے میاں! آپ کے کتنے بچے ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ امیر المومنین میرے ساتھ کنبہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے اتنا وظیفہ مقرر کر دیا ہے (راوی کو یہ مقدار یاد نہ رہی) اور تمہارے بال بچوں میں سے ہر ایک کے لئے سو سو درہم مقرر کیے۔ (ایضاً ص ۴۰۰)۔

غربت کی ہوا میں بارور ہو!!
ساقی تیرا نغمہ سحر ہو!!

اسلام کے
معاشی نظام
کی بے مثال
میت کا ترکہ داروں کے لئے اور اس کے عیال کا
خرچ اور واجب الادا قرض حکومت کے ذمہ

خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں سماجی تحفظ کا خوب اہتمام کیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر کوئی مر جائے تو اس کا ترکہ داروں کا ہوگا، مگر اس کے عیال کا خرچ اور واجب الادا قرض مملکت اسلامیہ کے بیت المال اخزانہ کے ذمہ ہوتا ہے؛ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ تعالیٰ اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فمن توفي من المؤمنين
فترك ديناً فعلى قضاؤه ومن
ترك مالا فميراثه (متفق)
یعنی جو مسلمان فوت ہو گیا اور اس کا
قرض نہ ہو تو اس کا قرض اس کے ترکہ سے ادا ہوگا۔ اور اگر
اس کی ادائیگی میرے (خزانے) کے ذمہ
ہے اور جو مال چھوڑنے وہ اس کے
داروں کے لئے ہے۔

مشکوٰۃ ج ۱ - ص ۲۵۲

یعنی مرنے والے کا اگر ترکہ ہو تو اس کا قرض اس کے ترکہ سے ادا ہوگا۔ اور اگر قرض نہ ہو تو وہ ترکہ داروں میں تقسیم ہوگا۔ ہاں مال و ترکہ اگر کچھ نہ ہوگا اور قرض ہی قرض ہوگا، تو وہ حکم امیر المومنین سرکاری خزانے سے ادا ہوگا۔ یہ حکم عام ہے کہ امیر المومنین رعایا کے لئے باپ کی حیثیت رکھتا ہے اور باپ کی شفقت پر ریائیگی

قرض کا باعث ہے اس حکم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص نہیں کر لیا جیسا کہ ہم نے بین القوسین حیثیت کی قید لگا کر اس حکم کے عموم کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

انا اولی بالمؤمنین من
انفسهم فمن مات وترك مالا
فماله لموالی العصبۃ ومن
ترك مالا ورضیاءا فانا
ولیہ فلا دعو لہ (ج ۲ ص ۱۹۸/۱۹۹)
طبع مجتہب (-)
میں مسلمانوں کے ان کی جانوں
سے زیادہ قریب ہوں جو مسلمان مر
جائے اور مال چھوڑ جائے، وہ اس کے
دارثوں کا ہے اور جو قرض یا محتاج کنبہ
چھوڑ جائے اس کے اخراجات کی ذمہ داری
مجھ پر ہے۔ تم مجھے یاد کیا کرو۔

کتاب الاموال میں ہے کہ جو شخص (قرض یا عیال داری کا) بار چھوڑ کر مرے گا،
ہمارے مرتبے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا، وہ اس کے دارثوں کا ہو گا۔

(ج ۱ ص ۳۹۹) -

حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلبہ انفلٹوں
غاصر اسکے ہیں روح اللہ کی ذوقِ محال عجم کا حزن طبیعت عرب کی سوزِ درد

علماء و اساتذہ ائمہ و مؤذنین و طلباء علم دین کے وظائف
دامت و خطبا

اور مؤذنین کے وظائف قاعدہ و باضابطہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جاری

فرمائے تھے اور وہ اسلامی مملکتوں میں بھی جاری رہے کیونکہ علماء و فقہاء و اہل علم حضرات
جو قرآن و حدیث اور دیگر علوم اسلامیہ کی خدمات انجام دیتے ہیں اور جو ان علوم کے
سیکھنے میں مصروف ہیں اور اسی طرح جو دنیاوی علوم و فنون مغیہ کے معتمد و متعلم
ہیں ان کے وظائف بھی ان کے حسب شان مقرر ہوتے ہیں۔

علماء اگرچہ دین کے علوم کی تعلیم اور فرائض کی بجا آوری خالص اللہ کے لیے کرتے
ہیں تاہم اسلام کے نظام میں پابندی اوقات کا ان کو معقول مشاہرہ دیا جاتا ہے
جو اعلیٰ افسروں اور وزیروں کے برابر ہوتا ہے تاکہ کسی نہ کسی جذبے سے لوگ اپنے
بچوں کو علم دین پڑھانے کی طرف مائل ہوں اس سے علوم دینیہ کی تجدید و بقا رہیں
مدد ملتی ہے۔ اور اگر علماء کا دتار اور ان کے مشاہرے نسبت کم ہوئے تو لوگ اپنے بچوں
کو علم دین پڑھانے سے گریز کریں گے جس سے ملک ملت اور اسلام کو ناقابل تلافی نقصان
پہنچے گا جس کا مشاہدہ اب ہم کر چکے ہیں نیز علمائے کرام کا فکر معاش سے آزاد ہونا ملک
ملت کی اولین ضرورت ہے۔

اس جہاں میں اک معیشت اور سوانحاد ہے

روح کیا اس دیں میں اس فکر سے آزاد ہے

فقراء و مساکین اور بزرگواروں کے لئے گزارا والاؤں
اسلامی نظام نے فقر، مساکین

اور بے گاروں کے مابین وظائف مقرر کئے ہیں اس میں ناوار بے روزگار امریض بوڑھے
معذور یتیم اور بیوگان سب شامل ہیں، حکومت اسلامیہ کا بیت المال سب کی ضروریات
زندگی کا حد ضرورت تک کفیل ہوتا ہے۔ فتوح البلدان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ

عزہ نے ان مستحقین کی خوراک کی مقدار مقرر کرنے کے لئے اچھی خوراک کھانے والے چند آدمیوں کو بلا کر انہیں دو وقت کا کھانا کھلایا اور اسی حساب سے ہر شخص کی خوراک بیت المال سے ماہانہ طور پر مقرر کر دی۔ کتاب الاموال میں سفیان بن وہب سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں مدی اور قسط دو پیمانے لے کر فرمایا:

”میں نے ہر شخص کے لئے ماہانہ ایک می (ایک من چھتیس سیر) اگندم

دو قسط اسواچہ دسیر ازیتون کا تیل مقرر کر دیا۔ حاضرین میں سے

ایک نے عرض کی کہ غلاموں کا بھی؟ فرمایا ہاں غلاموں کا بھی (ج ۱ ص ۴۱)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا حضرت
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتا

میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا: ”فاجزل لہم فی العطاء والرزق لایحتاجون مدۃ ۱۱۳“ کہ عمارت کے وظائف بھاری مقرر کیجئے تاکہ وہ معاشی فکر و احتیاج سے بالاتر ہو کر ملک و ملت کی خدمت کریں۔ چنانچہ فاروق اعظم نے اس پر عمل کیا اور علماء کے بھاری شاہرے مقرر کر کے انہیں فکر معاشی سے متغنی کر دیا۔

قرآن مجید پڑھنے پر طیفہ

سید بن ابراہیم سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو فرمان بھیجا کہ ”لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر طیفہ دو“ گورنروں نے اپنی خدمت میں بٹھا کر آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی ہے اور کچھ ایسے لوگوں نے بھی قرآن

مجید سیکھنا شروع کر دیا جنہیں سوائے طیفہ کے اور کوئی کشش تعلیم قرآن کے حصول میں نہیں ہے (اور یہ اچھی بات ہے کہ کسی طرح قرآن تو سیکھ لیں گے) آپ نے پھر لکھا کہ لوگوں کو شرافت و مروت اور نیک صحبت کی بنا پر بھی طیفہ دو۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۸)

اسید بن عمرو سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ ایک گورنر حضرت اسعد بنی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو قرآن مجید پڑھے گا میں اس کا نام دو ہزار و طیفہ پانے والوں میں درج کر دوں گا، تو انہوں نے کہا کہ آف کیا (یہ زمانہ بھی ہمیں دیکھنا پڑا کہ) کتاب اللہ کے حکم کو اسلامی جذبے سے نہیں محض طیفہ کے طمع سے پڑھنے پر (بھی) و طائف دیے جائیں گے۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۸)

تعلیم قرآن پر تنخواہ

ابو غیلان سے مروی ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے یزید بن ابی مالک دمشقی اور عمارت بن یحییٰ اشعری کو دیہاتی لوگوں کو دینی تعلیم دینے کے لئے بھیجا اور ان کے لئے تنخواہ مقرر کر دی، مگر عمارت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بارے میں حضرت عمر بن عبد العزیز کو اطلاع دی گئی تو آپ نے جواب میں لکھا کہ یہ نہ جو کچھ کیا (کہ تعلیم قرآن پر تنخواہ قبول کر لی) اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی اور بھاری دغا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے اندر عمارت جیسے بے لوث خدمت کرنے والے لوگوں کی کثرت کرے (کتاب الاموال ج ۱ ص ۲۲۸)

ہیں لوگ دہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

تعلیم حدیث پر معاوضہ

جس طرح دوسرے علوم کی تعلیم و
تدریس پر اجرت لینا جائز ہے اسی
طرح تعلیم و تحدیث حدیث پر بھی معاوضہ و اجرت لینا جائز ہے۔ چنانچہ صاحب
المجتبیٰ امام عبد الرحمن نسائی علیہ الرحمۃ کے شیخ یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ حدیث کی
روایت پر اجرت لیتے تھے۔ المجتبیٰ یعنی سنن امام نسائی میں ہے :

كان يعقوب لا يحدث
يعني شيخ يعقوب بن ابراهيم عليه
الرحمة ايك دينار لے کر ہی اس حدیث
کی روایت کرتے تھے۔
(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۰)

اور وہ حدیث جسے یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ دینار لے کر روایت فرماتے تھے
قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم لا يبولن احدكم
في الماء الدائم ثم يغتسل منه
(نسائی ج ۱ ص ۲۱)

جو علماء قومی اور
دینی کاموں پر مامور
ہیں ان کی معاشی

جو علماء قومی و دینی کاموں پر مامور ہیں
ان کی معاشی کفالت حکومت کے ذمہ ہے

کفالت حکومت کے ذمہ ہے۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا، بلکہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عین میں کسی کام
کے لئے بھیجا جب آپس آئے تو حضور نے انہیں اس خدمت کو صلہ دیا۔ کافی الناسی
اسی طرح پیہقی میں امام زہری سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
غالب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا عامل بنایا تو ان کے لئے چالیس اوقیہ سالانہ مقرر فرمائے
اور ایک اوقیہ چالیس درہم کی ہوتی ہے (غنیہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۲۰ طبع مصر)
الاختیار اور الہدایہ میں ہے :

وَيَجُوزُ الْإِحَارَةُ عَلَى التَّعْلِيمِ
والله اعلم في زماننا وعليه الفتوى
لما جلد الناس اليه : (الاختیار ج
۲ ص ۶۰ والہدایہ ج ۳ ص ۳۰۱)
کہ تعلیم قرآن و حدیث و غیرہ
امامت اذان ایسے نیک کاموں میں
پابندی اوقات کا معاوضہ جائز ہے
کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔

معلوم ہوا کہ علماء کا درس و تدریس پر خلیفہ لینا بلاشبہ جائز ہے اور یہ دراصل
پابندی اوقات کا وظیفہ ہوتا ہے جس میں یہ درس و تدریس ایسی دینی خدمت انجام
دیتے ہیں اس پر علم فروشی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ علم فروشی کے معنی یہ ہیں کہ طمع و
لاچ میں دیدہ دانستہ غلط بیانی کی جائے یا علم کی بات چھپادی جائے حالانکہ اس
کے اظہار کا بھی وقت اور ضرورت ہو اجرت لے کر وقت خرچ کرنا اور اوقات
کی پابندی کرنا قابل معاوضہ چیز ہے پس اسی کی اجرت اور اسی کا شہرہ ہوتا ہے
نہ علم و فتویٰ فروشی ہے اور نہ ہی رشوت یہ بلاشبہ جائز اور رشوت بلاشبہ حرام
نہایت اس کا احادیث میں جو وارد ہے جیسا کہ رشوت لینے کی مذمت و ممانعت

ایک امر مسلم ہے۔

رشوت کی ممانعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی اور اس پر بھی

جو رشوت کا دلال ہے (ابوداؤد وابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وترمذی عن ابن ہریرۃ رضی اللہ عنہ واحمد و بیہقی عن ثوبان رضی اللہ عنہ)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کی سفارش کرے اور وہ اسے کچھ بدیہ دے اور یہ قبول کرے تو وہ سود کے درازوں میں سے ایک برحق بن گیا۔ (ابوداؤد عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ) حکام کا معاملہ علماء کے معاملہ سے مختلف ہے اور وہ یہ کہ۔

بدیہ علماء کے لئے جائز اور حکام کے لئے ناجائز

کرنہ جائز نہیں بلکہ یہ رشوت ہے جیسا کہ اکثر لوگ حکام کو ڈالی یا تحفہ اور گفٹ کے نام سے دیتے ہیں اور اس سے مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی معاملہ ہوگا تو ہماری رعایت کریں گے۔ اگر اس کی چیز واپس کر دی تو اسے تکلیف ہوگی تو وہ اس کی چیز کو سیکر اس کی مناسب قیمت دے دے۔ کم قیمت دیکر لینا بھی جائز نہیں اور اگر کوئی اس چیز کو رکھ کر چلا گیا اسے معلوم ہو سکا کہ وہ کون تھا تو اس چیز کو بیت المال اقویٰ خزانے میں بطور امانت داخل کر دے خود نہ رکھے جب دینے والا معلوم ہو جاتے تو اسے پس کر دے۔ اسی طرح حاکم کو رعیت سے قرض و عاریت لینا اور مفت کام کرنا بھی جائز نہیں۔ (در مختار مع اشانی ج ۵ ص ۷۷)

واعظ و مفتی و مدرس و امام و خطیب مسجد قبول کر سکتے ہیں (جبکہ یہ کسی محکمہ کے افسر نہ لگے ہوں ورنہ ان کے لئے بھی وہی مسئلہ ہے جو حاکم و افسر کے بارے میں گزرا اگر انہیں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کے علم و دین کا اعزاز ہے کسی چیز کی رشوت نہیں ہے۔ اگر مفتی کو فتوے کی رعایت کے لئے بدیہ دیا کہ وہ اس کے حسب خواہش ہی فتویٰ دے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو تو دنیا لینا دونوں حرام اور فتویٰ بتانے کی اجرت بھی حلال نہیں ہاں لکھنے کی اجرت لے سکتا ہے، فتاویٰ شامی میں ہے۔

وانما یحل علی الکتابۃ لانتہا اور فتویٰ لکھنے کی اجرت لے سکتا غیر واجبۃ علیہ۔ (شامی ج ۵ ص ۳۷۷) ہے کہ لکھنا اس پر شرعاً واجب نہیں اور یہ جو گزرا کہ شیخ یعقوب بن ابراہیم حدیث کی روایت پر ایک نیا راجرت لیتے تھے اس کا محمل یہ بھی ہو سکتا ہے یعنی کان رضی اللہ عنہ یاخذ الدینار علی تحدیث ذالک الحدیث کتابۃ لعلی نفس رواۃ الحدیث واللہ اعلم۔ نیز حکام و افسران کو ان کے جو رشتہ دار و احباب ان کے عہدہ سے بیشتر بدیہ کرتے تھے وہ اب بھی لے سکتے ہیں مگر معمول سابق سے زیادہ نہیں ہاں اگر بدیہ دینے والا اپنی اعتبار سے ترقی کر گیا ہے اور بدیہ میں اضافہ مالی فراوانی کی بنا پر ہے تو کل کے قبول کرینے میں حرج نہیں ہے کہ متصور خلاص ہے طبع نہیں ہے۔

خلاص عمل مانگنا گناہن کہن سے !

شاہان چہ عجب گر بنوا زند گدار !

رشوت کی تعریف و حکم

رشوت اس مال کو کہتے ہیں جسے ضرورت شخص اس شرط پر حکم کرے تاکہ وہ اس کے

حق میں فیصد دے یا کسی ایسے شخص کو اس شرط پر دے جو حاکم سے اس کا کام کر دے (الحاشیہ ج ۵ ص ۳۶۲)

اور اگر ایک شخص کسی کا کام بلا طمع کرے پھر وہ اسے کچھ دے تو اس کے لینے میں عرج نہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو کراہت منقول ہے وہ ان کے تقویٰ پر مبنی ہے (الحاشیہ ج ۵ ص ۳۶۲) یعنی یہ اگرچہ جائز ہے تاہم لینے والے کو اس سے پرہیز بہتر ہے۔

مجبوری و بے بسی میں شوت کا مسئلہ فقہار اسلام نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ ظالم و

جابر آدمی سے اپنی جان و عزت بچانے یا اپنا حق و رسول کرنے کے لئے بے بس و مجبور انسان شوت دینے پر گنہگار نہ ہوگا بلکہ اس کی بجائے شوت لینے والا ظالم ہی وہ ہر گناہ میں ملوث اور عذاب کا مستحق ہوگا۔ (فتح القدر شرح ہدایہ ج ۷ ص ۲۵۵)

ایک شب کا ازالہ جب حاکم کو پرہیز لینا جائز نہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت حاکم اعلیٰ کی بھی تھی تو آپ ہدیے در تحفے کیوں قبول فرماتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بنا برصمت و دعوت یا آپ کی خصوصیت ہے چنانچہ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

ومن خصوصية عليه الصلوة والسلام ان هذا اياه له مفاداة الله ليس للاعلام قبول الهدية. وإلا كوت كن من خصوصية. (دعوت)

کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حاکم ہونے کے باوجود ہبے جائز تھے دوسرے حاکم کے لئے نہیں (دہ یہ خصوصیت نہ رہے گی۔)

مع الشای ج ۵ ص ۳۶۲

غرضیکہ علماء کے مخالف بیت المال سے مقرر کیے جائیں گے اور سب مستحق کو کہ جن کے مخالف مقرر ہیں لینے کے بعد فاضل سرمایہ دیگر ضرورت مندوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کہیں قرض خواہ کو قرض کے طور پر اور کہیں مقرضوں کے قرض اتارنے ہیں۔ دقت علیٰ هذا کیونکہ سرمایہ کے ویسے پٹے رہنے سے اس کا ضرورت مندوں پر خرچ ہونا بہتر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل حضرت انس بن محمد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس آنے والے مال پر نہ دوپہر گزرنے دیتے تھے نہ رات۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۱۲)

دل بے نیاز بھی در سینه دارم!!
گدرا دہر شیوہ بادشاہے۔

کتاب الاموال ص ۴۱۲ میں اس روایت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال کو تقسیم فرماتے اور تحقیق تک پہنچانے میں عجلت سے کام لیتے تھے۔ اگر آپ کے پاس مال صبح پہنچتا تو آپ اسے دوپہر تک اپنے پاس نہ رہنے دیتے۔ اسی طرح اگر مال شام کے وقت آتا تو آپ رات سے پہلے سے تقسیم فرماتے تھے اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے پہنچا اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی نہ رہے، مگر یہ کہ مجھ پر فرض ہو اور اسے ادا کرنے کے لئے میں نے کچھ بچا لیا ہو۔

کہاں سے تو نے اسے اقبال سیکھی ہے یہ روٹی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بنیازی کا

حضرت جبرین مطعم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوہ خنین سے واپسی پر میں بھی اور لوگوں کے ساتھ آپ کے ساتھ جا رہا تھا کہ کچھ دیہاتی عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگتے اور آپ کے منگنے لگے۔ ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گزرتے ہوئے آپ کی چادر اس میں الجھ گئی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے میری چادر چھڑا دو، فرمایا اگر ان کیکر کے درختوں کے پتوں کے برابر بھی اونٹ یا مولیٰ شیشی ہوتے تو میں وہ بھی تم میں تقسیم کر دیتا اور تم دیکھ لیتے کہ میں نہ تو خیل ہوں اور نہ دروغ گو اور نہ ہی بزدل۔

(کتاب الموال ج ۱ ص ۴۱۳)

سبب ضرورت مندوں میں بانٹ دیا

صحیح ترمذی میں حضرت

عنه سے مروی ہے کہ انصار میں سے کچھ حاجت مند لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے مالی امداد کا سوال کیا، آپ نے انہیں حسب ضرورت عطا فرمایا انہوں نے پھر سوال کیا آپ نے عطا فرمایا صحیح میں ہے کہ یہاں تک کہ جو مال جمع تھا سب دیدیا اور کچھ بھی باقی نہ چھوڑا فرمایا مایکون عندی من خیر فلیک اذخه عنکم۔

یعنی جو مال میرے پاس ہوتا ہے اسے تم میں سے لوگ کر جمع کر کے نہیں رکھنا (ترمذی

ج ۲ ص ۱۶۳)

اس حدیث کی شرح میں امام عینی لکھتے ہیں۔ أَنَّ السُّلْطَانَ إِذَا عَلِمَ حَاجَةَ

لأَحدٍ أَلَى الْمَالِ لَا يَجْعَلُ لَهُ أَنْ يُدْخِرَ مِنْهُ شَيْئًا (عمدة القاری شرح بخاری ج ۴ ص ۴۰)

ص ۱۶۲) یعنی حاکم کو جب ہے تو اسے جائز نہیں کہ وہ مال کو اس سے روک رکھے بلکہ قومی خزانے سے اس کی حاجت رفع کرنا اس کا فرض ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول و فعل سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ بیت المال اس کے خزانہ ملک قوم کی امانت ہے۔ عمدة القاری میں ہے۔ ان للمسلمین حضانی بیت المال یعنی بیت قومی خزانہ میں عوام کا حق ہے جسے وہ ضرورت کے وقت حکومت سے لے سکتے ہیں (عمدة القاری ج ۹ ص ۵۳)۔

مملکت کا سربراہ اور امیر ملک اسے مفاد عامہ کے لئے ہی مصرف میں لانے کا ذمہ دار ہے اسے اس بات کی اجازت ہرگز نہیں کہ بیت المال یا قومی خزانے کو نفیس پرستی اور اقربا پروری کا ذریعہ بنانے اس سلسلے میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ملاحظہ فرمائیے جو اپنے درس عبرت کے طور پر ہمارے لئے چھوٹی ہے۔

امام ابن
جریر طبری

فَارُوقٌ عَظِيمُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَأْتِيهِ قَوْمٌ قَرِيبٌ رِشْتَةٌ دَارَ سَيْدَتِهِ تَأْتُوهُ

اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک قریبی رشتہ دار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ مانگا، آپ نے اسے انٹ ڈپرٹ کر کے نکال دیا کسی نے آپ سے عرض کی۔

يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَلَا تَسْأَلْ كَرِيَامَ الْمُؤْمِنِينَ أَيْ كَيْفَ فَلَا تَقْرَبِي شَيْئًا

فَدُبرْتَهُ وَأَخْرَجَتْهُ فَقَالَ

أَنَّهُ سَأَلَنِي مِنْ مَالِ اللَّهِ فَمَا

مَعْدُودِي إِنَّ لِقَبِيضَتِهِ مَدِيحًا

خَائِفًا فَلَوْلَا سَأَلَنِي مِنْ مَالِ

فرمایا اس نے مجھ سے خدا کے مال (قومی سرکاری خزانے) سے مانگا تھا تو اگر میں خیانت پسند حکمران خدا کے حضور پیش ہوا تو میرے پاس کیا

قَالَ فَارْسَلِ الْيَهُودَ بِعَشْرَةِ اَلْفٍ عَدُوٍّ هُوَ كَا؟ هَاں ! وَهُ مِرْزَةُ اَقْبَالِ

(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۱۹)

سوال کرتا تو میں اسے کچھ ضرور دیتا۔ پھر اپنے اپنے ذاتی مال سے دس ہزار کی رقم اس کے پاس بھیج دی۔

اس واقعہ و روایت میں تین باتیں قابل تقلید ہیں، ایک کہ سربراہ مملکت ایک ایسی شخصیت ہی ہونی چاہیے جس کا دل و دماغ قرآن و سنت اور فقہ اسلام کے نور سے منور و خوفِ خدا سے بھرپور ہوتا کہ امور مملکت میں اس کا ہر اقدام و تصرف خدا اور رسول جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اور دیانت و امانت پر مبنی ہو و دوسری یہ کہ وہ خلیفہ و نبی کی وصف مذکور سے بھی منزہ و پاک ہو، تیسری یہ کہ قومی اور ملی مفاد کے تحفظ کے لئے اپنے اور پرانے سب کے لئے سختی اور درستی کی ضرورت ہے۔

حفاظتِ مچھول کی ممکن نہیں ہے

اگر کاٹنے میں ہو خوئے حریری

قومی غرانہ جسے اسلامی فقہ میں بیت المال کہنا چاہیے قوم کے لئے ہے۔ سربراہ مملکت کو نہ صرف اس حقیقت کا علم ہونا ضروری ہے بلکہ اسے اس بات کا نگر بھی دامن گیر ہونا چاہیے کہ ملک کے عوام اس کے ہوتے ہوئے معاشی مصائب میں مبتلا نہ ہونے پائیں اس سلسلے میں سیرتِ فاروقی کی ایک اور روایت قابل تقلید ہے۔

سیدنا عمارق رضی اللہ عنہ کا ایک فر عورت کی امداد کو پہنچانے کا بیان

طبری اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں ایک مرتبہ سیدنا عمارق رضی اللہ عنہ رات کے وقت حسب معمول گشت پر تھے اور حضرت اسلم رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے کچھ

دور آگ جلتی دیکھی حضرت اسلم سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات اور سبزی کی دہرے وہاں کوئی سافر ٹھہرنے پر مجبور ہوا ہے۔ آپ نے چل کر اس کی خبر لیں، چنانچہ ہم تیز تیز چلتے ہوئے وہاں جا کر دیکھا، تو وہ ایک عورت تھی (جس نے ایک خیمہ میں پناہ لے رکھی تھی اس کے چہرہ کچھ بچے تھے۔ اس نے ہانڈی آگ پر چڑھا رکھی تھی اور بچے بھوک سے بلک رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ عَلِيكَ يَا اَصْحَابَ الصُّوَرِ

یا اَصْحَابَ النَّارِ کہنا پسند نہ فرمایا کہ قرآن میں اصحابِ نار دو چیزیں کر کہا گیا ہے عورت نے سلام کا جواب دیا، آپ نے زبیا کر کیا میں قریب آسکتا ہوں۔ اس نے کہا ہاں بھلائی کا ارادہ ہے تو آسکتے ہو۔ ورنہ نہیں۔ آپ نے قریب ہو کر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا رات کو سردی سے مجبور ہو کر ہمیں یہاں ٹھہرنا پڑا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ بچے کیوں بلک رہے ہیں؟ کہنے لگی بھوک سے۔ آپ نے پوچھا اِنِّیْ شَیْئٌ فِیْ هٰذَا الْقَدْرِ کہ اس ہانڈی میں کیا ہے؟ قَالَتْ مَاءٌ اَسْكَتْهُمْ بَلَدٌ حَتّٰی یُنَامُوْا اَللّٰهُمَّ اٰمِنًا وَبَیْنَ عَمَدٍ بُولٰی کہ اس میں پانی ہے اس پانی میں بچوں کو بہلا کر انہیں خاموش کر رکھا ہے تاکہ وہ سو جائیں اور ہمارے اور عمر کے درمیان اللہ ہی نیصلہ کر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔ عمر کو تہاں کی علم؟ بولی کہ وہ ہمارا والی ہو کر ہم سے بے خبر ہے۔ آپ ہاں سے جلدی سے اٹھے اور اسلم کو ساتھ لے کر بیت المال تشریف لائے اور وہاں سے کٹے کی بوری لگھی کاٹیں اور دوسری ضروریات کی چیزیں لیں اور اسلم کہتے: مجھے فرمایا کہ یہ سامان میری پیٹھ پر رکھ دو۔ میں نے امر کیا کہ نہیں میں اٹھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا انت تعیند عقی وری یوم القیامۃ کہ روز قیامت میری کوتاہی کا بوجھ تم ہی اٹھاؤ گے۔ آخر میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ سامان آپ کی پیٹھ پر رکھ دیا اور ہم تیز تیز

پہلے ہوئے ہاں پہنچے۔ آپ نے اس بوری وغیرہ کو عورت کے پاس جا کر اتار دیا اور کچھ آٹا نکال کر اسے گوندھ دیا اور عورت سے فرمایا کہ تم مجھے آٹے کے پیڑے بنا بنا کر دیتی جاؤ اور میں روڈ پر آٹا ہاؤں۔ چنانچہ روڈ پر گئی پھر آپ نے ہانڈی آگ پر رکھ دی۔

وَجَعَلَ يَنْفُخُ نَفْحَتِ الْقُدْرَةِ وَكَانَ
ذَ الْخَيْرِ تَهْ عَظِيمَةً فَجَعَلَتْ أَنْظَرُ إِلَى اللَّهِ
مِنْ تَخْلِكِ لِحَيْبَةٍ (تاریخ الطبری)
اور گھنٹی تھی میں دھو میں کو آپ کی دھو
کے پیچ سے نکلتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

یہاں تک کہ سالن تیار ہو گیا تو آپ نے ہانڈی نیچے اتار لی اور عورت سے فرمایا پیالے دو اس نے پیالے دیے۔ آپ پیالوں میں سالن ڈال ڈال کر عورت کو اور اس کے بچوں کو روٹی پکوانے کے یہاں تک کہ انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا اور آپ نے ان کے لئے بستر لگا دیے پھر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے عورت آپ کو بے ساختہ دعائیں دینے اور کہنے لگی۔

بِحَوْلِكَ اللَّهُ خَيْرٌ أَنْتَ أَوْلَى
بِهَذَا الْأَمْرِ مِنْ أَسِيرِ الْمُشْرِكِينَ
خدا تعالیٰ آپ کو ہر چیز سے خیر دے ایمر
المومنین کی بہ نسبت آپ ہی خلافت کے
نزدادہ لائق ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ دعا دیجیے۔ تم جب امیر المومنین کے پاس آؤ گی تو اشارہ اللہ تم مجھے ہاں پاؤ گی۔ حضرت اسلم فرماتے ہیں کہ میں آپ سے کہتا تھا کہ آپ کی بڑی شان ہے آپ مجھ سے کوئی بات نہ فرماتے اور خاموشی سے بیٹھ رہے پھر اس عورت کے سچے آپس میں کشتی کرنے لگیں اور ہنسنے لگیں اور پھر آرام سے سو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور مجھ سے فرمایا کہ اے اسلم سچے بھوک سے بیدار تھے اور روتے

تھے مجھے انہیں اس طرح آرام و سکون اور خوشی میں دیکھ کر بغیر جاننا پسند نہ تھا۔ پھر ہم وہاں سے سبکدوش ہوئے اور واپس آ گئے۔

حدیث بندہ مومن دل آویز

جاگر پرخوں، نفس روشن، نگہ تیر

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس طرح کے کسی ایک مثالی واقعات و روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کی ذمہ داری کس قدر ہے اور اسے عوام کی معاشی تکلیف کا احساس کس قدر ہونا چاہیئے اور یہ کہ قومی خزانے میں عوام کا کس قدر حق ہے۔ افسوس کہ آج کے حکمران انہیں کھولیں اور زبان پر ہمدردی کے اظہار کی بجائے عوام کی صحیح خدمت کریں اور اس احساس و ادراک کو اپنے اندر پھر سے پیدا کریں جو ہمارے اسلاف میں کارفرما تھا۔

آتی ہے صبح دم صدا عرش بریں سے

کھویا گیا کس طرح تیرا جوہر ادراک ؟

امام ابن جریر طبری
رحمۃ اللہ علیہ متوفی
۳۱۰ھ اپنی مشہور

فرائض کما ہے پر اگر کوئی اونٹ بھوک

سے مر جائے تو عمر اس کا بھی جوابدہ ہوگا

تاریخ الطبری میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ

وَاللَّهِ إِنْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بَالِغِي
كُوَأَنَّ جَعَلَ هَذَا ضَيْعًا بَشِطَ
الْعُرَاتِ خَشِيَتْ أَنْ يَسْأَلَ اللَّهَ
اس فداے برتر کی قسم جس نے
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ
بیجا اگر ایک اونٹ دریائے فوات کے کنارے

واقعی میں سخت مشکل میں ہوں، میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر لے گئے جہاں میں نے اوپر تلے بہت سی تھیلیاں رکھی دیکھیں۔ پھر اپنے فرمایا یہ ہے وہ مقام جہاں اللہ کی نظریں اکل خطاب کو آزمایا جا رہا ہے۔ اللہ کی قسم اگر ہم سخاوت کرتے ہوئے اسے تقسیم کر دیں، تو میرے سامنے میرے دو پیشرو بزرگوں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی مثال مجھے نہیں ملے گی میرے لئے اس طرح کا قابل تقلید نمونہ چھوڑا ہے۔ میں نے عرض کی: اے امیر المومنین! ہم مل کر اس مسئلہ پر غور کریں۔ چنانچہ ہم بیٹھے گئے اور ہم نے ضرورت مندوں اور مستحقوں کی فہرستیں تیار کیں جس میں مدینہ والوں کے نام رکھے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے نام رکھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے نام رکھے، پھر دوسرے لوگوں کی فہرستیں بنائیں، اسی طرح ہم نے حساب لگایا تو لوگوں کے لئے دو دو دینار آئے، پھر ہم نے وہ سب کچھ ان فہرستوں کے مطابق تقسیم کر دیا (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۱۴/۴۱۵)۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ

سونے کے ڈھیر لاتا خیر تقسیم کر دیئے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوایا، جب میں حاضر ہوا تو میں نے ان کے سامنے بھوسہ کی طرح سونے کے ڈھیر بکھرے دیئے۔ آپ نے فرمایا: "اؤ لے اپنی قوم (مسلمان بھائیوں) میں تقسیم کر دو۔" اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے یہ دولت اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روک کر مجھے کیوں دی معلوم نہیں کہ اس میں میرے

لیے کوئی بھلائی ہے یا بُرائی؟ پھر میں نے فہرست کے مطابق لوگوں کو بلایا اور اس سونے کے تقسیم کرنے میں منہمک ہو گیا تو مجھے براؤ از بلند رونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں "قسم بخدا جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا یہ ناممکن ہے کہ اس نے یہ دولت اپنے نبی اور ابو بکر سے تو کسی بُرائی کے قصد سے روک لی ہو اور عمر کو یہ دولت کسی بھلائی کے لئے دی ہو" (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۱۴)۔

حضرت علی کا بیت المال میں جھاڑو پھیرنا

امام ابن المدائنی
مجمع سے روایت

کرتے ہیں انہوں نے کہا۔

اِنَّ عَلِيًّا كَانَ يَكْنُسُ بَيْتَ
الْمَالِ ثُمَّ يُصَلِّي فِيهِ رَجَاءً اَنْ
يَشْهَدَ لَهُ اَنْهُ لَمْ يَخْبُسْ فِيهِ
الْمَالُ عَنِ الْمُسْلِمِينَ۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال
میں موجود سارا مال مستحقین میں تقسیم کرنے
کے بعد وہاں جھاڑو پھیرتے پھر اس میں
اس امید پر نماز پڑھتے کہ یہ مجھ کو روز قیامت

اس بات کی گواہی دے کہ میں نے اس میں
مسلمانوں کی ضروریات سے روک کر کوئی مال نہیں رکھا ہوا۔

بیت المال کی فاضل دولت حضرت معاویہ تقسیم کر دی

عطیہ بن
قیس سے

مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے ہمارے سامنے تقریر فرمائی (اور وہ مال تقسیم کر رہے تھے) اتہا ہمارے بیت المال میں ان وظائف کے بعد (جو وظیفہ خوروں کو دیکر اپنا

رہتا ہے جو تم کو دیاجار ہا ہے۔ میں اس بچے ہوئے مال کو تمہارے سامنے تقسیم کر رہا ہوں، لیکن یاد رکھو۔ اگر آئندہ سال بچ گیا، تو وہ تم میں تقسیم ہوگا، نہ بچا، تو اس بار سے ہم نے راض نہ ہونا، کیونکہ یہ مال ہمارا تو ہے نہیں، یہ تو وہ ملکی دولت امانت ہے جو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (ہمارے پاس) بھیجتا ہے (کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۴۲)

ص ۱۴۲

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنھوں کے آتا ہے

حضرت عمر بن عبد العزیز
نے حضرت عبد الحمید بن

بیت المال کی فاضل دولت کے مصارف

عبد الرحمن کو جو عراق کے گورنر تھے، لکھا کہ لوگوں کو ان کے وظائف دے دو، اس کے جواب میں عبد الحمید نے لکھا کہ میں لوگوں کو ان کے وظائف دے چکا ہوں اور اس کے بعد بھی بیت المال میں مال بچا ہوا ہے۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے انہیں لکھا کہ اب ایسے لوگوں کو دیکھو جو مقروض ہوں، لیکن انہوں نے یہ قرضہ کسی فضول خرچی یا بے راہ رومی کے سلسلے میں نہ لیا ہو اور ان کے قرضہ جات بیت المال میں بچی ہوئی رقم سے ادا کر دو۔ اس پر انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو لکھا کہ میں نے ایسے مقروض افراد کے قرضے بھی ادا کر دیے ہیں، اب ہم بیت المال میں رقم بچی ہوئی ہے۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ اب ایسے کنواڑوں کو تلاش کرو جو نادار ہوں اور شادی کرنا چاہتے ہوں، تو تم ان کی شادی کرادو اور ان کے حق بہر بیت المال سے ادا کر دو۔ عبد الحمید نے لکھا کہ میں یہ بھی کر چکا ہوں،

پھر بھی بیت المال میں رقم بچ رہی ہے۔ آپ نے لکھا کہ اب ایسے ذمیوں (غیر مسلموں) کو تلاش کرو، جن پر جزیہ (ٹیکس) مقرر ہے اور وہ اپنی زمین کا انتظام کر سکیں، کیونکہ وہ مستقل ہمارے ملک کے باشندے ہیں، اس لئے ہمیں ان کی امداد و اعانت کا خیال رکھنا چاہیے (کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۴۵)۔

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوزِ پنہاں سے!

تیری تاریک اتوں میں چرغاں کر کے چھوڑوں گا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں مستحقین کے جو وظائف مقرر فرمائے تھے ان میں کمی نہ ہوگی، بلکہ حالات کے تحت جو کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں ان میں اضافہ کیا جائے گا، مگر کمی کا تو سوچا ہی نہیں جاسکتا۔ اس سلسلے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ملاحظہ ہو:

حضرت عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم

کم دینے والے کو بدعنوان

رضی اللہ عنہ ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

”ہم نے تمہارے لیے (خوراک سے متعلقہ) ماہانہ وظائف مقرر کر

دیے ہیں، پھر انہوں نے مدی اور قسط دوپہیانے لاکھ میں لے کر انہیں نمایاں کرتے ہوئے بلایا اور فرمایا جو مستحقین لوگوں کو اس مقررہ مقدار سے کم دے، خدا اسے ایسا اور ایسا کرے، یعنی کم دینے والے کو بدعنوانی“

(کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۴۱۰)

اسلامی مملکت کے سربراہ کو جو عوام سے ہمدردی ہونی چاہیے۔ اس روایت

سے اس کا اندازہ لگانا کوئی چنداں شکل نہیں، ان کی ہمدردی محض لفظی یا نمائشی نہیں
عملی ہوا کرتی تھی اور ان کی شفقت عامہ کا یہ عالم کہ جیسے باپ اپنی اولاد کے بیجا
سنگ کرنے والوں کو بددعا دینے پر طبعی لحاظ سے مجبور ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کی
زبان سے بھی بہت قاصدائے طبیعت بددعا سرزد ہو رہی ہے۔
یہ آگہی میری مجھے رکھتی ہے بے قرار
خواہیدہ اس شریر میں ہیں آنکھ سے ہزار

اسلام کے نظام معیشت میں اراضی و زراعت پر نظر

اراضی کی دو قسمیں ہیں | جب کوئی ملک فتح ہو تو ابتدائی طور پر
اس کی اراضی دو قسموں میں منقسم

پائی جاتی ہے :

- ۱۔ ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو اسے اسلامی فقہ میں ارض مباحہ کہتے ہیں۔
 - ۲۔ ایسی زمین جس کا کوئی خاص شخص مالک و متصرف ہو۔
- اب ہم اول الذکر اراضی پر کچھ فقہی بحث کرتے ہیں تاکہ اسلام کے نظام معیشت
میں اراضی سے متعلقہ مسائل خوب واضح ہو جائیں۔

ارض مباحہ کی قسمیں | ۱۔ وہ زمینیں ہیں جو آبادی کے قرب
میں واقع ہوں اور آبادی کی ضروریات

- کے لئے ہوں جن سے متعلقہ آبادی کے لوگ مشترکہ مفادات اٹھاتے ہیں جیسے سڑکیں
گلی کوچے، قبرستان، عید گاہ، چمراگاہ و تیر اندازی و گھوڑ دوڑ یا فوجی شق کے میدان
۲۔ وہ زمینیں جو آبادی کی ضروریات مشترکہ میں مصروف تھیں، مگر قابل زراعت

انتفاع ہیں، انہیں اراضی بیت المال کہتے ہیں۔

۳۔ پہاڑی اور سنگلاخ اور غیر آباد جنگلات کی زمینیں جو نہ تو کسی آبادی کی ضروریات میں مصروف ہوں اور نہ ہی سر دست انتفاع و کاشت کے قابل ہوں البتہ محنت و مشقت کے بعد اس قابل ہو سکتی ہوں۔ ایسی زمینوں کو فقہ کی اصطلاح میں ارض موات (غیر آباد) زمینیں کہتے ہیں۔ اول الذکر یعنی مباح زمینوں کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ انہیں امیر المومنین ایک سربراہ مملکت سے لے کر ایک عام آدمی تک کوئی بھی ان میں مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا، وہ جوں کی توں مفاد مشترکہ عامہ کے لئے وقف کی طرح مصروف ہوں گی۔

نمک وغیرہ کی کانوں اور تیل کے چشموں کا حکم

یا پٹرول کے چشموں کا حکم شرعی بھی یہی ہے کہ وہ کسی کے تصرف یا رکانہ کے متحمل نہیں بلکہ وہ رفاد عامہ کے لئے حکومت کی زیر نگرانی کام آئیں گے اور ان کی آمدنی ملکی مصارف اخراجات میں صرف ہوگی۔ اور امام ابو عبیدہ کتاب الاموال میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن حمال مازنی کی خواہش پر انہیں مارب کی زمینیں عطا فرمائیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نمک کی کانیں اور مفاد عامہ کی چیزیں ہیں تو آپ نے وہ واپس لے لیں کہ فرد کے مفاد سے مقدم ہے یہ اسلامی تہذیب تمدن اور اسلامی معیشت کا اس وقت کا نظام ہے جب پوری دنیا پر نفسی نفسی کا عالم طاری تھا اور قومی و اجتماعی مفاد کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا اور نہ ہی آج نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس کا صحیح تصور مل سکتا ہے ہاں اہل مغرب کی عقل عیار کے

ایسے بلند ہنگامے ضرور سننے میں آتے ہیں جن کے پس پردہ حقوق انسانی کا خون بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

جہاں مفر کے بتکدوں میں کھساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خورزیاں پھپھاتی ہے عقل عیار
شہانی الذکر یعنی اراضی مباحہ کا قسم شہانی جنہیں بیت المال کہا جاتا ہے اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

د۔ وہ زمینیں جو کسی علاقے کے فتح کے وقت کسی کی مملوک نہ تھیں۔
ب۔ وہ زمینیں جو اگرچہ شروع میں کسی کی مملوک تھیں مگر مالک لاوارث مر گیا۔
ج۔ مملوک مفتوحہ اراضی دیگر مال غنیمت کی طرح پانچ حصوں میں منقسم ہوگی اس کا پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے۔

د۔ کفار کی مملوک زمین جو جنگ کے ذریعے حاصل کی گئی جسے سربراہ مملکت غنیمت میں تقسیم کرنے کی بجائے ساری کی ساری بیت المال کے لئے چھوڑ دی۔

ه۔ یا امام اس میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کے لئے مخصوص کر دے۔

و۔ زمین کا مالک زمین چھوڑ کر بھاگ گیا اور غائب اور لاپتہ ہو گیا جس کا پیچھے کوئی وارث نہیں۔

ذ۔ معرکہ جنگ میں قتل ہونے والے لاوارث کی زمین ایسی اراضی بیت المال کی قرار پاتے گی۔

(فتاویٰ شامی و کتاب الاموال و بدائع صانع)

بیت المال کی اراضی کی آمدنی کا مصرف

دہی لوگ ہیں جن کے حقوق کا بیت المال کفیل ہے مثلاً یتیم، نادار، بیوا، مسافر، مریض، معذور، فوج، پولیس، علماء عدلیہ و انتظامیہ، رفادہ عامہ، مثلاً ذریعوں، نہروں کے پل، مساجد و مدارس، شفا خانوں اور خالق ہوں کی تعمیرات وغیرہ،

بیت المال کی اراضی میں سربراہ کے اختیارات

بیت المال کی اراضی میں سربراہ کے اختیارات
اموال بیت المال کی طرح سربراہ مملکت یعنی امام المسلمین یا امیر المومنین کی نگرانی اور مدداری میں رہے گی، انہیں امام المسلمین شریعت مطہرہ کی روشنی میں اپنی صوابدید کے مطابق کام میں لانے کے احکام نافذ کرے گا۔

منافع اٹھانے کی صورتیں

بیت المال کی زمینوں سے مندرجہ ذیل صورتوں میں فوائد اٹھائے جائیں گے۔

۱۔ قابلِ راحت اراضی میں جیتی باڑی کرائی جائے، خواہ حکومت اپنے وسائل سے کھیتی باڑی کرائے یا کاشت کاروں کو بیائی وغیرہ پر دے اور اس کی آمدنی بیت المال میں جمع کرائے اور اس کا قاعدہ حساب ہو جسے مملکت کا کوئی بھی ذمہ دار فرد چیک کر سکے۔

۲۔ سکنی جائیدادوں کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی بھی باضابطہ طور پر بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

۲۔ اگر ضرورت پڑ جائے، تو ان اراضی یا جائیدادوں کو فروخت کرے اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

۳۔ امام کی طرف سے ان کی اراضی یا جائیدادوں میں کچھ حسبِ ضرورت و صوابدید کسی ایسے شخص کو بخش کی جاسکتی ہیں جس نے ملک ملت اور اسلام کے لئے کوئی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہوں یا ایسے شخص کو جو فقر و فاقہ یا معذوری رکھتا ہو (ان مسائل کی مزید تفصیل کتاب الاموال کتاب الخراج وغیرہ میں موجود ہے)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک من بیت المال کے نمونے ہے امام المسلمین کو حق ہے کہ وہ اس میں سے حسبِ صوابدید کسی ایسے شخص کو جس کی اسلام کو ضرورت ہو زمین کا کوٹرا بخش دے، جب کہ وہ یہ سمجھے کہ ایسا کرنا اسلام و مسلمانوں کے حق میں مفید ہے، پھر فرماتے ہیں۔

ولا اذى ان يترك ارضا
ملك لا يحد فيها ولا عماره حتى
يقطعها الامام فان ذلك اعمر
للبلاء واكثر للخيراج۔
(کتاب الاموال ج ۱ صفحہ ۶۱)

کہ میں جائز نہیں سمجھتا کہ غیر مملوک ملک لحد بنیاد میں عمارت نہ بنائے اور اس سے خدا کی زمین آباد ہوگی اور آمدنی بکثرت ہوگی۔

ہمارے ملک کا وسیع و عریض معتد بہ حصہ ویران پڑا ہے اس کی آبادی کی طرف توجہ کرنیکی شدید ضرورت ہے اسے آباد کرنے سے انشاء اللہ ہماری معاشی تکالیف کا کافی حد تک ازالہ ہو جائے گا

وسعتِ عالم میں رہ پیمائشِ آفتاب
دامنِ گردوں سے ناپید ہوں یہ رخِ نوحاب

ارضی مباحہ غیر مملوکہ کے
تیسرے قسم کو ارض موات

ارض موات (غیر آباد اکا مسئلہ)

یعنی غیر آباد زمین کہتے ہیں اس کے بارے میں شریعت، سبامیرہ فیصلہ یہ ہے کہ
سرواہ مملکت یعنی حکومت اسے اجازت لے کر جو چاہے آباد کرے وہ اس کا
مالک سمجھا جائیگا۔

کا یہی مطلب ہے

جو زمین آباد کرنے وہی اس کا مالک ہے

کر جو شخص سرکاری

یعنی بیت المال کی غیر آباد زمینوں کو سربراہ مملکت (حکومت) سے اجازت لے
کر آباد کرے وہ اس کا مالک ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ أَخْرَجَ أَرْضًا مَبِيتَةً فَبِهِ لَهَا
(الجامع الصغير سیوطی ج ۱ ص ۱۶) کو آباد کیا وہ اس کی ہوگی۔

اور آباد کاری کے اسی تین سال کی اجازت دی جائے گی۔ اگر اس مدت میں آباد نہ
کر سکا تو اس نے اسے دی جائے گی جو اسے آباد کرے گا اور اگر کچھ آباد کر سکا
اور کچھ نہیں تو آباد کو اس کے پاس رہنے دیا جائے گا اور غیر آباد کو واپس لے کر وہ
دوسرے بے زمین خواہش مند کو دی جائے گی، چنانچہ کتاب الخراج میں مروی ہے:

مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ تَتَرَكُ

تَرَكَهَا ثَلَاثَ سِنِينَ فَلَمْ يُعْمَرْهَا

فَعَمَّرَهَا قَوْمٌ آخَرُونَ فَهُمْ أَحَقُّ

بِهَا وَفِي رَوَايَةٍ لَيْسَ يُسَخَّرُ حَقُّ

أُسْءَلُهَا كَمَا أُسْءَلُهَا تَوَهُبُهَا اس کے حق دار ہیں

بَعْدَ ثَلَاثَ سِنِينَ (ص ۶۱، ۶۵)۔
اور تین سال کے بعد زمین کو غیر آباد حالت
میں رکھ کر رکھنے والے کا کوئی حق نہیں (یعنی اسے تین سال سے آمد مہلت نہیں دی
جائے گی۔)

زمین کو آباد کرنا
ضروری ہے۔

زمین کو آباد کرنا ضروری ہے خود کرے یا کرائے

خود کرے یا کسی دوسرے سے آباد کرائے چنانچہ کتاب الخراج میں ہے۔ يَزِدُّهَا اَوْ يَزِيحُ
اَرْضًا مَبِيتَةً (ص ۶۵) کہ خود کاشت کرے یا مزارعت پر کاشت کو دے
(و ایضاً رواہ السنائی وغیرہ) زمین جب تک آباد کی جا رہی ہے اسے اسے پس نہیں لیا
جا سکتا جب کہ امام المسلمین نے زمین ہی کی تملیک کر دی ہو۔ صرف منافع کی نہیں
یعنی صرف تمعیغ نہ دی بلکہ تملیک دی ہو۔ پھر مالک زمین اس میں ہر طرح کے تصرف کا
مجاز ہوگا۔ بیع، بیع وغیرہ اور اس میں وارثت بھی جاری ہوگی اور اگر زمین کی بجائے
صرف زمین سے منافع اٹھانے کی اجازت دی گئی تھی تو یہ اجازت بوقت ضرورت و
مصلحت منوع کر کے اس سے زمین واپس لی جاسکتی ہے جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز
رضی اللہ عنہ نے حکومت پر متمکن ہو کر کیا تھا۔

اسلامی نظام معیشت ایک ایسا نظام ہے

ذاتی ملکیت کا مسئلہ

جو ہر طرح کے افراط و تفریط سے پاک ہے

یہ ایک معتدل راستہ ہے اسلام شخصی اور ذاتی ملکیت کو حقوق انسانی میں سے ایک اہم
حق تصور کرتا ہے اور کسی شخص یا پارٹی اور حکومت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا
کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ و ان کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا
أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبُطْلِ إِلَّا
أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ
مِنْكُمْ (الآية)

اسلام میں جائز طریقے سے تجارت اور
سرمایہ کاری کی اجازت ہے

دیتا ہے یعنی اسلام کے نظام معیشت میں ہر شخص اسلام کے اصول تجارت کے مطابق
تجارت میں ترقی کر کے سرمایہ حاصل کر سکتا ہے مگر اس اندیشے سے کہیں لامحدود سرمایہ کسی
شخص احمد کے ہاتھوں میں متمرکز ہو کر عوام الناس کے مفاد عامہ کو متاثر نہ کرے اس پر زکوٰۃ و
صدقات ایسے عوامی حقوق قائم کر دیے جن کی ادائیگی کے بعد ایک فرد یا چند افراد کے ہاتھوں
میں لامحدود سرمایہ دولت جمع نہیں ہو سکتی اور نہ ہی مطلق العنان سرمایہ داری کی نوبت
آتی ہے۔

اس آیت تحریر میں باہمی رضامندی کے سوا ایک دوسرے کے مال کی ممانعت
کوئی گئی ہے اور ممانعت میں چوری خیانت، غصب (زبردستی چھین لینا) جوا او
سو وغیرہ شامل ہیں (تفسیر خزائن العرفان ص ۱۲۶)

بلکہ ان حقوق کی ادائیگی نے دولت میں تحریک گردش کا عمل جاری رہتا ہے جس سے
امیر ہوں یا غریب سب مستفید ہوتے رہتے ہیں اس لئے تاجرن کو بیرون ملک سے مال
درآمد کرنے اور اندرون ملک سے بیرون ملک مال درآمد کرنے کی بھی عام اجازت ہے اس

یہ اسلام میں لائسنس پر کسی پارٹی یا فرو کی اجارہ داری قابلِ برداشت نہیں مگر ملک
سے باہر مال درآمد کرنے کی اجازت اس وقت زدی جائے گی جب کہ ملک کے صارفین
ضرورت مندوں پر ہنگامی کے مسلط ہونے کا اندیشہ ہو اور نہ ہی باہر سے مال درآمد کرنے
کی کسی ایسی صورت کو برداشت کیا جاسکتا ہے جس سے ملک سرمایہ بیرون ملک چلا جائے
اور ہم غیر ملکیوں کی امداد و اعانت کے محتاج ہو جائیں۔ آج یہ بات تجربہ میں آچکی
ہے کہ بڑی طاقتیں غریب ملکوں کو لین دین کے ذریعے اپنی غلامی میں جکڑ لیتی ہیں اور ان
پر اپنے نظریات مسلط کیے بغیر نہیں رہتیں اور یہ صورت حال ایک مسلمان ملک کے لئے
قابلِ برداشت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس سے بالواسطہ اسلام کی عظمت و سر بلندی پر
بڑا اثر پڑ سکتا ہے۔

وہی مال ہے تیرے لئے ارجح
ہے جس سے دنیا میں سر بلند

غریبوں کا ہمد و اسلام
غریبوں کا صحیح اور سچا ہمد و اسلام
ہی ہے غریبوں کی ہمد و دنیا کے تقاضے

پورے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ داروں اور دولت مندوں سے زکوٰۃ و صدقات
اور عشر وغیرہ ایسے مایہ وصول کر کے معاشرہ کے مفلسوں کو مال اور غریب متحق افراد میں
موزع جائیں تاکہ معاشرہ میں خوشحالی کا دور دورہ ہو اور انشاء اللہ اس سے ہمارے
ملک کا معاشرہ اضطراب و بے چین کے بھنور سے بخوبی نکل آئے گا۔ نیز چھان بین اور صحیح
تحقیق کی جائے اور پتہ چلا جائے کہ تقسیم ہند سے قبل انگریزوں نے اپنے پاؤں جملنے
اور اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے جن جن لوگوں کو جاگیریں بخشیں اور ان کی فادازیاں

حاصل کیں اور انہیں اپنے مخصوص خطابات سے نوازا۔ پھر پاکستان بننے کے بعد انہوں نے زمینوں اور وڈیروں کی حیثیت سے غریبوں کا استحصال کیا۔ ان کی وہ جاگیریں واپس لی جائیں اور مستحقین میں تقسیم کی جائیں، کیونکہ ایسے جاگیردار اب بھی نہ صرف غریبوں کو اپنا غلام بناتے ہوئے ہیں، بلکہ اسلام کے نظام کے نفاذ میں بھی حائل بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اس کی زد میں ایسے لوگ نہ آئے ہیں جو اپنے جائز ذرائع سے کمایا ہوا جدادے وراثت میں زمینوں کے مالک چلے آ رہے ہیں، کیونکہ ایسے لوگوں کی زمینوں پر ان کی مرضی کے بغیر قبضہ کرنا سخت ممنوع ہے۔

کسی کی جائز کمائی پر ناجائز قبضہ کا مسئلہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ

بِغَيْرِهَا بِالْبَاطِلِ یعنی ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ ہتھیانا۔ حدیث شریف میں ہے :

مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِنْ أَرْضٍ بِغَيْرِ سَبَبٍ حَلَوَقِهِ مِنْ بَيْعِ أَهْلِهِ
جس نے کسی کی باشت بھر زمین پر بھی ناجائز قبضہ کیا وہاں سے ساتویں میں تک کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔
(کتاب الخراج ص ۱۶۲)

صحیح بخاری میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بَعْدَ حَقِّهِ خَسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ
کہ جس نے کسی کی زمین ناحق قبضہ نہیں لی اسے قیامت کے روز ساتویں زمین

أَرْضِيَّتِ (الجامع الصغير ج ۲ ص ۱۱۹) تک ہٹا دیا جائے گا۔

اس کی شرح سراج منیر میں ہے :

أَيُّ يُعْقَلُ كَالطُّوقِ فِي عَقْدِهِ
یعنی واقعی طور پر زمین کو طوق کی طرح کر کے اس کے گلے میں ڈالاجائے گا اور اس کی گردن کو اس قدر لمبا کیا جائے گا کہ اس میں زمین کا طوق پڑ سکے یا زمین کے غضب کا گناہ طوق کی صورت میں اس کے گلے میں ڈالاجائے گا۔
(سراج منیر ج ۳ ص ۲۲۲)

قومی ملکیت کی اصطلاح بے معنی ہے

اسلام کی نظر میں قومی ملکیت کی اصطلاح بے معنی ہے، کیونکہ کسی شے کا مجموعہ یا کل اس کے افراد و اجزاء کے ہی تابع ہوتا ہے۔ جب تمام افراد کو سچی ملکیت سے محروم کر دیا جائے تو ان کا مجموعہ کیا چیز ہے جو تمام اہلک کا مالک کہلاتا ہے جب افراد محروم ہو گئے تو ان کا مجموعہ بھی محروم ہو گیا اس اصطلاح میں فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کے برعکس سرکاری ملکیت ایک اصطلاح معقول ہے۔ قومی ملکیت سرکاری کی عجیب و غریب بے معنی اصطلاح ہے۔ سابقہ حکومت نے لوگوں کے نجی تجارتی ادارے ان سے چھین لئے۔ پھر کسی کو تو معاوضہ دینے کا اعلان کیا اور کہا گیا کہ چونکہ ان کے ادارے سرکاری تحویل میں لئے گئے ہیں۔ اس سے تمہیں معاوضہ ملے گا اور کسی کو معاوضہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا گیا کہ چونکہ ان کے ادارے قومی تحویل میں لئے گئے ہیں اس لیے انہیں معاوضہ نہیں ملے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان اداروں کی نہ تو سرکار مالک قرار پائی

اور نہ ہی سابقہ مالکان، تو کون مالک ہوا؟

اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

تحدید ملکیت

اسلام نہ تو سرمایہ داری کی طرح بے لگام ملکیت کی اجازت دیتا ہے کہ جائز و ناجائز ہر ذریعے سے دولت کمائی جائے اور جہاں دل چاہے اسے خرچ کیا جائے، بلکہ اسلام سرمایہ جمع کرنے پر دو طرح کی پابندی عائد کرتا ہے ایک یہ کہ ذرائع اور وسائل آمدنی جائز ہوں جن سے کسی کا استیصال لازم نہ آئے اور خدا و مصطفیٰ اجل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مطابق ہوں اور دوسرے یہ کہ اس سرمایہ کا مصرف صحیح ہو یعنی اس سرمایہ کو خدمت اسلام و اعانت مستحقین اور اپنی ضروریات میں صرف کیا جائے جس کی بحث گزر چکی اور نہ ہی اشتراکی اور سوشلسٹ نظام کی طرح شخصی و انفرادی ملکیت کو ممنوع قرار دیتا ہے اور اہل دولت کو زکوٰۃ و صدقات اور توریث ایسے حکام و قوانین کے نظام عمل کا پابند کرتا ہے جس سے معاشرہ ہمہ گیر سطح پر استیصال کا شکار ہونے کی بجائے مکمل طور پر خوشحال اور فارغ بالی کی نعمت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ نظام زکوٰۃ اور نظام وراثت معاشرہ کی خوشحالی کی ضمانت اور تحدید ملکیت کا قدرتی ذریعہ ہیں، بالخصوص نظام وراثت جب کسی سرمایہ دار کے مرنے کے بعد عمل میں آتا ہے تو اس نظام عمل سے اس کی جائیداد منقسم ہو کر متعدد ہاتھوں میں چلی جاتی ہے جس سے اس کے خاندان کے بہت سے مفلس محتاج خوشحال ہو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ و توریث نظام عمل تحدید ملکیت کا منطقی و قدرتی اور نہایت ہی کامیاب نظام ہے، اس کے مقابلے میں انسان کے بنائے ہوئے تجدیدی قوانین غیر منطقی اور غیر موثر ثابت ہوتے ہیں، لہذا اس کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت

باقی نہیں رہتی۔

نظام وراثت

ہمارے ملک کے تقریباً نوے فیصد مسلمان نظام وراثت سے گریزاں اور سختی وارثوں کے استیصال کا عمل اختیار کرتے ہوئے اور سب زیادہ استیصال بیپاری لڑکیوں کا ہو رہا ہے۔ لڑکی کے ماں باپ استیصال پر مبنی ظالمانہ رواج کی آڑ لے کر جہاں لڑکیوں کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں، اور ان کا دل دکھاتے ہیں، وہاں مسلمان کہلانے کے باوجود عملی طور پر خداوند قدوس کے احکام وراثت سے کفر و انکار کر کے اپنی قبر میں اگ بھرتے ہیں۔

آہ یہ قوم نجیب چرب ست و ترو باغ
ہے کہاں روز مکافات اے خدا سے دار و گیر؟

(امامی کتاب الموال) سے

دعغم دیگر بسوزد و دیگر اں را بسوزد!
گفتمت روشن حدیثے، اگر توانی دار گوش

اور اگر وہ لوگ مسلمان نہ ہوتے ہوں، تو صلح نامہ میں فقیہین کے درمیان ان بیمنوں کے بارے میں جو معاہدہ طے پائے گا، اس پر عمل درآمد ضروری ہوگا اور دیگر صورتوں کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

محمد تقی امینی کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولوی محمد تقی امینی ناظم
دینیات مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ ذاتی ملکیت کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

جن لوگوں نے اسلام کے نام پر موجود دور کی انفرادی ملکیت پر اصرار

کیا ہے وہ دراصل اس وقت کے اسلام کی نمائندگی کر رہے ہیں، جب کہ مسلمانوں میں ذاتی منفعت و حصول اقتدار خود مقصد بن گیا تھا، اس بنا پر ان کی بات زیادہ توجہ کے لائق نہیں ہے۔ (احکام شرعیہ ص ۲۱۳)

محمد تقی صاحب اُتی ملکیت ختم کرنے کے لیے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ذاتی ملکیت کے خلاف پہلے سے ایک نظریہ قائم کر لیا ہے۔ پھر اس نظریے میں دلائل لاتے چلے گئے، پھر سرے سے ہی یہ نظریہ غلط اور سوشلسٹ و اشتراکیت نواز حضرات کا اثر ہے جو ایمنی صاحب پر چھایا ہوا ہے جس کی تائید میں انہیں صحیح دلائل پیش نہ آ سکے اس لئے انہوں نے بعض اکابر کی عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی

سر دیں ادراک میں آتا نہیں
کس طرح آئے قیامت کا یقین

ارضی مفتوحہ کی دوسری قسم | مفتوحہ زمینوں کی دوسری قسم وہ ہے جو فتح کے وقت کسی کی ملکیت نہ

تصرف میں ہو۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ:

وہ صلح و امن کے ساتھ فتح ہو اور ان کے باشندے مسلمان ہو جائیں تو وہ زمینیں بدستور ان کے تصرف میں رہیں گی، امام المسلمین یا کوئی دوسرا کسی طرح کا ان میں دخل نہیں دے سکتا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ
حَتَّى يَنْتَهِدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا
كَمْ مَلِكٌ هُوَ أَمْرٌ لَكُمْ لَوْ كُنْتُمْ سَوَاءٌ
يَهَانَ كَمْ كَرِهَ الْوَأَهَى دِينَ كَرِهَ اللَّهُ تَعَالَى كَمْ

اللَّهُ قَاتِلَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ
وَيَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ
فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا
مِنْ غِيٍّ وَمَاءٍ هَوٍّ وَأَمْوَالِهِمْ
إِلَّا بِحَقِّ الْأَسْلَافِ وَحِبَابِهِمْ
عَلَى اللَّهِ (متفق علیہ)

سوا کوئی معبود نہیں اور بلا شک محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز پنچگانہ قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، جب وہ یہ کریں تو ان کے جان و مال میری طرف سے محفوظ ہو گئے، مگر اسلام کے حق (قصاص و حدود میں) ان کا مواخذہ ہوگا اور (ان کے باطن) کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

مدینہ منورہ کے انصار چونکہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی اراضی کے ساتھ بھی یہی کیا کہ جو زمین جس کے پاس تھی، اس کے پاس رہی۔ البتہ انصار نے خوش دلی سے وہ زمینیں حضور کے حوالے کر دیں۔ جہاں پانی نہیں پہنچتا تھا، تو اپنے بعض صحابہ کو ان زمینوں کی جاگیر بخش فرمادی تاکہ وہ آباد کر کے ان سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور ان کے ذریعے سے دیگر مخلوق بھی۔

اس کتاب میں بہت سے غلط مفروضے قائم کئے گئے ہیں اور بعض مسائل میں مصنف زبردست غلط فہمیوں کا شکار ہوئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ شہرت ہم ذاتی ملکیت کے بارے میں ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:

”حکومت جس کی زمین و جائیداد پر چاہے قبضہ کر کے اسے قومی سرکاری تحویل میں لے سکتی ہے۔“

اس سلسلے میں موصوف کا وہی نظریہ ہے کہ جو زمانہ حال کے سوشلسٹوں اور اشتراکیوں کا ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے بعض موجودہ زمانے کے مصنفین کی عبارات

پیش کی ہیں جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس نظریے کے لوگ ہیں، ممکن ہے کہ وہ بھی سوشلسٹ ذہنیت کے لوگ ہوں، اس لئے ان کا حوالہ چند اہمیت نہیں رکھتا اور علامہ ابن حزم طابری کے حوالہ جات بھی ہیں۔ ابن حزم چونکہ بہت سے نظریات میں منفرد اور جمہور سے الگ ہیں، یہاں تک کہ اجماع کے بھی خلاف کر جاتے ہیں، اس لیے ان کی بات میں بھی کوئی وزن نہیں ہے یا کہا جاسکتا ہے کہ موصوف نے ان کی عبادات کا مفہوم بھی اسی طرح غلط سمجھا ہو گا جس طرح انہوں نے دوسرے محققین کی ان عبارات کا مفہوم غلط سمجھا جنہیں ہم عنقریب پیش کرنے والے ہیں۔ چنانچہ موصوف علامہ عینی کے حوالہ سے عبارت درج کرتے ہیں۔

إِنَّ حُكْمَ الْأَرْضِ حَقٌّ لِلَّهِ
الْأُمَامِ - پر ہے (حکومت جو چاہے کرے)

موصوف نے عینی کی یہ عبارت قطع برید کر کے اس قدر لکھ دی ہے جس سے ان کے انفرادی ملکیت کو ختم کرنے کے خود ساختہ نظریے کو تقویت مل سکے، کیونکہ موصوف کا یہ نظریہ عام اراضی کے بارے میں ہے، اگرچہ وہ کسی کی ملکیت میں ہو، جب کہ علامہ عینی کی اس عبارت کا تعلق صرف ان اراضی سے ہے جو کسی کی مملوک نہیں ہیں جیسے دیوں اور پہاڑوں وغیرہ کی غیر آباد اور غیر مملوک زمینیں۔ موصوف علامہ عینی کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہے ہیں۔ علامہ عینی کا مقصد یہ ہے کہ انہیں چرگاہ کے لئے مخصوص کرنے کا حق امام کو ہے یعنی ان زمینوں کا معاملہ بادشاہ یا حکومت کے سپرد ہے، وہ جس قدر چاہے اسی قدر بیت المال کے جانور دل کے لیے چرگاہ میں توسیع کے لئے عوام الناس کو وہاں جانور دل کے چرانے سے روک سکتی ہے، اگرچہ لوگ پہلے وہاں سے

فائدہ اٹھاتے چلے آ رہے ہوں۔

علامہ عینی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

وَأَمَّا يَحْيَى الْأَمَامَ مَا لَيْسَ
بِعِلَّةٍ لِأَخْبٍ مِثْلُ بَيْتُونِ الْأَوْثَانِ
وَالْعِبَالِ وَالْمَوَاتِ وَانْ
كَاتٍ يَنْتَفِعُ الْمُسْلِمُونَ
بِتِلْكَ الْمَوَاضِعِ فَمَنْ
فَعَلَهُمْ فِي حِمَايَةِ الْأُمَامِ
أَكْثَرَ قُلْتُ حَقَّ الْحَقِّ
لِللَّهِ وَرَسُولِهِ يَدَلُّ عَلَى

یعنی امام اس زمین کو چرگاہ ایسی
سرکاری ضروریات کے لیے لے سکتا ہے
جس کا کوئی مالک ہو جیسے دیوں کے
بیچ کی زمین اور پہاڑوں کی اور غیر آباد
غیر مملوک زمین اگرچہ ان مقامات سے عام
مسلمین مشترکہ فائدہ لے اٹھاتے ہوں، تو
ان کے مشترکہ منافع امام کی چرگاہ بنانے
میں زیادہ ہیں۔

ان حُكْمِ الْأَرْضِ حَقٌّ لِلَّهِ
الْأُمَامِ - میں کہتا ہوں بارگاہی عنوان الحی للہ
ورسولہ کو چرگاہ بنا نہ صرف خدا اور
رسول کا حق ہے کا معاملہ امام (حکومت)

کے سپرد ہے اور یہ کہ چرگاہ قرار دینا یا کسی
کو آباد کرنے کے لئے دینا، دونوں حکم اس
زمین سے متعلق ہیں جن کا کوئی مالک نہیں۔

اور امام قسطلانی ارشاد الباری شرح بخاری میں بھی یہی فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

وَأَمَّا يَحْيَى الْأَمَامَ مَا لَيْسَ
بِمَمْلُوكٍ لِحَقٍّ (ج ۳ ص ۲۰۶)

کہ حکومت اس زمین میں تصرف کر
سکتی ہے جو کسی کی ملکیت نہیں۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کا سلطان مصر کو لوگوں کی
زمینوں کو سرکاری تحویل میں لینے سے منع کرنا

ایک مرتبہ سلطان
مصر نے لوگوں
سے کہا کہ تم

لوگ اپنی اپنی زمینوں کی ملکیت کے کاغذ پیش کرو، ورنہ ہم تمہاری اراضی کو بریت المال
کے حق میں ضبط کر لیں گے۔ اس وقت کے بے نظیر عالم دین امام نووی علیہ الرحمۃ کو
معلوم ہوا تو آپ نے اس بادشاہ کے اس خیال کے خلاف آواز اٹھائی اور دلائل سے
ثابت کیا کہ اگرچہ کسی کے پاس ملکیت نامے نہ ہوں، مگر وہ پشت در پشت قابض
چلے آئے ہوں، وہ مالک ہی ہیں، ان سے زمینیں چھیننا ظلم اور ناجائز ہے تو بادشاہ
اس خیال سے باز آگیا۔ (اشامی ج ۴ ص ۱۸۱)

یہ اس صورت میں ہے کہ جب مذکورہ قابضین کسی دوسرے کی مملوکہ زمین پر غاصباً
طور پر قابض نہ ہوں جیسا کہ پہلے مدلل ہو چکا ہے۔ اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین پر
غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہو تو اس سے وہ زمین لے کر اصلی مالک کو واپس دی جائے گی۔

تقی امینی کی ایک اور خیانت
افسوس کہ شہسازم و اشتراکیت کے اہل
قلم پاکستان ایسی سرزمین میں کہ جسے
صرف پھلانے کے لئے قلم جیسی مقدس دیانت کا خون گھرنے اور اس عظیم امانت میں خیانت
کرنے سے بھی باز نہیں آئے، چنانچہ کتاب مذکورہ میں حکومت کے حق میں ہر قسم کے بے پناہ
اختیارات ثابت کئے ہوئے دیکھتے ہیں:

غرض حکومت اپنے اختیارات میں کسی ایک طریق تنظیم و تقسیم کی پابند
نہیں ہے بلکہ مفاد عامہ کے پیش نظر اس کے اختیارات کافی وسیع ہیں اور

انفرادی اور اجتماعی ہر طریق کی اجازت ہے جیسا کہ قاضی ابویوسف
کہتے ہیں:

وَأَرْجُو أَنَّ يَكُونُ مُتَوَسِّعًا
عَلَيْهِ فَيَكُونُ مَعَاشًا مِنْ ذَلِكَ فَعَلَّ
مجھے امید ہے کہ حکومت جو بھی مناسب
سمجھ کر کرے گی، اس لئے وسعت اور
(کتاب الخراج ص ۶۰) گنجائش ہے۔

تقی امینی صاحب نے مذکور بالا حوالے سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حکومت
جو چاہے کرے، اس کے لئے اسلام کے احکام و ہدایات اور قیود و ضوابط کچھ نہیں ہیں،
یہ پابندیاں صرف عوام کے لئے ہیں، شریعت عوام کے لئے اتری ہے، حکومت اس
سے مستثنیٰ ہے۔ ایک امام آدمی اگر کسی کی کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف چھین لے، تو
اس کے لئے ناجائز و حرام اور اگر حکومت قومیا نے کے حیلے یا مفاد عامہ کے ڈھونگ سے
جس کی جائداد پر ہاتھ صاف کر ڈالے، اس کے لئے جائز ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
کہتے ہیں انسانوں کو غلامی پر رضامند

تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ
حالانکہ بات یوں نہیں یہاں امام ابویوسف حکومت کو ایسے کلی اور مطلق الفاظ
اختیارات نہیں سنوئے۔ یہ امینی صاحب ہی کی کوتاہ نظری یا خیانت کا کرشمہ ہے
کہ ان کی عبارت کو اپنے خود ساختہ اثر کیا نظر پر فٹ کر گئے۔
جو چاہے آپ کا حق کرشمہ ساز کرے

لیجئے اب امام صاحب کی شروع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے اور امینی صاحب کی
دیانت و امانت کی داد دیجئے۔

فَكَأَرْضُ أَقْطَعَهَا الْإِمَامُ
مِثْقًا فَتَنَعَتْ عَنْهُ فَصَبَّهَا الْخِرَاجُ
إِلَّا أَنْ يُصَبِّرَهَا الْإِمَامُ عَشْرِينَ
وَذَلِكَ إِلَى الْإِمَامِ (الحیات)
قَالَ: وَارْجُو أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ
مَوْشَعًا عَلَيْهِ فَكَيْفَهَا شَاءَ مِنْ
ذَلِكَ فَعَلَ.

(کتاب الخراج ص ۶۰)

یہ تھی امام ابو یوسف کی پوری عبارت جس کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ
امام المسلمین کو جنگ کے ذریعے مفتوحہ اراضی کو کسی کے لئے جاگیر قرار دینے کے بعد اسے
عشری یاخراجی ٹھہرنے کا اختیار ہے، مگر امینی صاحب اسے کہاں سے کہاں کھینچ
تاکر لے گئے۔ دراصل ٹولسٹوں کا طریقہ ہی یہی ہے کہ وہ اپنے من گھڑت
نظریات کی تائید میں ایسے کرشمے دکھلاتے ہیں نیز

بریں قیاس کن زگلستان من بہار مرا

کے مطابق موصوف کی دوسری تحقیقات کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے اور جہاں حضرت
عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بعض جاگیریں واپس
لے کر بیت المال کو دے دیں، تو یہ وہ جاگیریں تھیں جنہیں آباد کرنے کے لئے دیا گیا تھا،
مگر لینے والے انہیں آباد نہ کر سکے، تو آباد نہ کرنے کی وجہ سے وہ واپس لینا پڑیں،
انہیں زمین کی بخشش نہ کی گئی تھی، بلکہ زمین بیت المال کی تھی اور منافع آباد کرنے

والوں کے لئے جاگیر کی بخشش کی یہ دونوں صورتیں کتاب الخراج ودر مختار وشمی وغیرہ
میں موجود ہیں اور آخر الذکر زمین کا چوبیسواں حصہ جاگیردار ملک نہیں ہوتا، اس لئے امام اگر
مناسب سمجھنے تو اس سے واپس لے سکتا ہے، ملاحظہ ہو (شمی ج ۴ ص ۱۹۴)

زمین کو مزارعت وبنائی پر دینے کا مسئلہ

مزارعت کے جواز و

حق میں مختلف حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اس بنا پر صحابہ کرام و ائمہ عظام میں مزارعت
کے بارے اختلاف واقع ہوا۔ خود احناف کے امام حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
اسے جائز نہیں سمجھتے اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں کہ زمین کا مالک کام کرنے والے کو
ایک معین مدت تک تنخواہ مقررہ پر لے کر اس سے کام لے اس میں شرط یہ ہے اسے
تنخواہ کے عوض اسے اتنی مالیت کی پیداوار دے دے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی

ج ۴ ص ۱۲۷)

لیکن صاحبین امام ابو یوسف امام محمد رحمہما اللہ مزارعت کو جائز سمجھتے ہیں
اور صاحبین کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام نسائی کے بغیر اصحاب صحاح ستہ نے
روایت کیا ہے چنانچہ بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرٍ بِشَطْرِ مَبْعُورٍ مِنْهُمْ
مِنْ رَوْحٍ أَوْ شَعْرٍ (بخاری ج ۱ ص ۲۱۳)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل
خیبر کے ساتھ زمین خیمبر کی کچھ پیداوار یا
پھل کے ایک حصے پر معاہدہ کیا۔

مزارعت میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے

مزارعت میں
صاحبین رحمہما اللہ

کے قول پر فتویٰ ہے چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

والفتویٰ علی قولہما لحاجة
الناس الیہما ولظہور تعامل الامم
(ہدایتہ ج ۳ ص ۳۲۳)

مقصود ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک

ہر ایک ہے گو شرح معانی میں بیگانہ

ان اختلاف میں امت کے فائدے ملحوظ ہیں، اس مقصد میں سب امر منفق
ہیں: البتہ متاخرین نے اس قول کو ترجیح دی جس میں امت کا فائدہ زیادہ ہے
اور وہ مزارعت کا جواز ہے یعنی کسی کو زمین اس طور پر دینا کہ کاشت سے جو
پیداوار ہوگی، دونوں میں مثلاً نصف نصف یا ایک تہائی یا دو تہائیوں میں تقسیم
ہوگی، اسے اسلام کی اصطلاح میں مزارعت اور یہاں کے عرف میں اسے بٹائی پر
زمین دینا کہتے ہیں۔

مسئلہ مزارعت

مزارعت کا مسئلہ فقہی اعتبار سے بڑی اہمیت
رکھتا ہے جس کے دو پہلوئے غور طلب ہیں ایک مزارعت
کا جواز یعنی کیا مزارعت زمین کی بٹائی پر دینا اجازت ہے یا نہیں؟ اور دوسرا حق
شفعہ ہے یعنی کیا مزارع کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس کے اولین پہلو
پر کچھ حضرات اپنا نقطہ نظر پیش کر چکے ہیں اور وہ یہ کہ مزارعت خلاف اسلام ہے دوسرا
پہلو یعنی مزارع کو حق شفعہ ملنا چاہیے یا نہیں؟ شوریٰ میں اس وقت سے زیر غور
ہے جب اسلامی نظریاتی کونسل کا مسودہ قانون شفعہ توثیق کے لئے پیش کیا گیا ہم یہاں

اس مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر شرعی و فقہی حیثیت سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے اس میں شک نہیں اور نہ ہی یہ حقیقت اہل علم
سے مخفی ہے کہ قرآن کریم میں براہِ ظاہر اس مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی، یعنی دونوں
میں براہِ ظاہر اس مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی، یعنی دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے
اس مسئلہ کا براہِ ظاہر قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں ملتا البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں
شارح قرآن ہونے کی حیثیت سے اس مسئلہ کو بیان کر دیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان
مسائل کی وضاحت و تشریح کی ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد فرمائی جو قرآن میں
وضاحت طلب یا براہِ ظاہر نہ ہو نہ تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”ہم نے تمہاری طرف ذکر یعنی قرآن اتارا کہ تم لوگوں کے لئے

نازل کئے ہوئے کو واضح کر دو“

(سورہ نحل آیت ۱۰۴)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

”اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع

فرمائیں اس سے باز رہو“ (سورہ حشر آیت ۷)

لہذا اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق چلا آ رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے خدا کے رسول اور نبی ہونے کی حیثیت سے جو کچھ ارشاد فرمایا اور جو احکام صادر
فرمائے وہ بھی خدا تعالیٰ کی وحی اور حقیقت اسی کے نازل کردہ ارشادات احکام
ہیں اس حقیقت کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی واضح طور پر ہو جاتی ہے کہ
”اور وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے

ان کی بات تو خدا کی وحی ہی ہوتی ہے جو انہیں بھیجی جاتی ہیں۔

(سورہ النجم آیت ۱۳)

چنانچہ امام المفسرین امام قطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت و جوب عمل میں خدا کی نازل کی ہوئی وحی کی

طرح ہے۔“ (تفسیر قطبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

امام قطبی نے حضرت مقدم بن معدی کرنب کی حدیث کا حوالہ بھی دیا ہے جو جلد

اول کے صفحہ ۳ پر درج ہے۔

مزارعت کے بارے میں جو احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں وہ ایک دوسری سے مختلف

ہیں کچھ حدیثوں سے مزارعت کا جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز اسی لئے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد کے حضرات ائمہ و فقہاء میں یہ مسئلہ

مختلف رہا کچھ تو مزارعت کو جائز قرار دیتے تھے اور کچھ اسے ناجائز ٹھہراتے آئے چنانچہ

صحابہ کرام میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن

مسعود و سعد و زبیر و اسامہ بن عمر و معاذ و حباب اور ان کے بعد حضرات سعید

بن مسیب طاؤس و ابن ابی لیلہ و اوزاعی و ثوری و امام احمد و امام اعظم ابو حنیفہ

کے شاگرد امام ابو یوسف امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اس کو جائز قرار دیتے تھے جب کہ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما و دیگر حضرات ابن عمر رضی اللہ عنہما و عکرمہ و نخعی و امام مالک امام ابو حنیفہ

و لیث و ابو ثور و امام شافعی رضی اللہ عنہم سے عدم جواز منقول ہے عمدۃ القاری

شرح صحیح البخاری جلد اول ۱۲ صفحہ ۱۲۷ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب الابنصاف

میں ہے۔

مزارعت جائز ہے اور یہی مذہب کسی شک و شبہ کے بغیر ہے اور یہی امام احمد بن

حنبل کے تمام ساتھیوں (شاگردوں) کا مذہب ہے (جلد ۵ ص ۴۸۱) اور امام ابن

قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں: ”بناقی پر زمین دینا جائز ہے بہت سے اہل علم کی یہی

راے ہیں۔“

اس کے بعد امام ابن قدامہ رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ سے امام ابو جعفر کا قول نقل

کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

”مدینہ میں کوئی ایسا گھر نہیں جس کی طرف سے زمین کو چوتھا تیا

تہائی حصہ کے حساب سے بناقی پر نہ دیا جاتا ہو۔“

پھر فرماتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و حضرت علی و حضرت سعد بن مسعود و

عمر بن العزیز و قاسم بن محمد بن ابی بکر و غیرہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ

دونوں کا خاندان و امام ابن سیرین و سعید بن مسیب و طاؤس و عبدالرحمن بن اسود و

موسیٰ طلحہ زہری و عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ان کے صاحب زادے امام ابو یوسف امام

محمد سب مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں اور حضرت معاذ و حضرت حن و عبدالرحمن

بن یزید سے بھی جواز مروی ہے اور حضرت عمر نے مزارعت پر زمین دیتے ہوئے مزارعین

سے فرمایا کہ اگر بیج میری طرف سے ہوگا تو میرے لیے پیداوار کا آدھا ہوگا اور اگر بیج مزارعین

کی طرف سے ہوگا تو ان کے لئے اس قدر دیسی آدھے سے زیادہ ہوگا اور امام مجاہد و نخعی

ابو حنیفہ نے مزارعت کو پسند نہیں فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و مختلف روایتیں ہیں۔

اور امام شافعی نے ایسی زمین بناقی پر دینے کو جائز قرار دیا۔ جس میں کھیت اور کھجور دونوں

ہوں۔ اس کے بعد کچھ آگے چل کر امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ :

”ہم جو مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں ہمارے لئے اس قدر سند کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو اپنی زمین بٹائی پڑی تھی پھر حضرات ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم بٹائی پڑیتے رہے۔ ان کے بعد ان کے خاندان کے افراد بھی اسی پر عمل پیرا رہے کہ اپنی زمینیں بٹائی اور چوتھائی پیداوار لیکر بٹائی پڑیتے رہے۔“

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں کہ ”یہ حدیث صحیح و مشہور ہے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تادم وصال اس پر عمل فرماتے رہے پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین عمر بھر یہ عمل کرتے رہے پھر ان کے بعد ان کے خاندان کے لوگ بھی زمینیں بٹائی پڑیتے رہے۔ (المغنی لابن قدامہ جلد ۵ صفحہ ۲۴ تا ۲۸)“

جو حضرات مزارعت کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مزارعت کا محل ایک زمانہ میں جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا اور اس کی دلیل وہ حدیث قرار دیتے ہیں جو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ ”ہم زمین کا معاملہ بٹائی پر کیا کرتے اور اس کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تو ہم نے مزارعت کا سلسلہ ترک کر دیا۔“ کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزارعت شروع میں جائز تھی بعد میں منسوخ ہو گئی لہذا یہ ناجائز ہے۔ جمہور اہل اسلام جو اس عمل کو جائز سمجھتے ہیں ان کے دلائل مقابلہ و زنی ہیں ان میں سے ایک تو وہی حدیث ہے جسے امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین اہل خیبر کو بٹائی پڑی تھی (بخاری باب المزارعة امام بدر الدین

اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

”مزارعت کو جائز قرار دینے والوں کے لئے یہ حدیث عمدہ دلیل ہے“

(عمدة القاری شرح صحیح بخاری جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۷)

اور دوسری حدیث وہ ہے جسے امام بخاری، مسلم نے حضرت عمرو بن دینار سے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے طاؤس سے کہا کہ مزارعت چھوڑ دیتے تو اچھا تھا کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ اے عمر میں اس کے ذریعے لوگوں کو کچھ دیتا ہوں ان کی مدد کرتا ہوں اور مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا کہ کسی شخص کا اپنے بھائی کو زمین مفت دینا اس پر اجرت لینے سے بہتر ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ امام ابو جعفر صادق جنہیں امام باقر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں مہاجرین میں سے کوئی گھریسا نہیں جو تہائی یا چوتھائی پر زمین کی مزارعت کا معاملہ نہ کرتا ہو لہذا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ زمین کی بٹائی کا معاملہ ابتداء میں جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بعد خلفائے راشدین و دیگر صحابہ تابعین و ان کے بعد کئی دین اس پر کیوں عمل کرتے کیا ان کو منسوخ ہو جانے کا علم نہ ہو سکا تھا بلکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے وہ یہ کہ اگر مزارعت کو ناجائز اور جائز قرار دینے والی احادیث پر کچھ قیاس آرائی کرنے کے بغیر انہیں صحابہ تابعین و ائمہ کرام کے عمل و قول کی رو سے دیکھا جائے تو یہ کہنا سچا ہو گا کہ مزارعت بلاشبہ جائز ہے البتہ اس کی ممانعت کی وجہ یہ تاویل کرنا ضروری ہے۔

اول تو اس کی توجہ یہ ہوگی کہ حضرت رافع بن خدیج والی حدیث اضطراب کا شکار ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے اور اس میں اضطراب یہ ہے کہ کہیں تو اس کی سند میں عن بعض عمومیت ہے اور کہیں عن ظہیر بن رافع کے الفاظ ہیں اور کہیں خود اس کے سماع کا ذکر ہے اس قسم کی سند قابل استدلال نہیں ہوتی اور اگر اس اضطراب سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو یہ اس لئے بھی قابل استدلال نہیں رہتی کہ اجماع کے خلاف قرار پاتی ہے کیونکہ ہر امام کسی نہ کسی صورت میں مزارعت کے جواز کا قائل ہے اگرچہ وہ ہمارے ہاں صرف مزارعت سے مختلف ہو اور دوسری توجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حدیث رافع بن خدیج میں مذکورہ ممانعت کسی خاص صورت پر محمول کی جائے اس کی توجہ یہ کی تاہم خود اس رافع بن خدیج کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں انہی سے روایت ہے کہ ہم سب لوگ مدینہ منورہ میں زمین کاشت کرتے کرتے تھے اور کچھ لوگ زمین کو اس طرح کرایہ پر دیتے تھے کہ اس کے فلاں حصے میں جو پیداوار ہوگی اس کا مالک میں ہوں گا اور اس کے دوسرے ٹکڑے کی پیداوار تمہاری ہوگی تو کبھی ایسا ہوتا کہ زمین کے کسی ایک حصے میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی جس سے ایک تو پیداوار اٹھا لیتا اور دوسرا محروم رہتا اور بسا اوقات جھگڑنے تک نوبت پہنچ جاتی۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ ممانعت کی یہی صورت ہو سکتی ہے اور اگر اس حدیث کو بالعموم مزارعت سے ممانعت پر محمول کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ منسوخ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام کا زمین کو بٹانی پر دنیا اس ممانعت والی حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہوگی۔ امام ابن حزم ظاہری بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ممانعت والی

حدیث منسوخ ہے۔

”صحابہ کا بعد کا عمل پہلی ممانعت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔“

(المحلی جلد ۵ صفحہ ۲۱۴)

امام ابن قدامہ بھی یہی کہتے ہیں کہ :

”مزارعت سے ممانعت والی حدیث کو منسوخ تصور کرنا ضروری

ہے۔“

اور بعض تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن صحابہ کا جواز میں اختلاف تھا۔ انہوں نے بعد میں حقیقت مال کے انہی ہونے پر رجوع کر لیا تھا اور مزارعت کے جائز ہونے پر سب کا اجماع عمل میں آگیا تھا چنانچہ عدلہ شاکانی و ابن حزم و امام ابن قدامہ بھی یہی فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔ (نیل الاوطار جلد ۵ ص ۶۴۴ و المحلی جلد ۵ ص ۲۱۴ و المغنی جلد ۵ ص ۱۴۶) اس کے باوجود بعض حضرات کا مزارعت کو بلاشبہ واصل خلاف اسلام ٹھہرانا ہمارے سمجھ سے بالاتر ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو مزارع کے لئے حق شفعہ ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل ملک کا ایک ایسا موثر ادارہ ہے جس کے اراکین جملہ مکاتیب فکر کے مسلم فاضل لوگ ہیں اور جن کی علمی وسعت اور فہمی بصیرت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ کونسل میں زیر بحث مسئلہ پر بڑی گہرائی اور بے لال تحقیق کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایک لفظ پر نسلی بخش غور کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو فراخ دلی کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ اگر اختلاف ہو اور متفق علیہ نقطہ نظر نہ رہا ہو تو جس قدر ممکن ہوتا ہے اختلاف کے دائرہ کو کم از کم کرنے کے بعد اکثریت کی رائے پر فیصلہ

دے دیا جاتا ہے اور اختلاف کرنے والے فضلاء کا نقطہ اختلاف بھی ساتھ ہی نوٹ کر لیا جاتا ہے۔ ایسے اوقات یا مسائل کم ہیں ورنہ اکثر و بیشتر اچھی خاصی بحث و تمحیص کے بعد اتفاق رائے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں اور خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ قانون شفعہ جسے اسلامی نظریاتی کونسل نے بہ اتفاق رائے مرتب کیا۔ اس میں کسی بھی مکتبہ کے فاضل نے مزارع کو حق شفعہ دینے پر راتے نہیں دی اور نہ ہی مذاہب مردودہ فقہ میں سے کسی مذہب میں مزارع کے لئے حق شفعہ کو تسلیم کیا گیا ہے۔

خود حق شفعہ کی فقہی تعریف ہی مزارع کو یہ حق دینے سے مانع ہے کیوں کہ شفعہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے :

”کسی ایک شریک کے حصے کا جو ایک اجنبی کی طرف منتقل ہو چکا تھا طے کردہ معاوضہ پر دوسرے شریک کی طرف منتقل ہونا“

(نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۳۳۱)

امام ابن قدامہ المغنی میں شفعہ کی تعریف لکھتے ہیں۔

”ایک شریک کا اپنے شریک کے حصے کو اس اجنبی کے ہاتھ سے

چھڑانا جس کی طرف وہ حصہ منتقل ہو گیا تھا“

(المغنی جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

احناف فقہاء کے نزدیک حق شفعہ تین اشخاص کے لئے ہی ہے جن میں مزارع کے نام کا کوئی شخص نہیں ہے۔ ایک خلیط دوسرا شریک تیسرا جار ملاصق شریک وہ ہے جو فروخت شدہ جائیداد میں حصہ دار ہے جیسے ایک مشترک جائیداد میں ایک شریک اپنا حصہ فروخت کرتا ہے تو دوسرے شریک کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

دوسرا خلیط وہ شخص ہے جو فروخت شدہ چیز میں تو حصہ دار نہیں ہے البتہ اس چیز سے متعلق حقوق میں حصہ دار ہے مثلاً دونوں کے مکان یا جائیداد تو الگ الگ ہے لیکن دونوں کی گزرگاہ اور راستہ دونوں میں مشترک ہے یا دونوں ایک ہی مالی سے اپنے اپنے کھیت کو سیراب کرتے ہیں اور تیسرا اور جار ملاصق وہ ہے کہ دونوں کے مکان تو الگ ہیں لیکن دونوں کے مکان کی چھتیں باہم پیوست اور متصل ہیں شفعہ کا معاملہ چونکہ حقوق عباد سے تعلق رکھتا ہے اس لئے صحابہ کرام اور ان کے بعد کے ائمہ دین نے اس میں از حد احتیاط برتی ہے تاکہ کسی حقدار کا حصہ غیر حقدار کو نہ پہنچ جائے جس سے انہیں خدا کے روبرو جواب دہ ہونا پڑے۔

اس میں احتیاط کا عالم یہ ہے کہ صحابہ کرام و ائمہ عظام نے جار ملاصق کے لئے بھی اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، چنانچہ امام ابن قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں کہ :

”حضرت عمر و عثمان و عمر بن عبد العزیز و سعید بن مسیب و سلیمان

بن یسار و زہری و سحیجی النضاری و ابو الزنا و ربیعہ و میسرہ بن عبد الرحمن

مالک و ازاعی و شافعی و ابو ثور و ابن مہدر (و احمد بن حنبل) رضی

اللہ عنہم صرف دو اشخاص کے لئے حق شفعہ تسلیم کرتے ہیں اور تیسرے یعنی

جار ملاصق کے لئے اس حق کو نہیں مانتے جب کہ امام ابن شبرہ و امام

سفیان ثوری و ابن ابی لیلی و اصحاب رائے (احناف) جار ملاصق کے

حق شفعہ کو تسلیم کرتے ہیں“ (المغنی جلد ۵ صفحہ ۳۰۸/۳۰۹)

حالانکہ احناف کے نزدیک جار ملاصق کے حق میں کئی اعاذیت بھی بطور دلیل موجود

ہیں لیکن وہ ائمہ ان اہادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں یا انہیں مبہم اور غیر واضح ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ٹھہراتے ہیں اور یا ان میں وارد لفظ عار سے مراد شریک سے لیتے ہیں۔ اگرچہ احناف نے ان ائمہ کے ان شکوک و توجہات کے اپنے طور پر جوابات بھی دیے ہیں۔ بن کی تفصیل عمدة القاری شرح صحیح بخاری کی جلد ۱۲ صفحہ ۷۲ تا ۷۷ پر موجود ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے جارطابق کے حق شفع میں احادیث موجود ہونے کے باوجود بھی ان ائمہ کرام نے اپنے نزدیک اس کے بارے میں غیر واضح صورت حال ہونے کی وجہ سے اسے حق شفعہ کا متعلق نہیں ٹھہرایا۔ تاکہ ایک ایسے شخص کا حق جس کا صاحب حق ہونا یقینی نہیں بلکہ شکوک ہے اس میں ارباب اختیار و ارباب شوری کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ مزارع کو شفعہ کا حق کسی شرعی بنیاد پر دینا گوارا کریں گے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ارباب اختیار و ارباب شوری کے کو ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ دیکھنا ہے کہ ظال بات کہیں خلاف شریعت اور اسلامی تقاضوں کے منافی تو نہیں ہے۔ اگرچہ تو اسے دلائل شرعیہ کی روشنی میں اسلام و شریعت کے مطابق بدل ڈالیں لیکن وہ اس بات کے مجاز نہیں کہ اسلام کے ایک متفق علیہ حکم کو اپنی مرضی یا خواہشات کے تابع کر ڈالیں۔ فقہانہ فواتے ہیں کہ حق شفع ایک غیر قیاسی حکم ہے بیونہی قیاس تو یہ ہے کہ ایک شخص اب اس کا مالک ہو گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی تیسرا اس چیز کو اس سے حاصل کرنے کا مجاز نہیں لیکن چونکہ شریعت میں حق شفعہ سے متعلق یہ حکم خلاف قیاس آگیا لہذا اسے اسی حد تک ہی تسلیم کیا جائے گا اور جن کو شریعت نے یہ حق دیا ان سے آگے کسی اور شخص کے لئے اس حق کو متجاوز کرنا نہ صرف شریعت سے تجاوز اور حقوق عباد سے کھیلنا ہے بلکہ عقل و قیاس

کے تقاضوں سے اعراض و انحراف بھی ہے۔

اسلام نے کسی کے حق کو ثابت کرنے کے لئے چار راستے متعین کر دیئے ہیں۔ قرآن حکیم سنت رسول اجماع اور قیاس شرعی مزارع کے لئے حق شفعہ کو ثابت کرنے کے ان چار راستوں میں سے کسی ایک اسے کو اختیار کرنا ضروری ہے۔
خبر کیا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ یہاں ہے ہی نہیں بلکہ یہ مسئلہ ہی خلاف قیاس ہے چنانچہ المغنی اور ہدایہ میں ہے:

”شفعة اصل و بنیاد (قیاس) کے خلاف ثابت ہو رہا ہے لہذا اسے ان اشخاص کے سوا جنہیں شریعت نے یہ حق دیا کسی اور کے لئے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔“ حق شفعہ قیاس کے طور پر یقول سے ہٹ کر ہے۔ لہذا یہ حق کسی ایسے شخص کو نہیں دیا جاسکتا جس کا کتاب یا سنت میں کوئی ذکر نہیں۔“

(المغنی جلد ۵ صفحہ ۳۸ و ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۸)

آخر میں گزارش ہے کہ شوری کو ایک اسلامی ریاست سے منسوب ہونے کی بنا پر کسی ایسے قانون کو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہیے جو شرعی و فقہی دلائل سے عاری ہو اور کسی ایسے قانون پر صادر کرنے میں باوجود تاخیر نہیں کرنی چاہیے جو قرآن و سنت یا اجماع و قیاس شرعی ایسے دلائل سے آراستہ ہو۔

ایجاب قبول کے بعد مزارع کے رکن چار
مزارعت کی شرطیں

اور اس کے جواز کی شرطیں آٹھ ہیں۔

نمبر زمین، نمبر بیج، نمبر کام، نمبر بیل (یا ٹریکٹر) اور آٹھ شرطیں ہیں:

نمبر زمین زراعت کی صلاحیت رکھتی ہو۔ نمبر ۲ عاقلین کا اہل ہونا کہ معاملہ کرتے والے آزاد اور بالغ ہوں، ہاں اگر غلام یا لڑکا ہو تو وہ اپنے آقا اور سرپرست سے اجازت یافتہ ہوں۔ نمبر ۳ مدت زراعت متعین کر لی جائے نمبر ۴ بیج کس کی طرف سے ہو گا نمبر ۵ جس کا ذکر آجائے کر کیا بوتے گا نمبر ۶ حصہ مقرر ہو کہ ہر ایک کو کس قدر ملے گا۔ نمبر ۷ مالک زمین کو کاشت کار کے سپرد کرے۔ صاحب درختدار نے آٹھویں شرط کو شرکت فی الخارج اپیدوار میں مالک زمین اور مزارع دونوں کا شریک ہونا قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بعینہ چھٹی شرط کا اعادہ ہے چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

لَا تَزَالُ تَزِيدُ الشَّرْطَ مُتَدَرِّكًا
لِلْمُسْتَعْبَاءِ عَنْهُ بِاشْتِرَاطِ ذِكْرِ
قِسْطِ الْعَامِلِ (ج ۶ ص ۱۲۷)

یعنی یہ آٹھویں شرط بے فائدہ ہے
کہ عامل کے حصہ کی شرط سے اس کی حاجت
نہیں رہتی۔

تو آٹھویں شرط زمین کا معلوم و متعین ہونا ہے کہ یہاں سے وہاں اور ادھر سے
ادھر تک جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے (ج ۱ ص ۲۳۶ طبع ممبر ۱ اور حکیم الامت
صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بہار شریعت میں بھی اسی شرط کا
ذکر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو بہار شریعت ج ۱ ص ۱۵۴) نیز علامہ شامی نے اس شرط کا
ذکر کر دیا ہے اِنْ مَعْرِفَةُ الْأَرْضِ شَرْطٌ (ج ۶ ص ۱۲۷) کہ زمین کا معلوم ہونا
شرط ہے۔

افادات و مسائل

اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ملے یا یا تو بیج
شرط ساقط ہو جائے گی کہ جس جنس کا بیج

مالک زمین دے گا مزارع اس کو بوتے گا۔

یا مالک مزارع سے کہہ دے کہ جو مرغی آئے بوتے تو بھی جس کا تعین ضروری
نہیں اور شرط یہ جائز نہیں کہ بیج والا پیداوار میں سے بیج اٹھائے گا اور بقیہ
پیداوار کی تقسیم کی جائیگی ہاں یہ جائز ہے کہ پیداوار میں سے پہلے عشر یا نصف عشر
نکالا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ غلہ تقسیم ہو گا اور بھوسہ غلہ کے حصہ کے برابر کیا
جائے گا یا جس کا بیج اس کا بھوسہ یہ بھی جائز کہ زمین مالک کی اور بیج اور کام اور بیل
وغیرہ مزارع کے یا زمین اور بیج مالک کے کام اور بیل (یا ٹریکٹر) مزارع کے۔

اسلام کے نظام معیشت میں زراعت کی اہمیت

نظام میں تو ہوس انسان کے مخصوص عزائم کو پروان چڑھانے کے لئے مالک مزارع
زمیندار و کسان وغیرہم کے درمیان طبقاتی منافرت پھیلا کر انسانی قدروں کو پامال
اور نبی آدم کے خون کو انتہائی ارزاں کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام ایک ایسا عاقلانہ نظام
معیشت ہے جس کی بنا مخلوق خدا کے درمیان ہر طرح کی باہمی منافرت و طبقاتیت
کو ختم کر کے ان میں اخوت و الفت پیدا کرنے پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن
مجید میں کھیتی کو اگانے کی نسبت اپنی طرف کر کے جہاں زراعت کے پیش کو نظام
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت میں بڑی اہمیت بخشی ہے وہاں ضمنی طور
پر کاشت کار کی عزت افزائی بھی فرمائی۔ ارشاد ہے :

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرَثُونَ إِنْ أَنْتُمْ
تَرْضَعُونَ أَمْ تُخْلِجُونَ الزَّرْعَ عَوْنًا

تم جو بوتے ہو کیا اسے تم نے دیکھا کیا
تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں

کاشت کاری پیشہ حضرت آدم علیہ السلام | امام ابن حجر عسقلانی
فتح الباری میں فرماتے

ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مستدرک امام حاکم میں مروی ہے کہ
حضرت آدم علیہ السلام کا پیشہ کاشت کاری، حضرت نوح کا بڑھتی حضرت ادیں
کا روزی اور حضرت موسیٰ کا بکریاں چرانا تھا (ج ۴ ص ۲۵۹)

اس حدیث سے ایک تو دستکاری (ہاتھ کی کمائی) کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔
دوسریہ کہ کاشت کاری ایک ایسا مقدس پیشہ ہے جسے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام
نے اختیار فرمایا اور اسی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
ہیں جسے امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں امام زین العابدین سے روایت کیا ہے۔

إِحْرِثُوا فَإِنَّ الْعَرْثَ مُبَارَكٌ
يَعْنِي زَمِينَ مِّنْ كَيْفَتِي بَاطِي كَيْفِي
بَلْ جَلَاؤُكَ بَلْ جَلَانَا بَارَكْتَ جَعْلُ
الْجَمْعُ الصَّغِيرُ ج ۱ ص ۴۳

اس میں فرمایا گیا ہے کہ کھیتی باڑی کرو اور بل چلاؤ کیونکہ کھیتی باڑی کا کام
بکثرت اور اس میں بیج بکثرت ڈالو، ہلکا بیج مت ڈالو یا سردی سے کہ نظر بد
اور پرندوں سے حفاظت کے لیے کھیتی باڑی پر بکثرت ہنڈیاں لٹکاؤ ہنڈیاں
نے کا یہ امر تکلیفی نہیں بلکہ امر ارشادی ہے (ملاحظہ ہو سراج منیر شرح الجامع
الصغیر ج ۱ ص ۴۳)

بیج بخاری کے باب فصل الزرع میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

”جو شخص درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندو
انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں
صدقہ بنتا ہے یعنی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے (بخاری ج ۱ ص
نمبر ۳۱۲۲ معتبائی)

اس کی شرح میں علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ
ہے کہ کسی نے درخت لگائے، اگرچہ حصول ثواب کی نیت اس کے دل و دماغ
میں مستحضر نہ تھی، یہاں تک کہ اگر اس نے درخت لگا کر اسے فروخت کر دیا یا اس
نے کاشت کی اور اسے فروخت کر دیا، پھر بھی اس کا یہ عمل اس کے لئے صدقہ ہوگا کہ
اس کا یہ عمل مخلوق خدا کی روزی میں اضافہ کا باعث بنا (عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۵۵)
نیز فرماتے ہیں۔

فَبِعْدَةِ الْحَقِّ عَلَى عِمَارَةِ الْأَرْضِ
لِنَفْسِهِ وَلِغَيْرِهِ يَأْتِي بَعْدُهُ
عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۵۶

کہ اس حدیث میں زمین کو اپنے اور
بعد میں آنے والوں کے لیے (درختوں کو
کھیتوں سے) آباد کرنے کی ترغیب ہے۔
سپر پر سبزہ کے کھڑے ہو کے کہتم میں نے
غنچہ گل کو بیاؤ تو تبستم میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بل چلایا
چلانا ایک ایسا بابرکت

کام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہ نفس نفیس شرف بخشا چنانچہ امام
شمس الدین خرمی المعروف بہ شمس الائمہ علیہ الرحمۃ کتاب المبسوط میں فرماتے ہیں:

أَوَّلُ مَنْ فَعَلَهُ آدَمُ صَلَواتُ
اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلَى مَا
رُوي أَنَّهُ لَمَّا أُهْبِطَ إِلَى الْأَرْضِ
أَمَّا جِبْرِيلُ يَحْطِئُهُ وَأَمْرُهُ
بِالزَّرْعَةِ وَازْدَعَرَ رَسُولُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجَرْفِ
وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمَزَارِعُ
يَتَأَجَّرُ رَبُّكَ عَزَّ وَجَلَّ (المبسوط ج ۱ ص ۱۰۵)

کرسک پہلے حضرت آدم علیہ السلام
نے کھیتی باڑی کا کام کیا۔ بنا برآں کہ مری
ہے کہ آپ جب زمین پر اتارے گئے تو
حضرت جبریل آپ کی خدمت میں گندم لائے اور
اسے زمین میں بونے کا امر کیا اور حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے تمام جرف میں یہ نفس نفیس
کاشت فرمائی اور فرمایا کہ کاشت کا خدا
یتاجر ربک عزوجل سے تجارت کرتا ہے۔

کمانی کے تین اصول

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فتح الباری میں
امام الماوردی سے نقل ہیں۔ انہوں نے

فرمایا کہ کمانی کے تین اصول ہیں :

زراعت تجارت اور صنعت (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۲۵) امام الماوردی
علیہ الرحمۃ نے تینوں میں زراعت کو اولیت دیکر اسے سرفہرست رکھا ہے۔
مفتی اسلام مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ معاشیات کے بنیادی
مسائل میں زراعت کو بہت ہی اہمیت دیتے ہوئے اپنی مشہور کتاب حجتہ اللہ الباقیہ
میں فرماتے ہیں۔

وَأَعْلَمُ أَنَّهُ إِذَا اجْتَمَعَ عَشْرَةُ
أَوْ فَرِيقَانِ مِثْلًا فِي بَلَدَةٍ
فَالْيَسَاةُ الْمَدْنِيَّةُ تَسْجُتُ
يَعْنِي جِبْ كَيْ شَهْرٍ مِثْلًا دَسْ هِزَارٍ
لَوْ جَبْتُمْ هُولَ تَوْبَارِثَ مَدِينَةٍ
أَسْبَابُ مَعَاشٍ سَبْجَتْ كَتَبْتُمْ تَوَاكُرَ

عَنْ مَكَايِبِهِمْ فَإِنَّ كَاتَا كَثُرَتْهُمْ
مَكْتَبَتَيْنِ بِالصَّلَواتِ وَبِالسَّيَةِ
الْبَلَدَةِ وَالْقَلِيلُ مِنْهُمْ مَكْتَبَتَيْنِ
بِالزَّرْعِ وَالزَّرْعَةِ فَسَدَّ حَالُهُمْ
فِي الدُّنْيَا - (ج ۲ ص ۱۰۵)

ان میں سے اکثر صنعت کاری اور شہری
یاست میں مصروف اور ان میں سے
تھوڑے راعت و جانوروں کی حفاظت
میں مشغول ہوں تو دنیا میں تباہ و برباد
ہو جائیں گے۔

یعنی زراعت کی معیشت میں ریٹھ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر یہ کمزور ہے
اور متبادل وسائل کی فراوانی بھی نہیں کران سے تلافی و تدارک ہو سکے تو وہاں کے
لوگ ترقی کی بجائے سوبہ انحطاط و زوال ہوں گے اور ان کی حالت نہیں سدھر سکے
گی اگر ملک کے اکثر باشندے زراعت پیشہ ہوں اور تمام زرعی سہولتوں سے مالا مال ہو
کر محنت شاق سے کام لیں تو زمین سے وہ بکثرت ظاہر ہوں کہ ہمارے زراعت
پیشہ بھائی ان کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

دھقان اگر نہ ہو تن آساں

ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ

غافل منشیہ نہ وقت بازی ست

وقت ہنر ست و کار سازی ست

اس حدیث کی توجیہ کہ بل ذلت کا باعث ہے
سے ثابت

ہوا کہ اسلام کے نظام معیشت میں زراعت کو نہایت ہی اہمیت حاصل ہے لیکن
صحیح بخاری کی کتاب المزارعہ میں حضرت ابو امامہ سے مروی ہے :

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فَلَا يَدْخُلُ هَذَا بَيْتَ قَوْمٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ الذِّلَّ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۲)

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اپنے بل اور کھیتی کے دوسرے آلات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس گھر میں یہ داخل ہو اس گھر میں خداؤقت کو داخل کرے گا۔

علماء محققین نے اس حدیث کی کئی ایک توجیہات فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ بل اور دیگر آلات زراعت کھیتی باڑی میں استعمال کرنے کے لئے ہیں، لیکن اس کے برعکس جو قوم انہیں اپنے گھروں میں رکھ چھوڑے، یعنی کھیتی باڑی کا کام ترک کرنے تو ان کے وسائل رزق میں کمی آجائے گی جس کے نتیجے میں وہ بھوک افلاس کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے اور دوسری توجیہ وہ ہے جو امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ إِذَا اشْتَغَلُوا بِالزَّرَاعَةِ وَاتَّبَعُوا أَذْنَابَ الْبُغْرِ وَفَعَدُوا عَنِ الْجُمَادِ كَرَّ عَلَيْهِمْ عَذَابُهُمْ فَنَجَعَلَهُمْ أَذْلَةً (کتاب البسوط ج ۱ ص ۸۳ سطر ۲۰-۲۱)

جب مسلمان سرکے سب زراعت میں مشغول ہوں اور بیلوں کے دم کے پیچھے پیچھے پھریں اور جہاد ترک کر دیں تو دشمن ان پر حملہ کر کے انہیں ذلیل کر دے گا۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرث و زراعت کے فضائل بہت سے بیان فرمائے۔ اندیشہ تھا کہ کہیں ان فضائل کے

پیش نظر سب مسلمان زراعت و کھیتی کے کام میں مشغول ہو کر جہاد ایسی انتہائی اہم دینی ذمہ داری کو فراموش کر دیں اور دشمن کے ساتھ لڑنے کے فن سے بے بہرہ ہو جائیں اور دشمن اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ کر کے انہیں ذلیل و خوار کر دے اس لئے یہ ارشاد گرامی صادر فرمایا۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے۔ یعنی بَابُ مَا يَتَّخِذُ مِنْ مَوَاقِبِ الشُّغْلِ بِالْأَلَةِ الزَّرْعِ أَوْ مَجَاوِزَةِ الْعَدَاةِ الذِّمِّيِّ أَمْرًا يَلِمْ۔ یعنی اگر زراعت اہل وغیرہ سے سراسر مشغول ہونے اور زراعت میں مشغول ہونے کی مطلوبہ حد سے تجاوز کرنے کے انجام سے ڈرنے کے بیان میں: یہ بھی اسی توجیہ کی تائید کرتا ہے جو امام سرخسی علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے امام بدر الملتہ والدرین عینی علیہ الرحمۃ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں داؤدی سے یہ توجیہ نقل کی ہے (بحرف طوالت ترجمہ عرض ہے)

یہ ارشاد نبوی ان حضرات کو کہتا ہے جو دشمنوں کی حسدوں کے قریب ہیں، اس لیے وہ اگر کھیتی باڑی میں لگ کر جنگی فنون و تجربات کو نظر انداز کر دیں تو دشمن ان پر حملہ کر دے گا، لیکن عمروں نے وفاقہ لوگوں کے لیے زراعت کا کام ہی بہتر و مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تم حسب استطاعت دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرو اور یہ زراعت کے ساتھ ہی قائم ہے اور جو لوگ نہر حد پر یا دشمن کے قریب ہیں وہ کھیتی باڑی نہیں کر سکتے کہ انہیں جنگی فنون سیکھنا اور تجربات کرنا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ضروریات زندگی میں ان کی مدد

کرتے ہیں (عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۵۷)

نیز اس توجہ کے لیے اس حدیث سے بھی صراحت کی تاہم ہو جاتی ہے جسے امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ :

إِذَا حَضَرَ النَّاسَ بِالْمَدِينَةِ وَاللَّيْلِ
وَتَيَّابُوا أَبَا عَيْنَيْنِ وَأَذْنَابُ
الْبَقَرِ وَتَرَكَوْا الْجِمَادَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ أَذْكَلَ اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِمْ ذَلًا لَا يَرْفَعُهُ عَنْهُمْ
حَتَّى يُرَاجِعُوا دِينَهُمْ (المجمع
الصغير ج ۱ ص ۱۶۹)

یعنی جب لوگ راہِ خدا میں دنیا دار
درہم خرچ کرنے میں بخل کرنے لگیں اور
ایک چیز مہنگے داموں بیچ کر اس شخص
سے سستے داموں واپس خرید لیں اور
جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر کے کھیتی
باڑی کے شوق میں بیلوں کی دُم پکڑ
لیں، خدا انہیں ذلت میں مبتلا کرے گا
اور ان سے اس وقت تک ذلت نہ اٹھائے گا جب تک وہ اپنے دین کی طرف
ترتوب نہیں گئے۔

غرض یہ حدیث مذکورہ کا ایک پس منظر ہے جسے ملحوظ رکھنے سے بل ایام میں دیگر
آلات سے متعلق ارشادِ نبوت کا عقدہ باقی نہیں رہتا اور اس علم و آگاہی کے
رازدان تو علماء کرام ہی ہیں۔ جب تک شریعت کے رازدانوں کے حضور منت
سوال نہ پھیلایں گے اس وقت تک علم کی ایسی باریک گتھیاں نہیں سلجھیں گی۔

ہم اپنی دردمندی کا فائدہ
سننا کرتے ہیں اپنے رازدوں سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبر
دینا کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے

کی خبر دی ہے کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے اور حدیث مذکورہ آپ کی اسی پیش گوئی
پر محمول ہے، چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فتح الباری شرح بخاری میں
ابن تین سے نقل ہیں :

هَذَا مِنْ أَحْبَابِ رَسُولِ اللَّهِ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْغَيْبَاتِ الشَّاهِدَةِ
أَنَّ النَّارَ نَظُمَ إِنْسَاءً هُوَ عَلَى
أَهْلِ الْخَرَابَةِ (فتح الباری ج ۵ ص ۱۷۵)

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر
ہے کہ آج شاہدہ ہو رہا ہے کہ سب
زیادہ ظلم کسانوں پر ہو رہے ہیں۔

اور امام بدر الملتہ والدین عینی القاری اور امام عسقلانی ارشاد الباری
شرح بخاری میں امام ابن بطال سے نقل ہیں :

فِي الْحَدِيثِ عَلَامَةُ النُّبُوَّةِ
قَالَ ابْنُ بَطَّالٍ وَذَلِكَ أَنَّهُ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمَ أَنَّ مِنْ بَيِّنَاتِ
أَخْرَاجِ النَّارِ يَجُودُونَ فِي اخْتِ
الْمَصَدَقَاتِ وَالْعَشْوَرِ بِمَا خَدُّوا أَكْثَرَ
مِمَّا يَجِبُ لَهُمْ لِأَنَّهُ ذَلَّ لِبَعْضِ أَخِذِ
مُسْلِمٍ بِغَيْرِ التَّحْقِ اسْتَهْأَ قُلْتُ

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر
ابتدائی گوئی ہے اور یہ اس لئے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آخری
زمانے میں ایسے جاگیردار پیدا ہوں گے جو
عشر و زکوٰۃ کی وصولی میں کسانوں پر ظلم
کریں گے اور حتی شرعی سے زیادہ وصول

قُوَّةُ الْإِذْلِ وَكَثْرَتُهُ فِي الزَّأْنِ عَيْنٍ
 فِي الرِّاحِ مَصْرَفَاتٍ أَصْحَابُ لَفْظَاتٍ
 يَسْلُطُونَ عَلَيْهِمْ وَيَأْخُذُونَ مِنْهُمْ
 فَوْقَ مَا عَلَيْهِمْ بِضَرْبٍ وَحَبِيبٍ
 وَتَهْدِيدٍ بِأَلْبَحٍ وَيَجْعَلُونَ مِنْهُمْ
 كَأَنْفُسِ الْمَشْرُومِينَ فَلَا يَتَحَصَّرُونَ
 مِنْهُمْ فَإِذَا أَمَاتَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ
 يَقْبُحُونَ وَلَدَهُ عَوِضَةً بِالْعَصَبِ
 وَالظُّلْمِ غَالِبَ مَا تَرَكَهُ وَيَحْرَمُونَ
 وَرَثَتَهُ (عملة القاری شرح بخاری
 ج ۳ ص ۱۷۲) (ارشاد السادی
 شرح بخاری ج ۳ ص ۱۷۲)

کریں گے کہ اس میں کسانوں کی ماحق توہین
 ہے میں (علامہ عینی) کہتا ہوں کہ سب
 زیادہ مصر کے جاگیردار کسانوں کی تذلیل و
 توہین کرتے ہیں ان پر سلاطین ان کی ٹاپریٹ
 کر کے انہیں قید کرتے اور ان سے سختی شریعی
 سے زیادہ وصول کرتے ہیں اور زر خرید غلاموں
 کا سالانہ سلوک کرتے ہیں بیچارے
 کسان ان سے ہاتھی نہیں پاتے پھر جب
 کوئی کسان مرجا تا ہے تو جاگیردار وہی ملوک
 ان کے بچوں سے کرتے ہیں اور ان کے
 باپ کی اکثر جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کر کے
 انہیں ارث کے حق سے محروم کر دیتے
 ہیں۔

یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ ملکی معیشت کاشت کار کی مرہون منت
 ہو، لیکن ایک مخصوص طبقہ استیصال کا نشانہ بھی انہیں بناتے ہے
 وائے ناکامی ملک کے تاک کر توڑ اسے
 میں نے جس ڈالی کو تاڑا اشیانے کے لئے

کسانوں پر شلٹوں اور کمیونسٹوں کے بہیمینہ نظام
 کسانوں پر

اشتراکیوں نے جو مظالم ڈھائے۔ ان کی داستان نہایت دردناک اور لرزہ خیز
 ہے، چنانچہ لینن نے ۲۵ فروری ۱۹۱۷ء کو ایک پمفلٹ تقسیم کر دیا کہ بڑی بڑی
 زمینداریاں ختم کر کے زمین بے زمین کسانوں میں بانٹ دی جائیگی پھر دو ماہ بعد
 اپریل ۱۹۱۷ء میں لینن نے تمام زمینوں کو قومیلے کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان
 گول مول تھا۔

چھوٹے دیہے کے کسانوں کو بڑے زمینداروں سے لڑا دیا۔ آخر بڑے اور
 متوسط دیہے کے زمینداروں میں بھیجان پیدا ہوا، تحریکیں علیں۔ مارچ ۱۹۱۷ء
 اور جون ۱۹۱۷ء تک کے درمیانی عرصہ میں کسانوں کی سترہ تحریکوں کو بڑی سفاکی اور
 توہین کیساتھ دبا دیا گیا اور ان پر جو مظالم ڈھائے گئے، اس کی داستان کو قلم
 بکھنے سے قاصر ہے جب بڑی بڑی اور متوسط دیہے کی زمینداروں کو ختم کر دیا گیا،
 تو اب چھوٹی چھوٹی زمینداروں کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا آخر ۱۹۳۰ء تک ایک
 کسان بھی ایسا نہ چھوڑا گیا جس کے پاس ایک انچ بھی زمین ہو۔ ایک فرانسیسی مصنف
 اپنی تصنیف (THE REBEL) میں لکھتا ہے کہ اس تصادم میں پچاس لاکھ انسان
 قتل ہوئے۔ اہل اشتراکیت کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ وہ انسانوں سے جذبات اخوت
 ہمدردی ختم کر کے انہیں کئی ایک طبقات میں تقسیم کر کے آپس میں لڑا دیتے ہیں
 نتیجے میں لوگ ہلاک ہو گئے اور جو باقی بچے ان کا حکومت خود ہی صفایا کر دیتی ہے
 بیچارے کسانوں کو عشق اشتراکیت کا یہی انعام ملا کرتا ہے، لیکن بیچارے
 کسان ہیں کہ اپنی سادگی کی بنا پر شلٹوں کے دام فریب میں آجاتے ہیں
 تیرے عشق کی انتہا پاتا ہوں! مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں!

اشتراکی اور سوشلسٹ ملکوں میں مزدوروں اور کسانوں کے ساتھ سلوک

ان کے ساتھ بھی وہی سلوک
روا رکھا جاتا ہے جو ایک بے زبان
جانور کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے

جب کہ اسلام کا معاشی نظام مزدوروں اور کسانوں کو ایک مقدس و حلال رزق کا
سبب تصور کر کے معاشرے میں اس کا احترام پیدا کرتا ہے، لیکن اشتراکیوں نے
اجتماعی اور قومی مصالح کے نام پر مزدوروں پر ایسی قیود و پابندیاں اور سختیاں
فائدہ کر دیں کہ بیچارے مزدور انسانیت کے مقام سے گر کر کوہو کے بل بنا دیے گئے
ان کی قوت سے بڑھ کر کام لینا، احتجاج کرنے کے حق سے محروم کرنا اور ان کی
عورتوں اور بچوں کے مشقت لینا اور اس کے بدلے کوئی کے چند ٹکڑے اور موٹا
کپڑا اور رہائشی کیمپ میں تنگ سی جگہ دینا کہ جہاں غسل خانے تک مشترک ہیں جن
میں لمبی لمبی قطاروں میں کھڑا ہونا پڑے۔ پھر بھی حسبِ خواہش بنانے کی آزادی
تک میسر نہیں۔ اشتراکیت کی بدولت بیچارے مزدوروں کے حصہ میں یہی غنائیتیں
ہیں اور بس۔ اور افسوس یہ ہے کہ ان غنائیات کے خلاف جو کسان و مزدور آواز
بلند کرے اور اسے باغی قرار دیکر چند منٹوں میں گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

اگر ان حقائق کو ملاحظہ کرنا ہو تو چین اور روس کا غیر سرکاری طور پر دورہ کر کے دیکھیں
جو سرکاری مہمان وہاں جاتے ہیں وہ وہاں کی حکومت کے مطابق ہی وہاں کا کام
لیتے ہیں جن میں مصنوعی طور پر سب کو خوشحال ظاہر کر کے دکھایا جاتا ہے جیسے مزدور

کے سانچے میں ہمارے فوجی قیدی جب ہندوستان کی قید میں تھے تو وہاں کی حکومت
ان کے بیانات ریڈیو سے نشر کرتی کہ ہمیں بڑے آرام سے رکھا جاتا ہے۔ ہمیں کسی
طرح کی کوئی تکلیف نہیں ہے، ہم ایسے رہتے ہیں جیسے گھر میں ہوں، حالانکہ واپسی
کے بعد انہوں نے اپنے ساتھ حکومت انڈیا کے کیے گئے سلوک کی جو داستانیں سنائیں
اس سے سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

محنت کشوں کے متعلق اسلام کی روح پروریات | اس کے

اور مزدور کے ساتھ اسلام جو مشفقانہ سلوک روا رکھنے کے احکام صادر فرماتا ہے
ان سے ایک عام مزدور صنعت کار اور مالک ادارہ کے سربراہ کے ساتھ برابر
عزت و وقار کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے :

حضرت معمر فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر سے مقام پر ملا تو میں نے دیکھا کہ
انہوں نے ایک ازار اور چادر زیب تن فرما رکھی تھی اور ان کے غلام نے بھی اس
طرح کا لباس پہن رکھا تھا (آقا اور غلام کے لباس میں کوئی فرق نہ تھا) تو میں نے
حضرت ابوذر سے اس کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے
غلام کو سخت کلمہ کہہ دیا (کالی عورت کے بیٹے کہہ کر پکارا تھا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر!
تم نے اسے مال (کے کالے رنگ) کی عمارد لاتی ہے، تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی
پھر فرمایا :

اِنَّكُمْ خُلَاقٌ لِّمَن تَعْبُدُونَ
یعنی تمہارے ماتحت کام کرنے والے

اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ
اَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَكُلُ
وَلْيَلْبَسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تَكْفُرُوهُمْ
مَا يَغْلِبْهُمْ فَاَنْ كَفَرْتُمْ اَهُمْ فَآ
عِيسُوهُمْ - (صحيح البخاري)

۱ ص ۱ طبع دہلی) اور اگر بتاؤ تو ان کی امداد و اعانت کرو
یہ ہدایت مبارکہ معاشرہ میں مزدور کو ایک باوقار مقام عطا کرنے کے ساتھ
ساتھ لائے رہنما اصول بھی پیش کرتی ہے جنہیں عمل میں لانے سے وہ تمام مفاسد
اور خرابیاں بیکسر ختم ہو جاتی ہیں جو آج معاشرتی بے چینی کا باعث بنی ہوئی ہیں
یہ وہ اصول ہیں جنہیں محدثین و ائمہ اسلام نے اس حدیث سے اخذ کئے ہیں :
چنانچہ امام بدر الدین عینی عمدۃ الفقاری میں فرماتے ہیں : (بحرف طوالت عربی
کے بجائے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

اسلام کے نظام معیشت و معاشرے متعلق اہم ہدایات و اصول :
اول : یہ کہ اپنے ماتحت کو ایسا کلمہ کہنا ممنوع جس سے اس کی عزت
انسانی میں فرق آتا ہو اور ایسی بات بھی کرنا منع ہے جس سے ایک کی برتری کے ساتھ
دوسرے کی تحقیر لازم آتی ہے بلکہ اس کے برعکس ماتحت کے ساتھ احسان و شفقت
سے بھرپور برتاؤ کیا جائے۔ پھر عبد کا ایک وسیع مفہوم ہے (ماتحت خواہ وہ مزدور
مہویا خادم و نوکر اور کمزور و ضعیف ہو اور اسی طرح جانوروں کو بھی برا بھلا کہنا
اور ان کی طاقت سے زائد بوجھ دلانا منع ہے۔

دوم : ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اس انداز سے اپنا ترغیب اور برتری
نہ جلاتے کہ اس سے دوسرے کی تذلیل و تحقیر لازم آتی ہو۔ اگرچہ وہ غلام و نوکر اور
مزدوری کیوں نہ ہو کہ برتری کی بنا کارخانہ داری یا صنعت کاری و زمینداری
نہیں بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ
اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ
کہ میرے نزدیک وہی اچھا ہے
جس کا عمل اچھا ہو۔

سوم : یہ امر بھی لائق تحسین و ثواب و راز جملہ آداب ہے کہ مالک
نوکر کا کھانا پینا بھی یکساں ہو جب کھاتے اور پہننے میں یکسانیت اسلام کے نزدیک
محبوب و مرغوب ہے تو رہائش و سکونت میں کیوں نہ ہوگی، لہذا اسلامی آداب و اخلاق
عالیہ کا تقاضا ہے کہ رہنے کی سہولت بھی یکساں ہو۔ آج کے غیر عادلانہ سرمایہ دارانہ
اور سوشلسٹ اشتراکیت کے پھیلائے نظام میں جو معاشی و رہائشی تفاوت ہے اسے
اسلام پسند یہ کمی نہ کاہ سے نہیں دیکھنا کہ کوئی تو اعلیٰ و عمدہ اور ایک ایک مرتبہ کے
ایرکنڈیشننگ بلکوں اور تفریح گاہوں سے لطف اندوز ہوں اور ان کے علاوہ انہیں
گھر کے باہر دفن تر میں بھی بے پناہ سہولتیں میسر ہوں اور کسی کے ٹکٹ یا ٹارگٹ کے
بھی مشکل سے ہوں اور نہ ہی انہیں برقی پنکھوں سے پسینہ سکھانے کی سہولت میسر
ہو حدیث میں ہے کہ جو شخص رہائش کے لئے مزدورت سے زیادہ زمین گھیرے گا قیامت
کے روز وہ اس کے سر پر رکھی جائیگی

چہارم : انہیں طاقت سے اندک کام نہ بتایا جلتے اور نہ ہی ان سے
اس قدر تسلسل سے کام لیا جاتے کہ وہ تھک کر چور چور ہو جائیں۔

زکوٰۃ کا صدقہ واجبہ سے تعلق ہے اور اس آیت کا صدقہ نافذ ہے۔ امام ابن جریر
تفسیر طبری میں فرماتے ہیں :

بَلْ مَثْبُتَةٌ الْعَقْفُ عَنِ
مَنْسُوحَةٍ (ج ۲ مد ۲۱۵)
یعنی اس آیت کا حکم باقی ہے
منسوخ نہیں ہے۔

اس آیت کو مزدوروں کے لئے صنعت کے منافع کی حصہ کی دلیل بھی قرار دیا
جاسکتا ہے۔ بہر صورت قرآن کریم میں وارد جامع الفاظ اپنی معنوی وسعتوں کے
اعتبار سے اس نئی تعبیر کے بھی متحمل ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ آج کے حالات چونکہ پہلے
سے ہی خدا علیم وخبیر کے علم میں تھے اور اسے معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس
میں محنت کشوں کے مسائل پیدا ہوں گے اور اسلام ایک ہمہ گیر اور ابدی دین ہے
تو مسلمان محنت کش اسلام سے امیری کے طلب گار ہوں گے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے
زکوٰۃ و عشر کے حکم کو اپنے ارشاد و اتوالا زکوٰۃ اور والواقفۃ بعد حصادہ
میں علیحدہ علیحدہ بیان فرما کر ”العفو“ کی شق بھی رکھ دی اور ”العفو“ کا ذکر
قرآن میں صحابہ کرام کے ایک سوال کے جواب میں دیا ہوا۔ ”النفاق فی سبیل اللہ“ خدا
کی راہ میں خرچ کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ واجب ضروری کہ اس کے ترک پر گناہ و
عذاب کا مستوجب ہو۔ یہ زکوٰۃ و عشر پر صادق آتا ہے۔ دوسرا مستحب کہ اس کے ترک
پر گناہ و عذاب کا موجب تو نہیں، لیکن وہ باہمی تعاون و ہمہ روی و اخوت اور
اخلاقی قدروں کی علامت و عظمت و شرافت انسانی کی نشانی ضرور ہے اور ”العفو“
اسی سے عبارت ہے جہاں کمال انفاق واجب یعنی زکوٰۃ و عشر کا تعلق ہے اس کے
لئے اموال بھی متعین ہیں اور انصاف بھی! لہذا یہ بات واضح ہے کہ صحابہ کرام کا عاذا

ینفقون سے انفاق کے بارے میں سوال انفاق واجب کے علاوہ کسی اور انفاق سے
متعلق ہوگا اور وہ انفاق مستحب ہے، یعنی باہمی تعاون و ہمہ روی کی بنیاد پر نفاذ
ایثار جو انسانی قدروں کی ترقی کا ذریعہ ہے اور وسعت نظر کی کا ثبوت بھی جو شرافت
انسانی کا ایک لازمہ ہے اور مزدوروں کے لئے بونس وغیرہ کی بنیاد اسی حقیقت
پر مبنی ہے ”جو العفو“ میں مضمر ہے۔ علاوہ ازیں سرمایہ دار اور محنت کش کے
درمیان جو گہرا رابطہ و تعلق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں اس
کی اہمیت بھی اس بات کی مقتضی ہے کہ سرمایہ دار مقررہ تنخواہ اور مزدوری کے علاوہ
بھی مزدور و اجیر کے ساتھ وقتاً فوقتاً احسان و رواداری کا برتاؤ کرتا ہے جو پیداوار
منافع میں سے شتاہی یا سالانہ بونس کی صورت میں ادا کیا جاتے جسے اسلامی معیشت
میں ایک کریمانہ اور فیاضانہ معاشرت یاہمی سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس سے بڑا فائدہ
یہ ہوگا کہ مزدور میں ایک مزدور کی حیثیت سے بڑھ کر سرمایہ دار کے حق میں ایک ہمدرد
کارکن ہونے کا جذبہ پیدا ہوگا اور یہی جذبہ اسے دیانت و محنت پر مزید ابھارے
گا اور محنت ہی پیداوار میں ترقی اور اضافے کا باعث ہے۔
بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شر تر تیشہ سے ہے خانہ فرماؤ

زمیندار اور کسان کا مسئلہ
اسی طرح اسلام کے نظام معیشت
نے کساقوں کو وہ مقام بخشا ہے
جس کی مثال اسلام کے سوا دنیا کے کسی ازم میں نہیں ملے گی۔ زراعت و کھیتی
باڑی سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشاد ات عالیہ دلیل کے طور

پر کافی ہیں جو گذشتہ سطور میں مذکور ہوئے۔

ہمیں اس بات کا افسوس

کاشت کار اور زمیندار کا صحیح مقام

ہے کہ کسان و مزارع اور

زمیندار کو جو محنت کر کے زمین آباد کرتا ہے اور زراعت کی مدد سے ملک کی معیشت کے استحکام میں مدد دیتا ہے اس کا عین مقام نہیں ملا۔ اسلامی معاشرے میں وہ حد احترام و تعظیم کا مستحق ہے کیونکہ پوری قوم بلکہ بڑے بڑے بادشاہ تک بھی اس کی کمائی کھاتے ہیں۔

اس کے نعمت خانی کی ہر چیز بے نامی ہوتی

ہیئے والا کون ہے؟ مگر غریب بے نوا

کاشت کار اور زمیندار کے درمیان جو حاکم و محکوم کا غیر عادلانہ سلسلہ قائم ہے اسلام کے نظم معیشت میں وہ سراسر غلط اور ظلم و زیادتی ہے۔ کیونکہ اس میں زمیندار ایک قاصد حاکم اور کاشت کار ایک غلام و محکوم نظر آتا ہے۔

لیکن اسلام کا کاشتکاروں

زمیندار اور کاشت کار برابر کے کاروباری ہیں

پر کس قدر احسان ہے

کہ اس نے زمیندار اور کاشت کار کے درمیان ایک ایسا مقدس اور پُر وقار تصور قائم کیا ہے جس کی رو سے زمیندار و کاشت کار برابر کے کاروباری تصور ہوتے ہیں کسی کو ایک دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے کیونکہ صاحب زمین اگر تاجر منہ ہے تو دوسرا تاجر ہے۔ یعنی تاجر منہ اور تاجر میں حاکم و محکوم کا کوئی تصور نہیں بلکہ دونوں کی برابر کی رضامندی سے معاملہ ملے پاتا ہے اور اگر ثبات کی صورت ہے تو ایک

طرف کے زمین ہے تو دوسری طرف سے بیج و وسائل کاشت اور محنت ہے پھر کیا وجہ ہے کہ زمیندار حاکم و آقا اور کاشت کار محکوم و غلام ہو؟ چنانچہ ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

لَا تَزَالُ الْمَزَارِعَةُ فَفِيهَا الْإِجَارَةُ
وَالشَّرِكَةُ تَنْعَقِدُ أَجَارَةً شَرًّا
یعنی اس لیے کہ مزارعت میں اجارہ
اور شرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔ یہ
ابتداء معاملہ میں اجارہ اور نتیجہ میں
شرکت بن جاتی ہے۔ (ج ۶ ص ۱۷۷)

اور اسی طرح مجمع الانہر شرح ملتقى الأبحر میں ہے (ملاحظہ ہو، ج ۲ ص ۴۹۹ طبع مصر) اور امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

كَذَلِكَ الْأَدْعَى عِنْدِي
هِيَ بِمَنْزِلَةِ مَالِ الْمُضَارَبَةِ
یعنی جیسے مضاربہ درست ہے
کہ ایک طرف سے مال اور دوسری طرف
سے محنت اور نفع میں دونوں شریک (ص ۸۸)

اسی طرح میرے نزدیک زمین بھی مال مضاربہ کے بمنزلے ہے۔

یعنی ایک صاحب زمین اور دوسرا تاجر اور دونوں نفع میں شریک ہیں خواہ مزارعت کا معاملہ ہو یا اجارہ کا ہاں شریف ہے:

فَيَجُوزُ اخْتِبَارُهَا بِالْمُضَارَبَةِ
سے جائز ہے۔ (ج ۱ ص ۴۲۲)

اسی طرح نسائی شریف میں ہے:

كَانَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي أَبَنَ سَيِّدِ بْنِ
امام محمد بن سیرین فرماتے تھے کہ میرے

يَقُولُ الْاَرْضُ عِنْدِي مِثْلُ مَالٍ
الْمُضَارَبَةُ فَصَحَّحَ فِي مَالٍ
الْمُضَارَبَةُ بَلَوُ صَلَاحٍ فِي الْاَرْضِ
وَمَا لَمْ يَصْلَحْ فِي مَالٍ الْمُضَارَبَةُ
لَمْ يَصْلَحْ فِي الْاَرْضِ -

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۷)

یعنی زمین کا معاملہ لگان اور بٹائی میں مضاربت کے مال کی طرح ہے اور مضاربت
بہمی تعاون و شراکت پر مبنی ہے جس میں فریقین کو مساوی حیثیت حاصل ہوتی ہے،
ان میں حاکم و محکوم اور اقا و غلام کا کوئی تصور نہیں ہوتا، لہذا زمیندار کے لئے ہرگز جائز
نہیں کہ وہ کاشت کار سے زمین معلوم کی کاشت کاری کے علاوہ دوسری خدمات بالجبر لے
یہ عین ظلم ہے جسے اسلام کا نظام عدل ہرگز برداشت نہیں کرتا ہے
میں کہ میری نوا میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت صحتے ہو توں کی جستجو

مزارعت یعنی زمین
مزارعت میں وارد متعارض حدیثوں میں تطبیق

بارے میں جو متعارض احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں تطبیق کی صورت ہے کہ مخالفت
کی حدیثیں اس صورت پر محمول ہیں کہ متعاقدین زمین کے حصے کر لیں کہ اس طرف کی پیداوار
فلاں کے لئے اور دوسری طرف کی فلاں کے لئے چنانچہ اس کی تائید میں صحیح بخاری کی حدیث
شریف پیش خدمت ہے حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں:

كَمَا أَكْثَرُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ
حَقْلًا كَانَ أَحَدًا يَكْبُرِي
أَنْعَمَهُ فَيَقُولُ هَذِهِ الْقِطْعَةُ
لِي وَهَذِهِ لَكَ فَرَبَّنَا أَخْرَجَتْ
زَهْرًا وَلَمْ تَخْرُجْ زَهْرًا فَتَمْنَاهُمْ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

(ج ۱ ص ۳۱۳)

یعنی جہاں سے ہاں اکثر اہل مدینہ
کاشت کرتے تھے اور ہم میں سے کچھ لوگ
اپنی زمینیں حقانے پر دیتے اور کہتے کہ یہ
مکڑا میرا ہے اور یہ تیرا پس کبھی اس مکڑے
میں پیداوار ہوتی اور کبھی اس میں لہذا
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ
سے مزارعت کرنے کو منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زمین بٹائی پر دینا بلاشبہ جائز ہے اور اس میں زمیندار و کاشت کار
برابر کے معاملہ دار ہیں اس میں مالکیت و حکومت کے تصور کو اسلام برداشت نہیں
کرتا۔ نیز اگر زمیندار کاشت کار کو رہائشی جگہ اور مکان دیتا ہے تو محض اس کی
وجہ سے اسے کاشت کار کو اپنا غلام بنانا جائز نہیں۔ اگرچہ ہے تو وہ اس جگہ کا مناسب
کرایہ لے سکتا ہے ورنہ یہ کاشت کار کے ساتھ باہمی رواداری اور ہمدردی پر مبنی
مراعات تصور ہوگی اس سے اس کو اپنا خدمت گار یا غلام نہیں بنا سکتا ہے

کہہ رہا ہے داستان بے دردی ایام کی
کوہ کے دامن میں وہ علم خانہ دھقان پیر
سہ اپاشی
ملکی زراعت کی ترقی کے لئے وسائل آبپاشی میں ترقی و توسیع
بھی ضروری ہے اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں
اسے بھی اہمیت حاصل ہے اس لئے اسلام نے اس کے حسبِ قیاس و قواعد
مقرر کیے ہیں:

۱۔ تالاب کنوئیں، جوہڑ اور چشے اگر کسی خاص شخص کی ملکیت میں نہیں ہیں، تو ان میں سے پہلے کے تمام افراد حق دار و نفع اٹھانے کے مجاز ہیں۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں مذکور حضرت صالح علیہ السلام کی ناکہ کے پانی پینے کے واقعہ سے عیاں ہے۔ سورۃ شعراء کو ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمان مین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں

حدیث میں ہے
انحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالنَّارِ الْبُودَاوَدِ
ج ۳ - ص ۴۹۲

امام شمس المصطفیٰ فرماتے ہیں (بحرف طوالت صرف ترجمہ دیا جاتا ہے)
کہ دوسری روایت میں ہے 'آپ فرماتے ہیں۔

"الناس شركاء في ثلاث" تمام لوگ ان تینوں چیزوں میں

برابر کے حصہ دار ہیں اور یہ پہلی روایت ابوداؤد کی روایت سے عام ہے کہ اس میں تمام انسانوں کی شرکت کا اعلان ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر اور پانی کے بارے میں یہ شرکت وادیوں، دریاؤں (یعنی خود پانی) سے متعلق ہے، جیسے دریائے سیحون، جیحون، وبلد، ذات، نیل (او) پنجاب میں پانچوں دریا اور نہریں) اس لئے کہ ان سے فائدہ اٹھانا ایسا ہے جیسے سورج کی دھوپ اور ہوا سے فائدہ حاصل کرنا کہ اس میں تمام

کائنات انسانی برابر کے شریک ہیں کسی کو حق نہیں کہ دوسرے کو روک سکے، اس کی مثال شارع عام کی ہے کہ اس پر ہر مسلمان و کافر سب کو چلنے کا حق ہے اور لفظ شرکت (وارد در حدیث) اسے اصل اباحت اور انتفاع میں تمام انسانوں کا مساوی ہونا مراد ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ ان کی ملکیت ہے کہ وادیوں اور دریاؤں میں موجود پانی کسی کی ملکیت نہیں (المبسوط ج ۲ ص ۱۱۴۴)

یہ آپاشی کا حق تھا۔ البتہ شخصی کنوؤں، حوضوں اور تالابوں و چشموں میں پانی پینے اور جانوروں کو پلانے کا ہر ایک کو حق ہے، مالک اس پانی کو پینے کے لئے فروخت نہیں کر سکتا، البتہ برتنوں میں بھرا ہوا پانی فروخت کر سکتے ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں :

وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْمَاءِ إِذَا كَانَتْ
فِي الْأَوْعِيَةِ (كتاب الخراج ص ۹۵)
کہ جب پانی برتنوں میں ہو تو اسے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اور اگر ایک شخص کے پاس پانی ہے اور دوسرے کو اس قدر پیاس ہے کہ خطرہ جان تک نوبت پہنچ رہی ہے اور قوت خرید بھی نہیں اور پانی کا مالک معاوضہ کے بغیر پینے کی اجازت نہیں دیتا، تو اس کی اجازت کے بغیر ہی جیسے ہو سکے پانی لے کر پیاس بجھائے۔ کتاب الخراج میں ہے :

إِلَّا أَنْ يَكُونَ حَالُ ضَرُورَةٍ
يَخَافُ عَلَى نَفْسِهِ (ص ۹۰)
کہ خطرہ جان کی حالت میں بلا اجازت پانی لے۔

اسی سے واضح ہو گیا کہ معاشیات نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں انسانی

زندگی کے تحفظ کا مسئلہ درپیش ہو تو اس کے مقابلہ میں ذاتی ملکیت کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ یہ پانی ہمک ہی محدود نہیں اس حکم میں دیگر ضروریات زندگی بھی شامل ہیں جن پر انسانی کے بقا کا دار و مدار ہے۔ زبردستی لے کر جان بچانے کا علاج تو آخری علاج ہے اور یہ ان سے بڑھا جاتا ہے جو سرمایہ دولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں انسانی زندگی کی قدروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، لیکن اسلام ایمان کے تقاضوں سے بہرہ ور مسلمان یہاں تک نوبت پہنچنے ہی نہیں دیتے بلکہ وہ اس کے برعکس اپنے اشار و خدمت خلق کے عملی جذبے معاشرہ میں یک نگی پیدا کئے بغیر نہیں رہتے۔

باغیاں ہو سبق آموز جو یک نگی کا ہمزباں ہو کہ میں کیوں طیو و گلزار دے ہی جام ہمیں کہ مناسب ہے یہی تو بھی سرشار ہو تیرے فقار بھی شرار

فالتوپانی نیچے والا روز قیامت خدا کے فضل سے محروم ہوگا اور بہتر یہ ہے کہ جس کے پاس فالتوپانی ہو تو وہ آبپاشی کے لئے دوسروں کو مفت میں دے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے ان کو خط لکھا کہ میں نے آپ کی زمینوں کی سیرابی کے بعد باقی پانی کا تیس ہزار درہم میں فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اب آپ کی اجازت مطلوب ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے تمہارا مطلب سمجھ لیا، لیکن میرے پیش نظر وہ حدیث ہے جس میں ضرورت سے زیادہ پانی اور گھاس کو روکنے اور دوسرے کو فائدہ نہ پہنچانے والے شخص کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ناراضگی کا ذکر ہے۔

مَنْعَهُ اللَّهُ فَضْلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِذَا جَاءَكَ كِتَابِي هَذَا فَأَسْتَقِ نَحْلَكَ وَزَوْعَكَ وَأَحْمَلْكَ وَمَا فَضَلَ فَأَسْتَقِ خَيْرَ لَكَ أَلَا قَرَبَ فَإِلَّا قَرَبَ -
(کتاب الخراج ص ۱۹۶)

سب زیادہ قریب ہو پھر اسے جو اس کے بعد قریب ہو۔

البتہ اگر پانی والے کا کچھ خرچ ہوا ہو تو پانی لینے والے سے مناسب اور کم از کم جو خرچ ہوا ہو سہلے سکتا ہے، لیکن پیداوار کا نصف لینا دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے جو مذبحہ ایشا ردا اخلاق مالئہ ہمدردی کے منافی ہے۔ آبپاشی کی نہریں اور سرکاری ذرائع آبپاشی صرف مصالح عامہ اور معاشی وسائل کی ترقی کھاتے ہیں، حکومت کو اجازت

نہیں کہ وہ انہیں آمدنی میں اضافہ کا ذریعہ بنائے۔ اگر حکومت کا بیت المال (خزائنہ) اس قدر متحمل ہے کہ ان نہروں اور ٹیوب یوں کی حفاظت اور بقا کے لیے علاوہ ضروریات کا بوجھ اٹھا سکتا ہے تو عوام سے آبیانہ یعنی پانی کی قیمت وصول کرنے کی اسلام کا نظام معیشت اجازت نہیں دیتا اور اگر بوجھ نہ اٹھا سکتا ہو تو اس قدر قلیل آبیانہ لیا جاسکتا ہے جس سے ان نہروں کی اور ٹیوب یوں کی حفاظت و بقا کے انتظام ہو سکیں اور جہاں عوام کو نہروں کی ضرورت ہو وہاں سربراہ مسلمین کے لئے ضروری ہے کہ نہریں کھدوائے اور اس کا خرچ عوام کے نہیں بیت المال کے ذمہ ہوگا۔ ہاں

اگر بیت المال میں اس قدر سرمایہ نہیں کہ نہر کی کھدائی کو کافی ہو سکے، تو بقدر ضرورت دولت مندوں سے لے سکتا ہے، چنانچہ کتاب المبسوط میں ہے:

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي بَيْتِ الْمَالِ
فَلَهُ أَنْ يَجْعَلَ السُّلَمِيْنَ عَلَى ذَٰلِكَ
وَيُخْرِجَهُمْ لِأَنَّ الْمُنْفَعَةَ فِيهِ
لِلْعَامَّةِ فَفِي تَرْكِهِ ضَرْبٌ عَامٌّ

اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو تو حکومت اسلامیہ کا سربراہ دولت مسلمانوں کو مجبور کر کے ان سے مالی امداد لے سکتا ہے؛ کیونکہ اس میں سب کا فائدہ ہے اور اس کے ترک میں سب کا نقصان۔

(ج ۲۳ ص ۱۷۵)

اسلام کے نظام معیشت پر صرف گیری محنت والے ذرا غور تو فرمائیں کہ اس میں عوام پر ٹیکس عائد کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ ملکی خزانہ افراتبا کا تحمل ہے، اس میں ٹیکس عائد کرنے کو مشغلہ بنانے کی اجازت نہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر اس نظام کی بہتری اور برتری کسی کو نظر نہ آئے، تو اس کے سوا کیا عرض کیا جا سکتا ہے؟

میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک

دیرینہ ہے تیرا مرض کورنگاہی

مسئلہ صنعت و حرفت

اسلام ایک ایسا ہمہ گیر نظام حیات ہے جو ہر زمانے میں ترقی کی راہنمائی فرماتا ہے اپنے ماننے والوں کو سائنسی عملی اور تجرباتی دنیا میں آگے بڑھتے رہنے کا سبق دیتا ہے کسی بھی ملک کی کامیابی اور ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کی معاشی حالت بہتر بلکہ بہتر سے بہتر ہو اور معاشی بہتری کا حصول اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک

ملک کے ذرائع پیداوار مستحکم اور مضبوط نہ ہوں اور اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ ذرائع پیداوار میں صنعت کاری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

صنعت کاری کی اہمیت کا اندازہ قرآن و سنت کے مطالعے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صنعت کاری کی تعلیم سے نوازا اور انہیں صنعت کاری کا حکم فرمایا،

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا: وَاصْنِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحَيْنَا كَمْ تَمَّ هَمَارِي نِغْرَانِي مِیْنِ اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرو: وَيَصْنَعِ الْفُلْكَ یعنی حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے کشتی بنانے لگے کشتی تیار ہو گئی جس میں نوح علیہ السلام نے خود کو اپنے ماننے والوں کو سوار کر کے ہلاکت خیز طوفان سے بچالیا۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی یہ کشتی اس قدر وسیع و عریض تھی کہ اس وقت کی مومن آبادی اور جانوروں کے جوڑے اس میں سما گئے، پھر نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے کا جو حکم ہوا اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بذات خود اپنے ہاتھوں سے اسے تیار کرتے بلکہ کاریگروں کے ذریعے تیار کرانا بھی اس حکم میں داخل ہے۔

اس واقعے کے بیان کرنے سے جہاں کئی ایک دوسری حکمتیں مضمر ہیں وہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مملکت کے کارپرداز اور ذمے دار حضرات کو اپنے ملک میں ہر ایسی صنعت و حرفت کو عمل میں لانا اور پھیلانا چاہیے جس سے ملک کے باشندوں کی جانی اور معاشی تحفظ کی صورت پیدا ہو۔ اگر اُس زمانے میں کشتی کی صنعت اسی عرض کے لئے ضروری تھی تو آج اس کا بدلہ دوسرے قسم کی صنعتیں ہیں جن کا وجود ملک اور اس کے

کے باشندوں کی بقا رکھنے کے لئے از حد ضروری ہو گیا ہے نیز یہ بات واضح ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے کا حکم اس وقت ہوا جب طوفان کا بھی وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جب آپ کشتی تیار کرنا شروع کی تو غافلین آپ پر طعن و تشنیع کرنے لگے کوئی کہتا کہ یہ کیسے آدمی ہیں کہ پانی کا نام و نشان تک نہیں اور یہ اپنے آپ کو بلا وجہ رحمت میں ڈالے ہوئے ہیں اور کوئی یوں کہتا وہ 'نبوت کرتے کرتے بخاری یعنی ترکھان پنا بھی کرنے لگے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں یَقُولُونَ لَاصْرَتِ نَحَارًا بَعْدَ الْكَسْفِ نَبَاً كَرِهُتُمْ سَأَلْتُمْ ابْنِ تَرْكْهَانَ پتے ہیں لگ گئے۔ لیکن آپ نے اس قسم کی باتوں پر کان دھرے بغیر اپنی ذمہ داری پوری فرمائی اس میں یہ ارشاد بھی ہے کہ مملکت کے سربراہوں اور با اختیار لوگوں کو نہ صرف موجودہ مشکلات سے قوم کو نجات دلانے کی فکر کرنا چاہیے بلکہ مستقبل میں پیش آنے والی متوقع مشکلات بھانپتے ہوئے ان سے غلطی کی قبل از وقت تیاری کو دینی چاہیے اور اس سلسلے میں تمام حفاظتی تدابیر بروئے کار لانے سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔

صنعتی ترقی ہی ایک ایسی کامیاب تدبیر ہے جسے اختیار کرنے کے بعد ملکی مشکلات پر بہ احسن وجہ قابو پایا جاسکتا ہے پھر لوگوں کی طرف سے نوح علیہ السلام کو بخاری اور ترکھان پنے کے طعنے دینے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر نوح علیہ السلام نے کاریگوں سے کشتی بنوائی ہو تاہم انہوں نے خود بھی عملی طور پر اس میں ضرور حصہ لیا ہو گا اس سے ہمیں اس بات کا درس دینا مقصود ہے کہ صنعتی ترقی میں مملکت کے ذمے دار افراد کو بذات خود حصہ لینا اور خود جا کر صنعتی مراکز کا جائزہ لیتے رہنا

چاہیے تاکہ صنعتی کارکردگی بہتر سے بہتر ہو اور کام کی رفتار سست ہونے کی بجائے تیز تر ہوتی چلی جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد و با صیبتا سے جس کے معنی ہیں۔ "ہماری نگرانی میں" اس بات کی تنبہ یہ ہے۔ ملک و ملت کی فلاح و ترقی کے جذبے سے جو صنعت کاری عمل میں لائی جاتی ہے۔ اس کا نگران اعلیٰ ملک و ملت کا خالق و مالک خدا ہے وہ صنعت کاروں کا ریگروں اور کاریگوں کے نہ صرف عمل و کارکردگی کو خود دیکھ رہا ہے۔ بلکہ ہر ایک کی نیت، جذبے اور اخلاص سے بھی باخبر ہے۔

اگر کوئی صنعت کاری اور ملکی ترقی کے جذبے سے عاری ہو کر محض حصول زر اور نفس پروری کے خیال سے صنعت قائم کرتا ہے تو خدائے قدوس اس کے اس غلط جذبے سے بھی باخبر ہے اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ صنعت کا دنیا میں کسی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ مگر اسے روز قیامت کسی بہتر جزا کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ بلکہ اس کی بجائے ہو سکتا ہے کہ اسے خدا داد صلاحیتوں کو رضائے الہی، ملکی اور ملی مفاد کے خلاف استعمال کرنے کی سزا بھی مل کر رہے۔ اسی طرح اگر کوئی کاریگر اور کارکن ملکی اور ملی جذبے سے عاری ہو کر قومی و اجتماعی مفاد کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کا حق ادا نہ کرے ہو سکتا ہے وہ دنیا کی باز پرس سے بچ رہے مگر خدائے قدوس جو اس کا نگران اعلیٰ ہے وہ اس کی باز پرس سے تو نہیں بچ سکے گا۔ نیز اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی بلاشبہ قادر تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو کشتی کے بغیر طوفان سے محفوظ رکھتا مگر اس کے باوجود انہیں کشتی کی صنعت کا حکم دینا اس بات کی

طرف اشارہ ہے کہ یہ جہان جسے ہم دنیا کے نام سے یاد کرتے ہیں عالم انبیا ہے اس لئے دنیا میں خیر اور شر، ترقی اور زوال کو اسباب و علل کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے گٹھلی اور دانے سے پودا تبھی اُگ سکتا ہے جب اسے زمین میں دبا دیا جائے پیاس بجھانے کو پانی، بھوک مٹانے کو کھانا اور مرض دور کرنے کو دوا ایک خدا کا پیدا کردہ سبب ہے اسی طرح ملک و ملت کی ترقی کے لئے بھی اسباب پر نظر رکھنا قانون خداوندی کی تعمیل ہے۔ معاشی خوشحالی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو اسباب بنائے ہیں، ان میں سے صنعت کاری ایک اہم سبب ہے جسے نظر انداز کر کے کوئی قوم معاشی خوشحالی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

صنعت و حرفت کی دو قسمیں

صنعت و حرفت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جسے ہم معاشی خوشحالی کے لئے عمل میں لاتے ہیں اور یہ وہ فیکٹریاں اور کارخانے ہیں جن سے حاصل کردہ پیداوار ہمارے لباس، خوراک، سواری، مکانات اور شہر کی تعمیر و ترقی میں کام آتی ہے اور جب ان کی پیداوار ملکی ضروریات سے زائد ہو جاتی ہے تو اسے ملک سے باہر بھیج کر زرمبادلہ بھی کمایا جاسکتا ہے۔ دوسری وہ صنعت ہے جو ملک و ملت کی دفاعی اور جنگی ضروریات میں ہمیں مدد دیتی ہے، جن سے اسلحہ کی پیداوار حاصل کی جاتی ہے اسلحہ سازی کی صنعت کی اہمیت بھی اس بات سے واضح ہو جاتی ہے کہ اسے حضرت داؤد علیہ السلام نے بذاتِ خود اپنے دستِ اقدس سے شرف بخشا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے (سورۃ انبیاء) ترجمہ یعنی ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تمہارے نفع کے لئے زرہ کی صنعت سکھلا دی تاکہ وہ تمہیں تمہاری

ادشمن سے لڑائی میں بچا سکے۔ اس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ملک میں ایسی صنعتیں قائم کرنا جن سے ملکی خوشحالی کے علاوہ دفاعی ضروریات بھی پوری ہوں عین منشا الہی ہے جسے نظر انداز کر کے کوئی قوم اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی۔

اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ صنعت کاری سنتِ انبیاء ہے اگر ہم قدیم تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ باقی نہیں رہ جاتا کہ صنعت کاری کے بہت سے شعبے انبیاء سابقین کے ہاتھوں معرضِ وجود میں آئے اور یہ کہ صنعت کاری کے متعدد شعبوں کا سلسلہ کسی نہ کسی نبی سے جاملتا ہے چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کا پیشہ زرہ سازی، حضرت آدم کا کھیتی باڑی، حضرت نوح کا بڑھئی، حضرت ادریس کا درزی اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا بکریاں چرانے کا تھا۔

امام ابو محمد حسین بن سعود بغوی علیہ الرحمۃ اپنی مشہور تفسیر معالم التنزیل میں فرماتے ہیں۔ یعنی حضرت ادریس کو ادریس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آسمانی صحیفوں کا بکثرت درس دیا کرتے تھے آپ نے سب سے پہلے قلم سازی کپڑے سینے، کفار سے لڑنے کے لئے اسلحہ سازی کی صنعت اور علم حساب، علم تارگان کا فن بھی آپ نے ایجاد کیا۔ آپ سے پہلے لوگ چمڑے کو بطور لباس استعمال کرتے تھے۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ صنعت کاری کی ابتداء کس قدر پہلے سے کی جا چکی ہے اور یہ کہ کوئی معاشرہ صنعت کاری کی ضرورت سے کبھی بھی بے نیاز نہیں رہتا۔ نیز اس بات سے بھی صرف نظر نہیں کی جاسکتی کہ ملکی اور ملی ترقی کے

لئے جہاں معاشرہ کی معاشی خوشحالی کے سلسلے میں صنعتیں قائم کر کے انہیں زیادہ سے زیادہ فروغ دینا انبیاء سابقین کی سنت رہی ہے۔ وہاں ملک کی دفاعی ضروریات کے حصول اور سلازی کی صنعتیں قائم کر کے انہیں زیادہ سے زیادہ عروج دینا بھی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ رہا ہے۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ان سنتوں کا بیان کرنا اسی حکمت پر مبنی ہے کہ فَبِهَذِهِ الْأُمَمِ اثْبُتْهُ یعنی تم ان کی روش پر چلو، گئے مطابق ہم بھی ہر طرح کی صنعتیں قائم کر کے ملک و ملت کی بھلائی کے تقاضے پورے کر رہیں۔

اقوام عالم سے مقابلے کا حکم | اس سلسلے میں امت محمدیہ کو بھی واضح حکم دیا جاتا ہے کہ وَاعْبُدُوا اللَّهَ

ما استطعتم من قوۃ (انفالی) یعنی تم سے جس قدر ہو سکے اقوام عالم کے مقابلے میں قوت تیار کرو۔ اس میں بڑی گہری حقیقت کی تعلیم ہے وہ یہ کہ اہل کفر دین اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں اور رہیں گے وہ تمہیں معاشی اور جنگی حربوں سے کمزور کرنے کی مسلسل کوششیں جاری رکھیں گے۔ تمہیں بہر حال معاشی اعتبار سے اور سامانِ حرب و جنگ کی تیاری میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ جاری رکھنا ہوگا۔ وہ ہر طرح کی صنعتیں قائم کر کے تمہیں اپنا دست نگر رکھنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ اس سلسلے میں تمہیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش اور رست نہیں نہایت ہوشیاری اور چستی کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالنا ہوگا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا ہوگا ان کے آگے دست نگر ہونے اور ان سے امداد و اعانت کی بھیک مانگنے بغیر اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔ ملی حیمت و غیرت کا دامن تھامے ہوئے

اپنی علمی ادبی اور تہذیبی قوت صرف کر کے غیروں کا حسن و خوبی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہوگا قوۃ کھڑے ہونے یعنی کے تحت واقع ہو کر محسوس کا فائدہ ملے رہا ہے۔ پھر من مزید استغراق و احاطے کے لئے لاکر ہمیں اس بات کا سبق دیا جا رہا ہے کہ تمہیں دشمنانِ اسلام کے مقابلے کے لئے معاشی اور جنگی ضروریات کے حصول کے لئے ہر طرح کی صنعتیں قائم کر کے اپنی قوت کا خوب مظاہرہ کرنا چاہیے تاکہ تمہیں اپنی قائم کردہ صنعتوں کے بل بوتے پر بے نیازی کی دولت میسر ہو اور اختیار کے آگے دست سوال دراز کرنے کی قطعاً ضرورت نہ پڑے۔

صنعتی ترقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں | آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے جب اپنے ماننے والوں کو خدا تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا اور ساتھ ہی صنعتی کام میں دلچسپی لینے کے فضائل بیان فرماتے تو مسلمانوں نے صنعتی کاموں میں خوب محنت کی اور روز بروز صنعت کاری میں ترقی کرتے چلے گئے شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس کی طرف مسلمانوں نے توجہ نہ دی ہو معاشی خوشحالی سے متعلق صنعتِ حرفت میں نہ صرف وہ خود کفیل ہونے کی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے بلکہ جنگی تیاری میں بھی انہوں نے ترقی کے منازل خوب طے کئے۔ تلوار سازی اور نیزہ تیرکی ایجاد و ساخت میں وہ آگے نکل گئے۔ معاشی فلاح و بہبود سے متعلق تمام ذرائع بروئے کار لائے اور سامانِ حرب جنگ بھی نئے سے نئے ایجاد کئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں وہ صنعتی ترقی فرماتی جو ان کے مقابل غیر مسلم اقوام کے خواب خیال تک میں

نہ تھی حضرت امیر معاویہؓ نے ٹینک اور بحری بیڑا تیار کر لیا اور ان کے ذریعے فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ محمد بن قاسم کے زمانہ میں منجینق یعنی توپ بھی مسلمان کارگروں نے تیار کر کے صنعت کاری میں ایک اور سنہری باب کا اضافہ کیا اس صنعت کاری کو عروج و ترقی سے ہمکنار کر کے مسلمانوں کو وہ معاشی خوشحالی نصیب ہوئی کہ ہر شخص خوشحال اور فارغ البال نظر آتا ہے۔

مسلمانوں کی صنعت کاری کے سلسلے میں ترقی کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ افریقہ و یورپ تک ان کی صنعتی ترقی سے اکتاب فیض کرنے لگے۔ آج ہم یورپ و مغرب کے اقوام میں جو صنعتی ترقی دیکھتے ہیں دراصل یہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان کارگروں کا چشمہ فیض ہے جو نہ صرف یورپ و مغرب کے اقوام کو ارتقائی انداز میں سیراب کر رہا ہے بلکہ پورے اکناف و اطرافِ عالم کے لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہیں مگر طریقِ کاریں جدت کی بدولت دیکھنے والے کو مغالطہ لگتا ہے کہ یہی لوگ ہی ان صنعتوں کے خالق و موجد ہیں۔

عرب مسلمانوں کے فہم و ذہانت اور ان کی علمی و عقلی استعداد کا لوہا اقوامِ عالم کے اکثر و بیشتر مفکرین نے تسلیم کیا ہے انہوں نے اپنی تقریر و تحریریں اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ عرب مسلمان علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں اہلِ ذکاوت و ربابِ مغرب سے بدرجہا فائق تھے آج عرب ممالک کی بوسیدہ اور پرانی و قدیم عمارات و صنعتات اور یورپ و مغرب کی جدید صنعتوں کا موازنہ کیا جائے تو یہ بات دھکی چھپی نہیں رہتی کہ یورپ و مغرب کی جدید صنعتیں عرب کے قدیم صنعتی شاہکاروں کی نقل معلوم ہوتی ہے۔

پھر عرب کے کارگروں کے بعد برصغیر کے مسلمان کارگروں کی صنعتی ترقی نے نہ صرف سبقت حاصل کی بلکہ اس سے اقوامِ عالم سراپا استعجاب ہو کر رہ گئیں۔ آج بھی مسلمان کارگروں کی کمی نہیں ہے اپنے ملک میں اگر انہیں خدمت کا صحیح موقع فراہم کیا جائے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تو صنعتی ترقی کے سلسلے میں ہم آج بھی دنیا کو پیچھے چھوڑ سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج وقت کا اہم تقاضا ہے کہ ہم صنعت کاری کے میدان میں اپنی تمام قوت و صلاحیت عمل میں لا کر اپنے ملک کو ایک مثالی ترقی یافتہ مملکت کے طور پر دیکھ سکتے ہیں اس سلسلے میں ضروری ہے کہ ہم غیر ضروری کاموں اور لالچوں سے مشاغل پر ملک کی دولت کو لگانے کی بجائے اسے صنعتی ادارے قائم کرنے پر صرف کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ صنعت کاری کو اپنائیں۔ انشاء اللہ اس سے ہم غیروں کے محتاج ہونے اور ان کے حضور دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ یہی ہمارے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور یہی ہماری دینی حمیت و غیرت کا مقتضی ہے۔

خداوند قدوس اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے۔
سُودَ كَاخَاتِمِهِ (ترجمہ) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (اپنی قبروں سے) ایسے اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جسے شیطان (آیڈب) نے چھو کر باؤلا کر دیا۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں (سود خوروں) نے کہا کہ بیع سود کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے تو جسے خدا کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ

(آئندہ کے لئے سود سے تائب ہو کر) بازار گیا تو گزر چکا اسے معاف ہے اور اس کا معاملہ خدا کے پیش رہے اور جو پھر ایسا کریں وہ دوزخی ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ سود (میں بے یقینی ڈال کر اس) کو مٹاتا اور صدقات (علائی لکائی) کو بڑھاتا ہے اور ناکہ گنہگار کو خدا پسند نہیں کرتا (القرآن)

دوسرا ارشاد ہے :

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا (کسی کے پاس) سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہم تمہیں اپنا اعلان جنگ سناتے ہیں! خدا اور رسول سے جنگ کے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرو تمہیں تمہارا اصل مال (مقرض سے) ملے گا نہ تم دوسروں پر ظلم کرو اور نہ ہی کوئی دوسرا تم پر ظلم کرے۔ (القرآن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

(ترجمہ) سود پہلے دینے، سود کا کاغذ لکھنے اور اس پر گواہ ہونے والے پر لعنت اور فرمایا کہ یہ سب کے سب گناہ میں برابر ہیں (رواہ مسلم) ابن ماجہ اور بیہقی شریف میں مرفی ہے :

(ترجمہ) سود کے گناہ کے شر درجے ہیں ان میں سب کے درجہ اپنی مال نے ناکہ کرنے کے برابر ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن منبل میں ہے : آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں :

(ترجمہ) معراج کی رات کو کچھ ایسے لوگوں پر سے میرا گزر ہوا جن کے پیٹ مکان کی طرح بڑے بڑے تھے، ان پیٹوں میں زہریلے سانپ اور بچھو تھے جو باہر سے نظر آ رہے تھے، جبرائیل نے بتایا کہ یہ سود خوار ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

سوا برابر برابر

سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے، گہیہوں گہیہوں کے، جو، جو کے، کھجور، کھجور کے اور نمک، نمک کے بدلے میں برابر (بلا کم و بیش) اور دست بدست (ادھار کے بغیر) بیچ سکتے ہو اور جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو، بیچو جب کہ دست بدست ہو (صحیح مسلم شریف)

مجتہدین امت نے اس حدیث صحیح کو جس کی صحت مشہرت درجہ تو اتنی ہے تجارتی کاروبار میں رہا (سود) سے متعلق اساس و بنیاد قرار دیا ہے اور اپنے اجتہاد سے ان وجوہ کی تحقیق و تفتیش کی ہے جن کا وجود اس قسم کے معاملات میں حدیث میں بیان کردہ شرائط کی خلاف ورزی سے رہا (سود) کا باعث بنتا ہے۔ اس کی تفصیل عنقریب آتی ہے۔

ازالہ شبہ

رہا یہ سوال قرآن کریم نے تو سود کی اس شکل کو منع کیا ہے جو اصناف مضاعف سود در سود ہو، تھوڑے سے سود کی حرمت کی کوئی دلیل شرعی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اصناف مضاعف قید واقعی ہے نہ کہ قید احترازی۔

جب سود کو منع کیا گیا، اس وقت چونکہ اصناف مضاعف سود در سود کی صورت رائج اور وقوع پذیر یعنی اس لیے یہ قید شامل ہو گئی، ورنہ سود بہر صورت ممنوع ہے خواہ سود در سود ہو یا تھوڑا سا ہو، چنانچہ سنت کی روشنی میں واضح ہے موطا شریف میں ہے :

لَا يَجُوزُ مِنْهُ قَلِيلٌ وَلَا كَثِيرٌ
یعنی سود کسی طرح بھی جائز نہیں
موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۷۱ نہ تھوڑا اور نہ زیادہ

نفع کی شرط سے قرض حرام
حضرت فضال بن عبید اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اوی ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا -

كُلُّ قَرْضٍ جَرٌّ مُنْفَعَةٌ فَمَنْ وَجَدَ
یعنی جس قرض میں قرض و منہ
مِنْ وَجْهِ الرِّبَا (بہنقی عن فضالہ)
کے لئے نفع کی شرط ہو، وہ سود ہی کی
ج ۳۵ ص ۵ بیوع و جامع صغیر ایک قسم ہے -

عن علی ج ۲ ص ۹۳

قرض واپس کرتے ہوئے کچھ زیادہ دے کر ناجائز ہے
نفع لینے کی شرط شامل کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر مقرض اپنی مردت و جن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مرضی سے قرض خواہ کو کچھ زیادہ دے تو جائز ہے اور قرض خواہ کا اسے قبول کر لینا بھی جائز ہے چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض واپس کرتے ہوئے اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے دیا۔ حضرت جابر کے الفاظ میں فقہانی و زائدی کہ حضور نے میرا قرض مجھے ادا کیا اور کچھ زائد بھی دیا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۳)

قرض بلا سود کا ثواب
عاجت مندوں کو بلا قرض سود دینا اسلام کے نزدیک بہترین عبادت ہے حدیث شریف میں ہے کہ قرض دینے والے کو اس وقت تک قرض دی گئی رقم کے برابر روزانہ راہ خدا میں خیرات کرنے کا ثواب ملتا رہتا ہے، جب تک کہ مقرض قرض واپس نہ کرے -

مجبوری کی صورت میں سود دینا
(غیر ملکی قرضے اور سود)
اگر ایک شخص اس قدر مجبور ہے کہ کنبہ کے لئے سر چھپانے کو مکان میسر نہیں یا بھوکوں

مرنے کا اندیشہ ہے، خرچ نہیں اور نہ ہی اسے قرض بلا سود ملتا ہے، تو اس صورت میں وہ قرض لے کر اپنی ضرورت شدیدہ پوری کر سکتا ہے، اسے سود دینے کا گناہ نہ ہوگا، ہاں سود لینے والا مبتلائے معیشت ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی ملک کی معیشت اس قدر کمزور ہے یا کسی بلا و آفت سے تباہ و برباد ہو گئی ہے کہ وہاں کے باشندے بھوکوں مرنے لگے ہیں اور مبتلائے فقر ہو رہے ہیں اور اس ملک کو کہیں سے بغیر سود کے قرض نہیں ملتا، تو وہ بقدر ضرورت سود پر قرض لے سکتا ہے۔ چنانچہ امام ابن نسیم متوفی ۷۵۰ھ حنفی فرماتے ہیں :

اور حاجت شرعیہ کے وقت سود دینے کی اجازت ہے،
 يجوز للمحتاج المتقرب ^۱ چنانچہ درمختار کہ حاجت شرعیہ کے وقت
 حاجت مند نفع کی شرط پر قرض مانگ
 بالربح۔
 الاشباہ والنظائر ص ۹۲۔
 لکھا ہے (مکذافی الشامی ج ۵ ص ۲۸۰)
 اور فتاویٰ شامی میں ہے۔ قاعدہ فقہیہ ہے الفروضات یجوز المخلوقات
 کہ ضرورت شرعیہ صاحب ضرورت کے حق میں ممنوع کو جائز کر دیتی ہے کا یہی مطلب
 اور اس کی یہی صورت ہے اور یہ قاعدہ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۷۱ قَسْرَ الْخُفْرِ
 غَيْرَ بَايَعٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْرَ عَلَيْهِ سِوَا مَا خُذَ بِهِ۔ اشد مجبوری میں غیر ملکی قرضوں
 پر سود دینے کا جواز بھی اس میں داخل ہے، لیکن اگر ہم کفایت شعاری اور
 قناعت کے ساتھ اپنے ملکی وسائل سے صحیح فائدہ اٹھائیں، تو ہمیں انشاء اللہ
 تعالیٰ فرنگیوں کے آگے دست سوال دراز کر نیکی حاجت مہرگز نہ ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے
 ہمارے وطن عزیز میں بے بہا خزانے دیعت فرماتے ہیں۔ فطرت شناس اور صاحب
 بصیرت قیادت ملکی وسائل کو بروئے کار لا کر اسی ارض پاک سے تمام ضروریات
 حاصل کر سکتی ہے۔

خدا اگر دل فطرت شناس سے تجھ کو
 سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
 اٹھائے شیشہ گراں فرنگ کے احسان
 سفالِ پاک سے مینا و جام پیدا کر

فلسفہ حرمت سود

اس کائنات کی آبادی کے امن و سکون اور
 راحت و آرام کا دار و مدار اس بات پر ہے
 کہ انسان آپس میں اخوت و ہمدردی اور حُسن معاشرت سے نبھائیں اور کسی
 طمع و لالچ کے بغیر باہمی ایثار و اخوت سے کام لیں، لیکن سود خوار انسان کو پیڑ
 دولت کے نشتر میں ایسا بدمست ہوتا ہے کہ وہ انسانی اخلاق و مروت اور ہمدردی
 سے خالی ہوتا ہے۔ دوسروں کو برباد کر کے اپنے مفاد کا حصول اس کی زندگی کا
 نصب العین بن جاتے ہیں۔ وہ ہر وقت اسی تگمے دو میں پاگل بن کر پھرتا رہتا
 ہے۔ ضرورت مندوں، محتاجوں اور بے کسوں کی حالت زار دیکھنے سے اندھا
 اور ان کی آہ سرد کو سننے سے بہرہ بن جاتا ہے، اس کا دل پتھر سا سخت ہو جاتا
 ہے اور یہ چیز اس جذبہ ایثار کے لئے زہر قاتل ہے جس پر انسانی معاشرہ کی عمارت
 قائم ہے، اس لیے اسلام میں سود کو حرام قرار دیا ہے۔
 یہ کافری نہیں، کافری سے کم بھی نہیں
 کہ مرد مسلم ہو مبتلائے ذوقِ سود

نیز بیع میں بائع و مشتری (بیچنے اور خریدنے والے) کے درمیان مندرجہ ذیل
 تین اصول کارفرما ہوتے ہیں۔

- ۱۔ دونوں طرف ارادی (دلی خوشی کے ساتھ) رضا و رغبت
- ۲۔ باہمی تعاون و اشتراک۔
- ۳۔ دونوں کے لئے منفعت کا حصول۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں اصول قانون و اخلاق و انسانی ہمدردی و جذبہ

اخوت اور علم معیشت کی نظر میں صحیح اور درست ہیں اور سود میں اس کے برعکس تین اصول جاری ہیں۔

- ۱۔ ایک طرف سے رضا و رغبت اور دوسری طرف سے مجبوری و اضطراب
- ۲۔ ایک کے یقینی ضرر و نقصان پر دوسرے کے نفع کا مدار
- ۳۔ باہمی تعاون اور اشتراک کا فقدان

اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں اصول قانون و اخلاق و انسانی ہمدردی و جذبہ اخوت اور علم معیشت کی نظر سے ہرگز لائق تحسین نہیں بلکہ قطعاً غلط اور لائق نفرت ہیں ظاہر ہے کہ دین اسلام جو دین فطرت ہے اس غیر فطری کاروبار کی کیلئے اجازت دے سکتا ہے۔ اسلام نے اس لئے سود کو حرام قرار دیا ہے کہ اس کی حرمت ایک فطری تقاضا ہے اسی میں حیات حقیقی کا راز مضمر ہے۔

دیں مسکنہ ندگی کی تقویم
دیں ستر محمد و براہیم

حضرت عبادہ بن صامت

مسئلہ سود میں ایک بنیادی قاعدہ

رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے مجتہدین کرام نے مسئلہ سود میں ایک بنیادی قاعدہ و ضابطہ اخذ کیا ہے جسے پیش نظر رکھنے کے بعد عند الضرورت قاعدہ اٹھایا جاسکتا ہے وہ یہ کہ دونوں طرف سے خرید و فروخت کی شئی اگر ہم جنس ہوں اور ماپ تول سے ملتی ہوں مثلاً سونا سونے کے عوض چاندی چاندی کے گیسوں گیسوں کے جو جو کے نمک نمک کے اور کش مش کش کش کے عوض لی دی اسے تو کھوٹے کھرے، منقوش و غیر منقوش

قیمت و بیش قیمت اور عمدہ و ردی کے لحاظ کے بغیر دونوں طرف سے ماپ تول میں برابری اور نقد خریداری ضروری ہے نہ کسی بیشی جائزہ اور نہ ہی ادھار درست ہے۔ اگر ایک چیز زائد اور دوسری چیز کم ہو تو یہ سود ہو گا اور اسے ربا الفضل کہتے ہیں اور اگر ایک چیز اسی وقت دی جائے اور دوسری کے بعد میں دینے کا وعدہ کیا جائے تو یہ بھی ناجائز ہے اور اسے ربا النسیئہ (ادھار کا سود) کہتے ہیں

ہم جنس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں چیزوں کا نام بھی ایک ہو اور کام و مقصد بھی ایک تو

ہم جنس کا مطلب

وہ ایک ہی جنس کہلائیں گی اور اختلاف جنس اصل مقصد اور وصف کے اختلاف (مختلف ہونے) سے متحقق ہوتا ہے (الدر المختار مع الشامی ج ۵ ص ۱۸۳)

جیسے گیسوں اور جو، کپڑے کی قسمیں، لوبان، پیتل، تانبا، سیسہ، اون، ریشم، سوت، گائے، بکری، بھیڑ اور دنبہ کا گوشت اور روغنات سب مختلف جنس ہیں لیکن کھجور سب ایک جنس ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۱۷۷) اگر دو چیزیں غیر جنس ہوں مگر تولی، ماپی جاتی ہوں تو اس صورت میں ایک طرف سے زیادہ اور دوسری طرف سے کم ہو تو جائز ہے مگر ادھار حرام۔ اسی طرح ایک جنس کپڑے کے ایک تھان کو دوسری جنس کے دو تھان کے عوض بیچا یا گندم کا ایک من دو من جو کے عوض بیچا، تو دست بدست جائز ہے ادھار پر جائز نہیں اور نہ ہی ماپی تولی جاتی ہیں (اگرچہ دو میں سے ایک ٹپی یا تولی جاتی ہے تو اسی صورت میں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں مثلاً ایک طرف سے گندم یا کپڑا اور دوسری طرف سے قیمت کہ یہاں جنس بھی بدل گئی اور قدر بھی۔

اوپر تول دونوں میں نہیں ایک میں ہے تو یہاں زیادتی اور ادھار جائز ہیں کہ ایک طرف سے دامن اور دوسری طرف سے ساٹھ روپے یا ایک طرف سے ایک تھان اور دوسری طرف سے پچاس روپے نقد اور ادھار دونوں جائز ہیں لکھا ہو مفصل و مدلل فی کتب الفقہاء

بیگمیں ہمہ سرمایہ بہار ازمن
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

سو سے بچنے کی تدابیر | آج کل سود کی اس قدر کثرت ہے کہ قرض حسنہ (قرض بلا سود) کوئی شاذ و نادر ہی

دیتا ہے لوگ دولت کی ہوس اور دنیا پرستی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ نفع کے بغیر قرض دینا ہی نہیں چاہتے اور ضرورت مند بھی اگرچہ اس قدر شرعی مجبوری میں مبتلا نہیں ہوتے کہ ان کے لئے اس حالت میں ایک حرام جائز ہو جاتے بلکہ لڑکے کی شادی ختنہ اور دیگر تقریبات میں اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا چاہتے ہیں اور برادری و خاندان کے رسوم میں اس قدر جکڑے ہوئے ہیں کہ جس قدر نصیحت کی جائے ایک نہیں سنتے رسم و رواج میں کمی کرنے کو اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں۔ ایسے مسلمان بھائیوں سے پہلے تو یہ گزارش ہے کہ ان رسوم و تکلفات سے بچیں چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائیں دنیا و آخرت کے تباہ کن تاسع و عذاب ڈریں مصنوعی سی عزت یا برادری میں نام و نمود کا خیال کر کے آخرت کی زندگی کو تلخ نہ بنائیں لیکن اس کے باوجود اگر باز نہیں آتے تو عذاب الہی سے بچانے کی ہمدردی کے پیش نظر ہم کچھ طریقے عرض کرتے ہیں کہ مجبوری

کی صورت میں سود لینے دینے کی بجائے اگر ان پر عمل کریں تو فریقین خدا تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچ سکیں گے اور مطلب بھی پورا ہو جائے گا۔ لین دین کی صورت و نوعیت میں ترمیم و تبدیلی کرنا پڑے گی کہ جواز و عدم جواز لین دین کی نوعیت پر موقوف ہوتا ہے۔

نوعیت کے بدل جانے سے عقد کا حکم بدل جاتا ہے | اس سلسلے میں صحیح مسلم کی

دو حدیثیں دلیل کے طور پر کافی ہیں چنانچہ حضرت ابو ہریرہ و ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو خیبر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا وہ خیبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اچھی سی کھجوریں لائے آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! ہم کھجور کے دو صاع کے بدلے ان کھجوروں کا ایک صاع اور تین صاع کے بدلے دو صاع لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ معمولی کھجوروں کو پیسوں سے بیچ کر اس قسم کی اچھی کھجوریں خرید کر داور تول کی چیزوں میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶ طبع کراچی)

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے آئے ارشاد فرمایا کہاں سے لائے ہو؟ عرض کی کہ ہمارے ہاں خراب کھجوریں تھیں

وہ دو صاع دیگر ان کا ایک صاع لیتا تاکہ آپ تناول فرمائیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ افسوس یہ تو بالکل سود ہے، ایسا نہ کرنا، ہاں اگر ان کے خریدنے کا ارادہ ہو تو اپنی کھجوریں بیچ کر ان کے پیسوں سے یہ خرید کر حضرت ابو سعید خدری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

فَرَدَّوْهُ ثُمَّ بَيَعُوا لَنَا
وَأَشْتَرُوا لَنَا مِنْ هَذَا - راجع
مسلم ج ۲ ص ۱۲۰

اس سے معلوم ہوا کھجوریں سب کی ایک جنس ہیں کہ ان میں کمی بیشی پر تبادلہ جائز نہیں۔ ان حدیثوں سے اور بھی کئی ایک معاشی مسائل نکل آتے۔ ایک تو یہ کہ سود کی بیع کا فسخ کرنا واجب ہے کہ رُدُّوْهُ امر ہے اور امر و جواب کو مفید دوسرا یہ کہ خریدی ہوئی چیز واپس کرنے پر اس کے مقابلے میں دی ہوئی چیز (مثلاً) واپس کی جائیگی۔ تیسرا یہ کہ سود سے بچنے کو ایک ہی شخص سے دو بار لین دین کیا جاسکتا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی میں اس کے خلاف کوئی شرط نہیں فرمائی۔ کما افادہ الامام النووي رحمۃ اللہ علیہ چوتھا یہ کہ عقد کی نوعیت کے بدل جانے سے عقد کا حکم بدل جاتا ہے۔ ان حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ بات وہی ہے کہ عمدہ اور بڑھیا کھجوریں بیچ کر پیسوں سے اچھی کھجوریں خریدیں تو جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام قاضی خان علیہ الرحمۃ اپنے فتاویٰ شریفہ میں سود سے بچنے کی وہ صورتیں جو ہم نقل کرنے لگے ہیں بان کرتے ہوئے فرماتے ہیں وَمِثْلُ هَذَا مَرْوِيٌّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(فتاویٰ امام قاضی خان ہامش فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

اور سود سے بچنے کی وہ صورتیں اور تدابیر مندرجہ ذیل ہیں:

سود سے بچنے کی تدبیر
اگر کوئی شخص کسی کو کچھ میعاد کے لئے
مثلاً دو روپے نفع پر دس روپے قرض

دینا چاہتا ہے تو مقرض (قرض دینے والا) مستقرض (قرض لینے والے) سے دس روپے کی کوئی چیز خرید کر اسے دس روپے دے، پھر اس چیز کو اپنے قبضہ میں لے لے اور اس چیز کو مستقرض کے ہاتھ طے شدہ میعاد تک دہا کر بارہ روپے میں بیچ دے، اس سے مقرض کے مستقرض کے ذمہ دس روپے کی جگہ بارہ روپے ہو جائیں گے، اس میں دو روپے نفع کے ہو گئے اور اس طرح سے سود سے بھی بچ گئے۔

دوسری تدبیر
مقرض اپنی کوئی چیز مثلاً ایک سود دس روپے میں
مستقرض کے ہاتھ بیچ کر اس کے قبضہ میں دے دے

پھر مستقرض اس شے کو کسی اور کے ہاتھ ایک سو روپے میں بیچ کر اس کے قبضہ میں دے دے، پھر مقرض اس دوسرے شخص سے اسی چیز کو سو روپے میں خریدے اور وہ دوسرا شخص مقرض سے سو روپے لے کر مستقرض کو دے دے۔ اس طرح سے مقرض کی چیز اس کے پاس واپس آگئی، مگر مستقرض کے ذمہ مقرض کے ایک سو دس روپے لازم اور واجب الادا رہے (قاضی خان مع عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

تیسری تدبیر
مقرض اپنی کوئی چیز مستقرض کے ہاتھ مثلاً تیرہ روپے
چھ ماہ کی مدت کے ادھار بیچ دے پھر اس کے

قبضہ یا بعد قبضہ بیع کا اقرار کر کے اس چیز کو مقرض کے ہاتھ دس روپے میں بیچ کر اس سے دس روپے لے لے اس سے مقرض کی چیز بھی واپس آگئی اور اسے تین روپے نفع کے مل گئے اور مستقرض کا کام بھی ہو گیا، سود بھی نہ ہوا، لیکن انہوں نے کہ مسلمان دین فطرت کی ایسی تدابیر سے غافل رہ کر سود ایسی لعنت میں مبتلا ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بناتو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطر کے اشارات

پچھتی تدبیر | ایک اور تدبیر ہے جس کو اختیار کر کے حصول مقصد کے قبضہ میں دے دے پھر اسی چیز کو مستقرض خرید کر وہ قیمت سے کم قیمت پر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے اور وہ اسی چیز کو خرید کر وہ قیمت پر مقرض کے ہاتھ بیچ دے اور مقرض سے قیمت لے کر مستقرض کو دے دے اسی طرح سے مستقرض کو قرض مل جاتا ہے اور مقرض کی چیز مقرض کو واپس مل جاتی ہے اور سود کی مصیبت میں پڑے بغیر مقرض کو نفع بھی حاصل ہو جاتا ہے امام قاضی خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس تدبیر کا امام محمد علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے بیع العینہ کہتے ہیں اور موصوف مشائخ بلخ سے نقل ہیں، انہوں نے فرمایا یہ بیع العینہ ہمارے زمانے کے بازار میں مروجہ بیوع سے بہتر ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

العینۃ جائزۃ ملبورۃ و
قال اجرة لسمکان الفراء من الحرام
کریع العینہ جائز ہے اس کا ثواب
ملے گا اور ثواب اس لئے ملے گا کہ سود
ایسے حرام سے بچنے کے لئے اسے اختیار
کیا گیا۔ (حد ۲۵۹/۲۸۰ مصری)

پانچویں تدبیر | مقرض اپنی چیز کو مستقرض کے ہاتھ بیچے، مثلاً مقرض کو اگر سو روپے ضرورت ہیں تو اسے سو روپے کی چیز اتنی قیمت پر جتنا اسے سو روپے پر نفع درکار ہو، مثلاً سو روپے پر دس روپے نفع چاہتا ہو، تو اسے مقررہ مدت تک ادھار پر سو روپے میں بیچ دے پھر مستقرض اسے بازار میں ایک سو روپے پر فروخت کر کے اپنے سو روپے کھرے کرے، پھر اختتام مدت پر مقرض کو ایک سو دس روپے ادا کرے (بہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۵۷)

چھٹی تدبیر | یہ تدبیر فقہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رو سے ہے جیسے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں :-

وَأَحْتَجَّ بِهَذِهِ الْحَدِيثِ اصْحَابُنَا
وَمَوَاقِفُهُمْ فِي أَنَّ مَسْئَلَةَ
الْعَيْنَةِ لَيْسَتْ بِحَرَامٍ وَهِيَ الْعَيْلَةُ
الَّتِي يَعْمَلُهَا بَعْضُ النَّاسِ لَوْضُلَا
إِلَى مَقْصُودِ الرِّبَا بَأَنْ يُعْطِيَهُ
کہ ہمارے حضرات شوافع اور ان کے ہمینو علمائے اس حدیث سے اس میں استدلال کیا ہے کہ بیع العینہ حرام نہیں، اور بیع العینہ اس تدبیر کو کہتے ہیں جسے لوگ (سود سے بچنے کے لئے)

ماتۃ درہم بمائتین فیبیعہ سود کے مقصود (نفع) تک سائی کے لئے
ثوباً بمائتین شتم یشتربہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے
مئۃ بمائۃ۔ کہ مثلاً ایک شخص کسی ضرورت مند کو دو

شرح الامام النووی علی سو روپے کے بدلے ایک سو روپے دینا
الصیغہ المسلم ج ۲ ص ۲۶۷ چاہتا ہے، تو اس کے ہاتھ دو سو روپے
میں ایک کپڑا بیچ کر پھر اسی کپڑے کو اس شخص سے ایک سو روپے میں خرید کر لے۔

اسلام نے حرمت سود سے متعلق جو اصول قائم کئے ہیں،
بنیکٹ عام سودی لین دین کے علاوہ دو جدید کے وہ ترقی یافتہ

ادارے اور کمپنیاں بھی اس حرمت کے تحت آجاتی ہیں جن کا مدار سودی لین دین
پر ہے، چنانچہ ان میں سے ایک ادارہ بینک سسٹم ہے، کہا جاتا ہے کہ بڑی بڑی
تجارتوں کی سہولت و نیز دولت کے ذخیرہ کی حفاظت اور ان سے مزید کرنسی
حصول نفع کے لئے اس ترقی یافتہ دور میں بینکوں کا وجود نہایت ضروری ہے
لیکن خوشنما تصویر میں جو خطرہ کارفرما ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور وہ
یہ کہ ملکی معیشت کو تباہ و برباد کرنے اور دولت مندوں کو مزید دولت مند
اور غریبوں کو مزید غریب بنانے میں ان بینکوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے،

اور کر رہے ہیں۔ بینک خوبصورت طریقے سے دولت کو دولت مندوں میں
محدود کرتے اور عوام کی غربت کو ہولناک اور تباہ کن حد تک پہنچاتے ہیں۔

تہذیب نو کے اس جال کو جو بینک کے نام سے بچھا ہوا ہے۔ دورِ قدیم کی مہاجنی
ہندؤوں کے بیوپار کی ایک نئی تصویر قرار دینا بہتر ہوگا۔ سرمایہ داروں کی تجویز

بھرنے اور غریبوں کی تمتا کے خون کرنے کا کردار یہی بینک ادا کر رہے ہیں۔

قصاص خون تمتا کا مانگے کس سے؟

گنہگار ہے کون اور خون بہا کیا ہے؟

بنیک کے طریقہ کی دوسری صورت ہے
کوآپریٹو سوسائٹیاں جسے کوآپریٹو سوسائٹی (مجلس امدادی)

کہا جاتا ہے، یہ اگرچہ غریب کاشت کاروں، مزدوروں اور متوسط طبقے کے
لوگوں کو قرض دینے کی بنیاد پر چلائی جاتی ہیں، لیکن یہاں بھی جو سود کی لعنت
موجود رہتی ہے، اس لئے سرکاری طور پر جس قدر سوسائٹیاں ہیں، غریب قرض
خواہوں کے لئے وبال جان ہیں اور فائدہ کی بجائے ان کے لئے باعث نقصان
نما بنت ہوئی ہیں۔

نظام مصطفیٰ کا اقتصادی نقشہ اس کے برعکس اسلام کا اپنا
ایک اقتصادی نقشہ ہے جس

میں وہ ضرابیاں نام کو نہیں ہیں جو بینکوں اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں موجود ہیں
اگر ملک کے معاشی نظام کو اس نقشہ کے مطابق چلایا جاتے، تو پھر بینکوں کے
موجودہ سسٹم کی کوئی حاجت و ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور اگر بینک سسٹم
کی ضرورت بھی تسلیم کر لی جاتے، تو پھر ان کے قیام کی ایسی شکلیں ممکن ہیں جو سود
کے بغیر اس مقصد کو پورا کر سکیں جس کے لئے اس اجتماعی ادارہ کی ضرورت پیش
آئی، یعنی انفرادی اور اجتماعی ضرورت کے لئے حصول زریعہ امانت کے طور پر
زر کا تحفظ جیسا کہ غفریب اس کی توضیح آج سے کی۔

اسلام باہمی امداد کے اجتماعی اداروں کو جو سود کے لین دین سے پاک ہوں جائز و مستحسن قرار دیتا، بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، بلکہ اسلام نے ان صحیح ذرائع کی طرف راہبری فرماتی ہے جس سے معاشرہ کے متوسط اور غریب لوگ صرف سرمایہ داروں اور دولت مندوں کے استیصال سے بچ سکیں، بلکہ ان ذرائع کو اختیار کرنے کے بعد وہ خوشحالی اور فارغ بالی کی منزل بھی پا سکیں گے، بلکہ ان کی زندگی حقیقی مسرتوں کی شرح و عملی تفسیر بن جاتے گی۔

خوب نامحسوس عمل کی ہو گرہ و اکیوں کر
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات

بینکوں کے موجودہ ظالمانہ ستم
امداد باہمی کے اجتماعی ادارے

قائم کئے جائیں اور دولت مندوں کو اس سودی نظام کے ماتھے کے بعد یا تو خود ہی اپنی دولت کو کسی صنعت، تجارت یا زراعت میں لگا کر نفع آور بنانا ہو گا یا وہ ان امداد باہمی کے اداروں سے وابستہ ہو کر نفع پا سکیں گے جن کے کاروبار کا مدار نفع و نقصان کی شراکت پر ہو گا۔ یہ ادارے بینکوں کی طرح شہر شہر، بلکہ قریب قریب قائم ہوں اور حکومت کی تحویل میں نہیں، بلکہ اس کی امداد و امانت پر ہوں۔ البتہ حکومت ان امداد باہمی کے اداروں میں مالی حصہ شامل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، اسی طرح حکومت انفرادی تجارت کو فروغ دینے کے لئے با اعتماداً تاجروں کو قرض بھی دیگی، یعنی حکومت کی رقم سے افراد یا ادارے پراپیٹ اور سنجی طور پر کاروبار کریں گے اور وہ رقم قرض کے طور پر بھی ہو سکتی ہے اور نفع

نقصان میں شراکت پر بھی

بلا سود بینکاری

بلا سود بینکاری کا مطلب یہ ہے کہ سودی نظام کو بحیر ختم کر کے انہیں امداد باہمی کے تجارتی اور

کاروباری اداروں کی جائز اغراض و مقاصد کا حامل کر دیا جائے اور یہ قطعاً ممکن ہے۔ بہرہ نئے کام کا مرتب کرنا ابتدائی مراحل میں کچھ مشکل تو ہوتا ہے لیکن صحیح جذبے سے نیک نیتی اور تسلسل کے ساتھ اسے جاری رکھا جائے، تو ساری گائیٹیں خود بخود دور ہوتی چلی جاتی ہیں اور آخر کامیابی ہوتی ہے۔ جس جذبے سے استیصالی قوتوں نے اس باطل نظام کو یہاں نافذ کیا تھا اور وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔ اسی طرح اگر اس سطح کے جذبہ اسلامی سے حق و صداقت اسلامیہ کے علمبردار اس خدائی نظام کو نافذ کر دیں، تو وہ بطریق اولیٰ کامیاب ہوں گے بینکوں کے کچھ امور اب بھی ایسے ہیں جو بعد میں بھی جاری رکھے جاسکتے ہیں جن میں سود کا عنصر موجود نہیں، مثلاً کمیشن پر خدمات انجام دینا، امانتوں کا رکھنا اور لا کر زمینیا کرنا، زیورات، دستاویزات، کاغذات، سندات اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا، سفری چیک، بینک ڈرافٹ جاری کرنا، اسی طرح گاہکوں کی طرف سے خرید و فروخت، صنعتی کاروبار اور دیگر امور میں ماہرانہ مشورے دینا جو سود کے عنصر سے پاک ہیں، پھر بھی جاری رہیں گے۔ بہر حال بلا سود بینکاری کے کاروبار کی صورتیں بہت ہیں اور وہ صورتیں ہر ملک ہر جگہ اور ہر کہیں کامیابی سے اپنائی جاسکتی ہیں۔

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے مومن کا مقام ہر کہیں ہے

غیر ملکوں سے لین دین

غیر ممالک سے قرضے لینے کی بجائے تمام ملکی وسائل کو بروئے کار لاکر اپنے ملک کو خود کفیل بنانے کی کوشش کی جائے۔ اشیاء تعیش کی درآمد مطلقاً بند کر دی جائے اور بیرون ملک سے کسی شدید ضرورت کے بغیر کوئی چیز درآمد نہ کی جائے اور مجبوری کی صورت میں مال کا مال سے تبادلہ کر لیا جائے، تو سود کی نوبت ہی نہ آئے گی، البتہ جب مال کو قیمت میں خریدیں گے، تب سود کا سوال ہوگا، تو اس صورت میں سود سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ادائیگی کی میعاد تک جو سود بنتا ہو اسے اشیاء صرف یعنی درآمد شدہ مال کی قیمت میں اضافہ قرار دیکر شروع ہی سے اس قرار یافتہ بھجواؤ پر ہی ان کا لین دین کیا جائے۔ اس پر سود نہ دینا پڑے گا، مثلاً ایک چیز دس ڈالر میں آتی ہے اور دس ڈالر قسط کی صورت میں پانچ ماہ میں ادا کرنا ہیں اور ان دس ڈالروں پر تین ڈالر سود کے ملکر تیرہ ڈالر ہوں گے، تو شروع ہی سے پانچ ماہ کی مدت پر وہ تیرہ ڈالر میں خریدی جائے، تو اس سے سود کی ادائیگی سے بچ جائیں گے اور اگر غیر ممالک اس معاملے میں تعاون کرنے سے گریز کریں، تو جواز باہر مجبوری کا قول ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، اس پر عمل کیا جائے۔

بینکوں میں بنیادی تبدیلی

بینکوں کو امداد باہمی کے اجتماعی کاروبار اسلامی اداروں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے بنیادی تبدیلی کرنی پڑیگی اور وہ یہ کہ بینک حکومت کے کنٹرول سے آزاد پبلک اتھارٹی کے تحت ہوں گے، البتہ حکومت ہر متعلقہ امداد مہیا کرنے کے لئے

سرپرستی کرے گی تاکہ کوئی فاسد اور غلط عنصر اس نظام میں رخنہ اندازی یا خرابی نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ بینک اپنا کاروبار سود کی بجائے شرکت یا مضاربت کے طریقے پر انجام دیں گے۔ اس طرح سے نام کے بینک ہوں گے، مگر حقیقت میں امداد باہمی کے وہی اجتماعی کاروباری ادارے ہوں گے جو اسلام کے نظام معیشت میں ہوا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں شرکت و مضاربت کے طریقے قابل ذکر ہیں جو ہماری کاروباری بنیادیوں کو قرار دے سکتے ہیں۔

میرے باغ سخن کے لیے تو باد بہار
میرے بتیاں تخیل کو دیا تو نے تشرار

شرکت و مضاربت

شرکت اس بات کا نام ہے کہ دو یا دو سے زیادہ فریق کاروبار کریں اور ایک طے شدہ نسبت کے مطابق ان میں نفع تقسیم ہو اور نقصان بھی سب کو اپنے اپنے سرمایہ کی مناسبت سے برداشت کرنا پڑے، شرکت میں ہر حصہ دار اپنے حصہ پر مالکانہ حقوق رکھتا ہے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم ہوتی رہتی ہے اور کبھی بلا تعین مدت مسلسل سے بھی چلتا رہتا ہے اور مضاربت یہ ہے کہ ایک فرد یا پارٹی کا سرمایہ ہو اور اس سرمایہ سے کاروبار کوئی دوسرا فرد یا دوسری پارٹی کرتی ہے، اس میں سرمایہ لگانے والا فریق کاروبار میں عملی حصہ نہیں لیتا بلکہ ایک طے شدہ نفع کا حقدار ہوتا ہے، لیکن اگر نقصان ہو جائے، تو اہل سرمایہ کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور کاروبار کرنیوالی کی محنت رائیگاں جاتی ہے اور کاروبار میں نفع و نقصان ہوتا ہی رہتا ہے۔

کہیں سلمان مُسرت کہیں سنا ز غم ہے

کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

لیکن جب نفع ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر نقصان کی تلافی ہوتی رہتی ہے اس لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

بینکوں کی حیثیت

بینکوں سے سودی نظام کو ختم کرنے کے بعد ان کی حیثیت ان تجارتی اداروں کی ہوگی جو تاجروں کے حصص و سرمایہ جات سے قائم ہوتے ہیں اور ان تجارتی اداروں میں اگر حکومت اپنا حصہ شامل کرے، تو کر سکتی ہے اسے اس کے حصہ کے مطابق نفع و نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ یہ بینک یا دوسرے لفظوں میں امداد یا بھی کے اجتماعی ادارے مضاربت و مشارکت پر کام کریں گے۔ علاوہ ازیں با اعتماد عوام کو اپنے اعتماد یا شخصی ضمانت جاری رکھ کر قرضے بھی دیں گے اور اپنی انفرادی تجارت یا زرعی یا صنعتی کاروبار میں ان قرضوں سے استفادہ کریں گے۔ نیز یہ ادارے عوام کو مشارکت و مضاربت پر بھی رقم لے سکتے ہیں۔ نیز عوام کاروبار کے لئے مندرجہ بالا صورتوں میں بھی بیت المال سے قرضے اور مضاربت پر رقم لے سکتے ہیں۔ حکومت کو عوام سے تعاون کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ملکی نظام کی کامیابی کا دار و مدار حکومت و عوام کے باہمی جذب و تعاون پر ہی ہے۔

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظم سارے

پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

حضرت ابو موسیٰ اشعری (بصرہ کے گورنر) کا

دو تاجروں کو بیت المال سے قرض دینا

امام مالک رحمہ اللہ

میں فرماتے ہیں

کہ حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کے دو صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمر و عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ایک شکر میں عراق گئے، واپسی پر یہ جیب بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ہوتے ہوئے گزرے تو انہوں نے خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ اگر آپ کو مالی فائدہ پہنچانے کی صورت ہوتی، تو میں اسے ضرور اختیار کرتا پھر فرمایا کہ ضرور ایک صورت نکل آتی ہے، وہ یہ کہ میں اللہ کے مال سے کچھ مال امیر المومنین کی خدمت میں بھیجا جاتا ہوں، میں اسے آپ حضرات کو قرض پر دیتا ہوں، اس سے تم عراق کی اشیائے تجارت میں سے کچھ چیزیں خرید لو اور مدینہ منورہ میں جا کر انہیں فروخت کر دینا اصل سرمایہ امیر المومنین کے حوالے کر دینا (کہ وہ بیت المال میں جمع فرما دیں گے) اور نفع تمہیں مل جائیگا فقال لا ذل انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی یہ تجویز پسند ہے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور ان چیزوں کو بیچا، تو انہیں نفع ہوا، تو انہوں نے (ماجرایان کہتے ہوئے) اس المال (اصل سرمایہ) امیر المومنین کے حوالے کر دیا۔ امیر المومنین نے سوال کیا کہ ابو موسیٰ اشعری نے سب شکر کے ساتھ اسی طرح نوازش فرمائی ہے جس طرح تم دونوں سے؟ انہوں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف اس لئے کہ تم امیر المومنین کے صاحبزادے ہو (میں ایسی خصوصی نوازش کو پسند نہیں کرتا) جو کچھ تمہیں نفع ہوا، وہ بھی لاؤ اور بیت المال میں اصل سرمائے کے ساتھ اسے بھی جمع کراؤ۔ حضرت عبداللہ تو خاموش

ہے، لیکن حضرت عبید اللہ نے امیر المؤمنین سے نظر ثانی کی گزارش کی اور عرض کی کہ اگر ہمیں نقصان ہو تو ایسا اصل سرمایہ ہم سے ضائع ہو جاتا، تو چونکہ یہ قرض تھا، اس لئے ہم اصل سرمایہ جمع کرانے کے پابند تھے اپنے مانے اور اصل سرمایہ کے ساتھ سب نفع بھی جمع کرانیکا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ اب بھی خاموش رہے اور حضرت عبید اللہ کے درمیان بطور ثالث مشورہ دیا یا امیر المؤمنین تَوَجَّعْتُ قِرَاخًا۔

امیر المؤمنین! میرا مشورہ ہے کہ آپ اس معاملے کو نہ تو قرض محض قرار دیں کہ سارا نفع صاحب زادوں کا ہو اور نہ ہی امانت، کہ امانت کے منافع کی طرح سارا نفع صاحب امانت یعنی بیت المال کو جلتے بلکہ آپ اسے مضاربت قرار دیں۔ اس پر آپ نے فرمایا (ہاں یہ مجھے منظور ہے) لہذا میں نے اسے مضاربت قرار دیا (صاحبزادے بھی اس پر راضی ہو گئے) تو اپنے کل نفع کا نصف صاحبزادوں سے لے کر بیت المال میں جمع کرادیا اور بقیہ نصف کو صاحبزادوں نے آپس میں تقسیم کر لیا (ملاحظہ ہو موطا امام مالک ج ۲ ص ۷۲ طبع مصر)۔

ترجمان نبی، بسم زبان نبی!

جان شان عدالت پہ لاکھوں سلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ہند زوجہ حضرت ابوسفیانؓ کو قرض دینا اور حضرت ابوسفیانؓ کا ضامن بننا

ذکر کرتے ہیں کہ حکومت بیت المال سے نجی قرضے بھی فراہم کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں اعتماد یا ضمانت کا خیال رکھنا ضروری ہوگا، چنانچہ امام طبری اپنی تاریخ میں

لکھتے ہیں کہ حضرت ہند بن عتبہ زوجہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے چار ہزار درہم بطور قرض مانگے تاکہ ان سے تجارت کی جائے۔ آپ نے قرض کی واپسی کے لئے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ضمانت لئے لی اور انہیں قرض دے دیا۔ انہوں نے تجارت کی اور نفع کی بجائے نقصان اٹھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نقصان کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرض کی رقم مسلمانوں کا مال ہے۔ اگر میرا ذاتی معاملہ ہوتا، تو میں آپ کے مطابق نہ کرتا۔ آپ نے حضرت ابوسفیان کو بلوا کر انہیں اس وقت تک اپنے ہاں روکے رکھا۔ جب تک کہ حضرت ہند نے پورا قرض واپس نہ کر دیا (ملاحظہ ہو تاریخ طبری حوادث ۲۳ ص ۵ ج ۲۹ ص ۳۰ اور کتب فقہ میں بھی اس طرح ہے۔

نیز حدیث میں ہے الزعیم غارم کہ فیصل ضامن ہے
اے عمر! عدل تیرا فطرت کی آبرو ہے
حق کا جو بول بالاتیری قدیم خو ہے

مندرجہ بالا روایت
قرض سے متعلق تفسیری
اور یہ روایت مضارب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مضاربت
پر ایک شخص کو سرمایہ دینا

سے متعلق ہے جسے امام مالک اپنی موطا میں حضرت مالک بن عبد الرحمن سے اور وہ اپنے والد عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے دور خلافت میں مضاربت پر سرمایہ دیتا تاکہ وہ اس سے کاروبار

کریں اور نفع دونوں کا ہو۔

(ملاحظہ ہو موطا امام مالک ج ۲ ص ۷۳ طبع مصر)

الغرض حکومت بینکوں (ادارہ باہمی کے اجتماعی کاروباری اداروں) اور بیت المال سے عوام کو قرض اور مضاربہ پر سرمایہ دے تاکہ عوام کی معاشی حالت بہتر ہو اور حکومت کو بھی نفع پہنچے۔

عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لئے حکومت اور تاجروں کو ہدایت

مرد و تاجر محصول چوکنگی

حکومت ناجائز طور پر اور جبراً عوام سے جو مصارف وصول کرتی ہے ان میں سے ایک محصول چوکنگی بھی ہے۔ ملکی معیشت کو خراب کرنے میں اس کا بھی بڑا دخل ہے کہ تاجر اشیائے صرف کی قیمتوں کے بڑھانے کے جواز میں جو اسباب و غلل ملحوظ رکھتے ہیں ان میں ایک محصول چوکنگی بھی ہے، چونکہ اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں عشور کی مذکورہ آئد میں موجود ہے جس کی تشریح گزر چکی ہے۔ لہذا محصول چوکنگی کا کوئی جواز نہیں، چنانچہ فاضل علم معیشت حکیم الامت مولانا امجد علی عظمیٰ رضوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو 'مہارہ شریعت ج ۱۱ ص ۱۲۱)

حضرت عمر بن عبد العزیز کا محصول چوکنگی ختم کر دینا

پہلے بنو امیہ کے حکمرانوں نے کچھ عرصہ قبل محصول چوکنگی عائد کر دیا تھا، مگر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے سخت خلافت پر تہمتیں ہوتے ہی چوکنگی ساری مملکت سے

معاف کر دی اور گورنروں اور اہل کاروں کو لکھا کہ یہ نجس ہے۔ اس کے متعلق

قرآن مجید میں ہے :

وَلَا تَجْسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (الایۃ)

کہ لوگوں کو ان کی چیزیں کم مت دو۔
فرمایا کہ لوگوں نے اس کا نام بدل کر (یعنی محصول کے نام سے اسے اجازت بنا لیا ہے) حالانکہ یہ جائز نہیں۔ چند شرعی محاصل کے علاوہ ہر طرح کے ناجائز محاصل اور بیسیوں ٹیکس جو سابق حکمرانوں نے عائد کر رکھے تھے، بحکم معاف کر دیے اور خشکی اور سمندر کے راستے کھول دیے، کاروبار پر ہر طرح کی پابندیاں اٹھالیں تاکہ لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہو (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۵۰ بہ تعینیر لیسر)۔

اسلام کے اقتصاد

عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی ممانعت

کو اشیاے صرف کی قیمتوں پر کنٹرول کرنیکی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اس پر الٹا اثر پڑتا ہے کہ جس چیز کی قیمت پر کنٹرول ہوتا ہے، وہ بازار سے غائب کر دی جاتی ہے اور اس کا دستیاب ہونا ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس کی بلیک میلنگ شروع ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً عوام بھپارے اس کی صورت دیکھنے کو بھی ترستے رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب غلہ کی گرانی کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی تو آپ نے اس تجویز پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا :

إِنَّ اللَّهَ يُمَوِّتُ الْمُسْقِرَ الْقَابِضَ
الْبَاسِطُ الزَّادُ وَالْفِي لَا زَجْوُ
کرنرخ مقرر کرنا لاتعلیٰ کرنے والا
کشاوگی کرنے والا، رزق دینے والا

أَنَّ اللَّهَ وَلِيُّ مَنْ أَحَدٌ مِنْكُمْ

اللہ ہی ہے اور میں امید کرتا ہوں

يُطَايِبُنِي بِمُظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلِأَمَلٍ

کہ خدا سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ

(ابوداؤد عن انس ج ۲ ص ۲۷۹ و

ترمذی عنہ ج ۲ ص ۱۵۷)

کے متعلق اور نہ مال کے متعلق۔

صدر الشریعہ حکیم الامت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

امام یعنی پادشاہ کو غلہ وغیرہ کا نرخ مقرر کر دینا کہ جو نرخ

مقرر کر دیا ہے، اس سے کم و بیش کر کے بیع نہ ہو، یہ درست نہیں

(ابہار شریعت ج ۱ ص ۱۰۵)

خاص حالات میں

کنٹرول کرنے کی اجازت

خاص حالات میں کنٹرول کی اجازت

ہے۔ دیر میں ہے کہ تاجروں نے اگر چیزوں کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ کر

دیا اور نرخ مقرر کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا، تو حاکم علماء کرام اور سوچ بوجھ

والے اور اہل علم و دانش سے مشورہ لے کر نرخ مقرر کر سکتا ہے، ملاحظہ ہو۔

فَاِنْ كَانَ أَزْبَابُ السَّعَادِ
يَتَعَمَّقُونَ وَيَتَبَعُونَ عَنْ الْفَيْضِ
نَعْدِيًا فَإِنَّ حَتَّىٰ عَجَزَ الْقَاهِطِ
عَنْ صِيَانَةِ حَقِّقِ الْمُسْلِمِ
يَا لَتَنْغِيرَ فِجْنَةُ لَابِاسٍ بِهِ
بَشُورٌ وَأَهْلُ النَّارِ وَالْبَصِيرَةُ

یعنی اگر تاجر حضرات طوفانی پر
اترائیں اور قیمتوں میں کھلی زیادتی
کرنے لگیں، اور حاکم وقت مسلمان
صارفین کے حقوق کا تحفظ قیمتوں میں
کنٹرول کرنے میں ہی سمجھے تو اہل رائے
اور اہل علم و دانش حضرات کے مشورہ

ہدایہ ج ۳ ص ۱۰۰ (۱ عدد مختار ص ۱۰۰) سے قیمتوں پر کنٹرول کر سکتا ہے۔

نیز حاکم وقت کو اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا، کوئی تاجر، دکاندار مقرر کردہ قیمت سے زیادہ وصول نہ کرے، چنانچہ امارت سے بھی اسی طرح واضح ہوتا ہے۔

ایک گراں فروش دکاندار کو فاروق اعظم کی تسبیح
(گراں فروشی کا سد باب)

ایک خاص حکمت کے تحت عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کے حق میں نہیں ہے، وہاں دوسری طرف تاجروں اور مارکیٹ کے دکاندار پر بھی کڑی نظر رکھنا ہے کہ وہ کہیں ضمن فاحش اور گراں فروشی کے مرتکب نہیں ہو رہے۔

دکانداروں کو نفع کمانے کی اجازت ہے اور بلاشبہ وہ نفع کمائیں، مگر ضمن فاحش اور بے تحاشہ گراں فروشی کی اجازت بھی نہیں دیتا، بلکہ اسلام اس سلسلے میں ایسے دکانداروں اور تاجروں کو بازار سے اٹھا دینے کی بھی سفارش کرتا ہے جو بے تحاشہ نفع اندوزی اور گراں فروشی پر اترے ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں غلیظہ وقت اور اس کے نابین حکام شہروں میں صورت حال کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہیں گے اور وہ ایسے شخص کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے مجاز ہیں جو بازار میں گراں فروشی کا مرتکب ہو رہا ہو۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
كَرِهَ أَنْ يَكُونَ فَرُوقٌ أَعْظَمَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
كَارِزًا لِّأَيِّكَ دَكَانِدَارًا عَاطِبَ بْنَ أَبِي

وَهُوَ يَبِيعُ زَبِيلَهُ بِالسُّوقِ فَقَالَ
لَهُ عُمَرُ مَا إِنَّ تَزْيِيدَ فِي السَّعْرِ

بلتہ سے ہوا، وہ بازار میں منشی بیچ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ منشی کا نرخ زیادہ سستا کرو۔ امام محمد ص ۳۴۱

علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کی عبارت آن تنید میں لا محذوف ہے۔ تقدیر امان لا تنید ہے اور ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ راقم اس کی مثال میں آیت والذین یطیقونہ پیش کرتا ہے کہ یہاں بھی حرف لا محذوف ہے اور تقدیر عبارت ہے والذین لا یطیقونہ اور اگر ہمزہ سلب کا ہو تو پھر لا کے محذوف کی ضرورت نہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وَيَهْدُ أُنَاخُذُ لَا يَنْبَغِي أَنْ
يُسَعَّرَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَيُقَالَ لَهُمْ
بِيعُوا كَذَا أَوْ يُجَبَّرَ أَعْلَى
ذَلِكَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ
وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا (موطا امام محمد ص ۳۴۱)

یعنی ہماری یہی رائے ہے کہ عام حالات میں مسلمانوں پر قیمتوں کا کنٹرول نہ کیا جائے۔ البتہ خاص حالات میں گراں فروشوں سے کہا جائیگا کہ فلاں فلاں قیمت پر بیچو اور انہیں مجبور کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ اور ہمارے فقہاء کی یہی رائے ہے۔

لہذا گراں فروشی کے سد باب کے لئے دوسرا کوئی چارہ کار باقی نہ ہے تو ایسے خاص حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی بلاشبہ اجازت ہے اور اس کی خلاف ورزی پر مناسب تادیبی کارروائی بھی عمل میں لائی جاسکتی ہے جو خلاف ورزی کے مرتکب کو مارکیٹ سے نکال دینے، جبر مانے یا جسمانی سزا کی صورت میں ہو سکتی ہے اور تعزیری

کارروائی ضروری ہے کہ دین و آخرت سے بے خبر تاجروں کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔

ہاتھوں سے ان کے دامن دیں بھی نکل گیا
رخصت ہوا دلوں سے خیال معاد بھی

افراط زر نیز افراط زر نے ملکی معیشت کو خراب کر رکھا ہے اس کا نامہ ہو تو معیشت پر اچھا اثر پڑے گا۔ سونا چاندی و پیدائش کے اعتبار سے نقد ہیں اس لئے یہ نقد اصلی اور نقد حقیقی ہیں اور روپیہ اصلاحی یا نقد عرفی ہے یہ نقد اصلی کی جگہ نقد عارضی ہے۔ نقد اصلی کی نقدیت کو کوئی طاقت منسوخ نہیں کر سکتی، مگر روپیہ اور نوٹ کی نقدیت کو جب چاہیں منسوخ کر دیں۔ منسوخ ہونے کے بعد یہ سوکانوٹ چار آنے کا بھی نہیں رہے گا۔ تو جب نوٹ اور روپیہ نقد عارضی اور نقد اصلی (سونے چاندی کی جگہ ہے) تو نوٹ اور روپیہ اتنا ہی چھاپنے چاہیے جتنا ہمارے ملک کے پاس سونا اور چاندی ہو، کیونکہ یہ روپیہ تو سونے اور چاندی کی نسبت سے شمن اصطلاحی ہے، تو سونا اور چاندی منسوب الیہ ہوتے اور روپیہ منسوب تو جو روپیہ مقابلہ بڑھ جائیگا، وہ بلا نسبت رہ جائے گا اور وہی معیشت کی بدعالی کا باعث بنے گا اور بن رہا ہے، لہذا ملک کی معاشی حالت کو سدھارنے کے لئے ضروری ہے کہ افراط زر (بلا نسبت) کا روپیہ اور نوٹ ختم کیا جائے، کیونکہ اس سے ملک کی معاشی حالت سدھرتی نہیں، بلکہ بدستور خراب بلکہ زیادہ خراب ہوتی ہے۔

تیرا جلوہ کچھ بھی تسلی دل نا صبور نہ کر سکا
وہی دگر یہ سحری رہا، وہی آہ نیم شبی رہی

تاجروں میں رواج ہے
کرجب کوئی شخص کسی

بیعانہ واپس نہ کرنے کی ممانعت

چیز کا سودا پرکا کرتا ہے تو بیعانہ دیکر بائع (بیچنے والے) کو اس بیع کا پابند بنا لیتا ہے۔ پھر اگر وہ کسی وجہ سے اس چیز کو خریدنے سے رہ جائے، تو تاجر اس بیعانہ کو سختی خولیش ضبط کر لیتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے: چنانچہ امام مالک ابو داؤد، ابن ماجہ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور امام ابو داؤد و ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعانہ ضبط کر لینے سے منع فرمایا۔ امام مالک علیہ الرحمۃ اپنی موطا میں فرماتے ہیں:

فَإِنْ نَدِمَ الْمَشْتَرِي فَقَالَ
لِلْبَائِعِ أَقْبِلْنِي وَأَنْظِرْكَ بِالثَّنَيْنِ
دَفَعْتُ إِلَيْكَ فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَصْلَحُ
وَالْمَلِكُ الْعَلِيُّ يَنْهَوْنَ عَنْهُ
الْبَيْعُ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۲۲)
کہ اگر مشتری نادم ہو اور بائع سے کہے کہ بیع کا اقرار کیجیے اور جو بیعانہ میں تمہیں دے چکا ہوں، وہ میں نے چھوڑ دیا، تو بائع کو ایسا کرنا جائز نہیں اور اہل العلم یعنی علماء اس سے منع فرماتے ہیں۔

لہذا تاجروں کو بیعانہ کا رکھ لینا جائز نہیں، بلکہ مشتری کو واپس کر دیا جائے۔ مجبور انسان کی درخواست پر بیع کو توڑ دینا ثواب ہے۔ حدیث میں

ہے کہ اس سے بائع و مشتری میں سے مجبور کے ساتھ تعاون کرنے والے کے گناہ خدا تعالیٰ روز قیامت معاف فرمائے گا۔

معدوم کی بیع سے ممانعت | تاجر لوگ اپنے تجارتی کاروبار میں جہاں کئی ایک اور غیر اسلامی کاروبار کی طرح کار میں ملوث ہو کر معاشی بحران کا سبب بنتے ہیں وہاں معدوم (عديم الوجود) اشیاء کی خیالی تجارت تک بھی معاشی بدعالی کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جو میرے پاس نہ ہو (ترمذی ج ۲ ص ۱۴۸ مجتہاتی)۔

اور ترمذی کی دوسری روایت، اور ابو داؤد و نسائی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت میکیم بن حزام کہتے ہیں یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور مجھ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے، وہ چیز میرے پاس نہیں ہوتی (میں بیع کر دیتا ہوں) پھر بازار سے خرید کر اسے دیتا ہوں، آپ نے فرمایا: لا یتبع مالیس عندک جو تیرے پاس نہ ہو اسے نہ بیچو (ترمذی ج ۱ ص ۱۴۸ و نسائی ج ۲ ص ۲۲۵ و ابو داؤد ج ۲ ص ۴۲۸) اس حدیث کے بعد امام ترمذی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

والعمل علیٰ ہذا عند اکثر
اہل العلم کبرھون ینبیح
الرجل مالیس عندہ (ج ۱ ص ۱۲۸)

اور امت کے اکثر علماء کا اس پر عمل ہے وہ بیع معدوم کو مکروہ و ممنوع قرار دیتے ہیں۔

اگر تاجر حضرات اس حدیث کے مطابق عمل کریں اور معدوم کی بیع کرنا چھوڑ دیں تو ہماری معاشی حالت رو بہ اصلاح ہو سکتی ہے اگر تاجروں کو ملک ملت سے ہمدردی ہوگی تو وہ اس لعنت سے کنارہ کیے بغیر نہیں رہیں گے۔

دیکھ تو اپنا عمل تجھ کو نظر آتی ہے کیا!!
تیرے آبار کی نگر بجلی تھی جس کے واسطے
وہ صداقت جس کی بیباکی تھی حیرت افزا
ہے ہی باطل تیرے کاشانہ دل میں کہیں

معدوم کی بیع حلال نہیں | ترمذی، ابو داؤد و نسائی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے جو روایت

کی ہے اس میں لا یحل کاللفظ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لا یحل سلف و بیع ولا شرائط فی بیع ولا بیع مالیس (یعنی اس طرح کہ میں نے یہ چیز آپ کے عندک (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۸) یا تھو اس شرط پر بیچی کہ آپ مجھے نسائی ج ۲ ص ۲۲۳ و ابو داؤد ج ۲ ص ۴۲۵) قرض دیں اور نہ ہی بیع (ایک یا دو شرطوں سے مثلاً کپڑا لیتا ہوں، مگر تمہیں سلوا اور رنگ کر اگر دینا ہوگا) اور نہ اس چیز کی بیع حلال ہے جو تمہارے پاس نہیں۔

جس پر قبضہ نہیں کیا اس کا نفع بھی ممنوع | ابو داؤد اور ترمذی کی روایت

میں وَلَا رِبْحَ مَالٍ يُفْسَدُ کے لفظ ہیں، یعنی جب تک خرید کر وہ تمہارے قبضہ ضمان میں نہ آجائے اسے بیچ کر نفع کما نا بھی تمہارے لئے ناجائز ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شے (خرید کر وہ) پر جب تک خریدار قبضہ نہ کرے اس وقت تک اس کی بیع آگے جائز نہیں۔ امام غنیم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا بھی یہی حکم ہے کہ اشیاء منقولہ پر (مشتري کا قبضہ ضروری ہے، بیع تو محض ایجاب قبول اور شے کی دیکھ بھال کے بعد قطعاً ہو گئی لیکن اگر مشتری بیع (خرید کر وہ چیز) کو آگے بیچ کر نفع کما نا چاہتا ہے، تو پہلے بیع پر قبضہ کرے، پھر اس کی بیع کرے، ہاں اشیاء غیر منقولہ میں رعایت ہے کہ قبل القبض ان کی بیع جائز اور نفع بھی حلال (ملاحظہ ہو موطا امام محمد ص ۳۳۱) یہ جو بولی سے بیع کی جاتی ہے، یہ بلاشبہ جائز ہے ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ٹاٹ اور پیالہ بیچا اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو کون خرید کرے گا؟ ایک صاحب بولے میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ اپنے فرمایا مَنْ يَزِيدُ عَلَى دَرَاهِمٍ کہ ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟ مَنْ يَزِيدُ عَلَى دَرَاهِمٍ۔ دیتا ہے۔

ایک شخص نے عرض کی کہ میں دو درہم دیتا ہوں تو اس نے دو درہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیے اور اپنے دونوں چیزیں اس کو دے دیں (ترمذی ج ۱ ص ۱۳۶)

ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی اسی طرح ہے، لہذا بولی جائز ہوئی، مگر جھوٹ کی بولی جائز نہیں کہ ایک آدمی بائع کی طرف سے اس کی سازش سے خریدار بن کر آجائے اور صرف قیمت بڑھانے کے بہانے بولی میں حصہ لے، اس سے حدیث میں ممانعت آتی ہے، ایسے ناجائز حربوں اور حیلوں سے باز آکر وہ اسلامی طریقے اختیار کرنے چاہئیں جن میں مسلمان کی دنیاوی بھلائی بھی ہو اور آخرت کا فائدہ بھی ہے جن کی تباہی میں انداز کہیں بھی، نو بھی ہے اور تیرے کو کب تقدیر کا پر تو بھی ہے

بولی میں قیمت کا توازن قائم رہنا چاہیے | بولی میں قیمت کا تناسب توازن

قائم رہنا چاہیے۔ حدیث مذکور سے واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بولی پر فوراً بیع کو بولی دینے والے کے حوالے کر دیا، حالانکہ اس (بیع) کی قیمت اور بڑھانے کے لئے مزید بولی دی جا سکتی تھی، مگر اپنے تعلیمات مزید بولی ترک فرمادی تاکہ خریدار کو بازار میں اس چیز کے دام زیادہ نہ بڑھانے پڑیں اور ایکٹ میں اس چیز کی قیمت تناسب و توازن سے کڑا واقع نہ ہو۔ بولی دینے اور نیلام کرنے والے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو مشعل راہ بنا کر چلیں تو مہنگائی کا خاتمہ ہی ہو جائے۔

مک میں گراتی اور مہنگائی کے بنیادی اسباب | غیر اسلامی طریقے ہیں جو تاجروں

اور کاروباری حضرات میں رائج ہو چکے ہیں یا انہوں نے امیر سے امیر تر بننے کی

ہوس میں ان غیر اسلامی طریقوں کو اپنایا ہے یہ بات مسلم اور ناقابل تردید ہے کہ حجت تاجروں میں اسلامی اور شرعی طریقوں کے مطابق کاروبار کرنا چاہئے و عمل تھا، مہنگائی نام کو نہ تھی اور جب غیر اسلامی اور غیر شرعی طریقے جزد تجارت بن گئے جب مہنگائی بڑھتی چلی گئی اور کوئی تدبیر اسناد کا رگڑنا بت نہ ہوئی تو مرض بڑھنا گیا جوں جوں دوا کی

مہنگائی کے دور کرنے اور معاشرہ کے خوشحال ہونے کی صورت اور اہم صورت

یہی ہے کہ کاروباری حضرات رضا کارانہ طور پر (یا حکومت کے حکم سے اپنے کاروبار کی بنیاد اسلامی اور شرعی طریقوں پر استوار کریں۔ اس سلسلے میں کچھ طریقے تو ہم ذکر کر چکے ہیں جن میں جائز اور ناجائز کی تفصیل بھی حد ضرورت تک گزر چکی ہے۔ اب ہم اس سلسلے میں مزید کچھ عرض کرتے ہیں تاکہ تاجر حضرات ان پر عمل کر کے نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی شعبوں میں بہتر کردار ادا کر کے مہنگائی کے کم کرنے میں مدد دے سکیں۔

بیع باطل اور فاسد

اس سلسلے میں تاجروں کو احتراز کرنا چاہیے کہ جس صورت میں بیع کا کوئی ٹکن (جس کے بغیر دو فریقوں میں بیع عمل میں نہیں آسکتی) مفقود ہو یا وہ چیز بیع کے قابل ہی نہ ہو، وہ بیع باطل کہلاتی ہے (یعنی بیع حرام و ناجائز) مثلاً پاگل یا بے عقل بچہ کو بیع میں فریق بنانا بیع باطل ہے کہ ایجاب قبول بیع کا رکن ہے اور بچہ غیر مقل ایجاب قبول کرنے کا اہل نہیں لہذا

اس صورت میں بیع کا رکن مفقود ہوگا۔ اسی طرح مردار، خون اور شراب ایسی حرام چیز یا کسی آزاد انسان کی بیع بھی باطل و حرام و ناجائز ہے کہ یہ چیزیں بیع کے قابل ہی نہیں ہیں اور اگر رکن بیع یا بیع کے قابل و محل میں کوئی خرابی نہ ہو، بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور خرابی لازم آتی ہو تو اسے بیع فاسد کہتے ہیں، مثلاً شراب ایسی حرام چیز کے معاوضہ کو لے کر آگے اس کے ساتھ کوئی سود اسلف لینا دنیا یا ایسی چیز کا سودا کرنا جسے خریدار کے حوالہ کرنا پس میں نہیں یا عقد و بیع کے تقاضوں کے خلاف کوئی شرط عائد کر دینا بیع کو فاسد و خراب کر دیتا ہے۔ فتاویٰ در مختار میں ہے :

وَحَلَّ مَا أَوْرَثَ خَلَّةً فِي رُكْنٍ كَرَجَسٍ سَ رُكْنٍ بَيْعٍ فِي غُلٍّ آتَى،
الْبَيْعُ فَهُوَ مُبْطِلٌ وَمَا أَوْرَثَهُ اس سے بیع باطل ہوتی ہے اور جس چیز فی غیبرہ فَيُسْنَدُ۔ سے رکن و محل کے علاوہ کسی میں غل آئے، وہ بیع کو فاسد کرتی ہے۔ (۳۳۴ مطبع احمدی دہلی)

بیع مکروہ

بیع مکروہ سے بھی بچنا چاہیے، مثلاً بولی کے وقت قیمت بڑھانے کے لیے اس قسم کے آدمی کو بولی میں شامل کر دینا جو خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتے، مگر دکھاوے کے لئے بولی میں حصہ لیتے ہیں اور دام بڑھ چڑھ کر بتاتے ہیں تاکہ دوسرے تاجران سے بڑھیں اور وہ چیز مہنگے داموں فروخت ہو۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع بخش سے منع فرمایا اور بیع بخشی اسی طریقے کی بیع کو کہتے ہیں۔

بیع مسلم

بیع مسلم جائز ہے اور یہ کہ ایک شخص نقد پیسے دیکر جس غلہ وغیرہ ایک مدت متعین تک لینے کا عہد لیتا ہے اور

دونوں طرف سے ایجاب و قبول سے سودا طے ہو جاتا ہے، اسے بیع سلم کہتے ہیں۔
رقم دینے والے کو رب السلم یا مسلم اور جنس دینے والے کو مسلم الیہ اور جنس کو
مسلم فیہ اور رقم کو راس المال اور اس طریقہ بیع کو بیع سلم کہتے ہیں۔ اس کے
جواز میں سات شرطیں ہیں:

۱۔ جنس کا معلوم ہونا مثلاً گندم یا جو وغیرہ۔

۲۔ نوع کا معلوم و طے ہونا کہ کون سی قسم ہوگی۔

۳۔ وصف یعنی اعلیٰ ادنیٰ کا معلوم ہونا۔

۴۔ مقدار کا معلوم و طے ہونا۔

۵۔ مدت و مہلت کا معلوم و طے ہونا۔

۶۔ رقم کا معین و معلوم ہونا یعنی راس المال کا معلوم ہونا۔

۷۔ جنس مذکور کہاں پہنچانا ہوگی، جب کہ پہنچانے میں خرچہ ہوتا ہو۔

(ہدایہ ج ۳ ص ۹۶ طبع یوسفی لکھنؤ)

عیاشی اور تکلفات کے روک تھام

گنجائش نہیں کرے اسراف تبذیر ہے اور تبذیر و اسراف قرآن و سنت کی رو سے
حرام ہے۔ عیاشی سے مراد دولت کا بے جا ضیاع ہے۔ اچھا پہننا اور اچھا کھانا
اور اچھا سیلنڈر اختیار کرنا اسلام میں ممنوع نہیں، بلکہ کسی حد تک درست ہے اسلام
اس قدر تنگ دین و مذہب نہیں کہ خوش پوش اور خوش خوری کو منع کرے بلکہ
مناسب حد تک یہ محسوس و مطلوب ہے صحیح ترمذی میں ہے کہ حضرت مالک بن

عوف رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس
دیکھا، تو فرمایا کہ ”کیا تیرے پاس مال ہے؟“ فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور میرے
پاس خدا کے فضل سے ہر قسم کا مال ہے۔

ثَلُثٌ مِنْ كُلِّ السَّالِ قَدْ عَطَانِي
اللَّهُ مِنْ الْأَيْسِلِ وَالْعَسَنِ
میں نے عرض کی کہ خدا نے مجھے ہر قسم
کا مال دیا ہے، اونٹ اور بھیڑ بکریاں
(بہت ہے) فرمایا کہ اس کا تجھ سے ظہور
ہونا چاہیے (یعنی خدا کی نعمت کا استعمال
کر کے اظہار کرو، فقیرانہ لباس ترک کرو)

(ترمذی ج ۲ ص ۲۱)

لیکن آج جس طرح عیاشی کی بے لگام دوڑ جاری ہے۔ یہ ملکی و قومی اور
انفرادی معیشت کے لئے خطرناک ہے۔ اس قسم کی عیاشی کی روک تھام ضروری
ہے اس سلسلے میں اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کی ہدایات موجود ہیں صرف
عمل کی ضرورت ہے، پھر یہ معاشی ویرانی معاشی خوشحالی میں بدل سکتی ہے۔

نہیں ہے تا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے

ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

عیاشی کرنے والے و قسم کے لوگ ہیں

عیاشی کرنے والے دو قسم
کے لوگ ہیں ایک تو
سرمایہ دار، اس میں زمیندار، تاجر اور صنعت کار تینوں گروہ شامل ہیں، ملکی
معیشت کی بدتری اور خرابی کے یہی تین گروہ ذمہ دار ہیں، کیونکہ ملکی معیشت
کا انحصار انہیں تین چیزوں پر ہے: تجارت و صنعت، و عرف اور زمیندار

لیکن انفس سے کہنا پڑتا ہے کہ تاجر و صنعت کار اور زمیندار عیاشی کی دوڑ میں ان تینوں اداروں کے تقدس کا مذاق اڑانے میں پیش پیش ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں بعض افراد اچھے بھی ہیں اور قابلِ تعریف بھی۔ مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو حکومت کے اعلیٰ عہدوں اور مناصب عالیہ پر فائز ہیں جو ہزاروں روپے مالانہ تنخواہیں اور دیگر ہمہ قسم کی مراعات مفت میں حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ بھی عیاشی کی دوڑ میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی اور ریس میں پچھلے طبقے کے لوگ بھی عیاشی کی طرف بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہیں جس کی وجہ سے رشوت تانی وغیرہ ایسی خرابیاں ہماری معاشرے کو اپنی پلیٹ میں لے چکی ہیں اور یہ خرابیاں ملک کے کم آمدنی والے سفید پوش شرفاء کے لئے وبالِ جان بن کر رہ گئی ہیں اور وہ نہ تو ناجائز ذرائع سے کمائی کرنا گوارا کرتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ کی ایسی ہمہ گیر خرابی کا اخلاقی مقابلہ کرنے کی اپنے میں ہمت پاتے ہیں۔ اس لیے وہ ملک چھوڑنے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں اور یہ خرابی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کے پاس کوٹھی اکا اور ٹیلی ویژن ہو اور نوکر چاکر ہوں کیونکہ موجودہ عیاشی کی دوڑ میں شرافت انسانیت کا معیار صرف یہی تین چیزیں سمجھی جا رہی ہیں۔ اس دوڑ کا مدار کہ روک تھام بہت ضروری۔ اس سلسلے میں اسلام کے اقتصادی نظام کے تقاضوں کو بروئے کار لانے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی اشد ضرورت ہے۔

نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہریاں اس میں

نہ پوچھ لے ہم نشیں مجھ سے وہ چشم سر سا کیا ہے

عیاشی سے ممانعت کا ایک قانون فقہ

اس قانون کو قانون

حجر عیاشی کا قانون

کہا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کا قانون حجر عیاشی کی روک تھام کے لیے ایک موثر قانون ہے۔ لعنت میں حجر کے معنی روکنا ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مال میں تصرف کرنے سے روکنا ہے۔ اگرچہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ قانون حجر کو صرف نابالغ بچے اور مجنون کے ساتھ مختص رکھتے ہیں؛ تاہم آپ کے صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد علیہما الرحمۃ قانون حجر کو ان کے علاوہ ایسے لوگوں پر بھی عائد فرماتے ہیں جو اپنے مال کو عیاشی، یہودگی اور لہو و لعب وغیرہ میں صرف کر کے معاشی خرابی کا باعث بنتے ہیں اور فقہا احناف نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کی بجائے صاحبین کے قول کو اختیار کیا اور اسی پر فتویٰ دیا۔ چنانچہ درمختار میں ہے

وَعِنْدَ هَٰذَا يَخْجَرُ عَلَى
الْحَجَرِ بِالسُّفْهِ وَالْغَشَلَةِ وَبِأَيِّ
أَعْيَ بَقُولِهَا يُعْتَقَىٰ

یعنی صاحبین کے نزدیک یہودہ اور عیاش لوگوں کو بھی قانون حجر میں شامل کیا جائے گا اور صاحبین کے قول ہی پر احناف کا فتویٰ ہے۔

اسی طرح فتاویٰ قبستانہ ج ۴ ص ۸۶ پر فرماتے ہیں والسخنار فوسما
کہ صاحبین کے ہی قول کو امتیاز کیا گیا ہے، یعنی مائل و بالغ عیاش انسان پر
اس کی بے ہودگی و کج فہمی کی بنا پر اس بات کی پابندی عائد کر دی جائے کہ وہ
اپنے مال میں شریعت و عقل مندی کے خلاف کوئی تصرف نہ کرے۔ عمدۃ القاری

اس سلسلے میں مزید تفصیل فقہ اسلامی کی کتابوں **BOOKS OF ISLAMIC LAW** میں دیکھی جاسکتی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسا شخص اپنے مال میں فغفل خرچی و عیاشی کرنے اور اسے عقل و شریعت کے مقتضائے برعکس صرف کرنے لگے تو سرپرست یا سماج و با اختیار ادارہ سرکاری یا غیر سرکاری جسے سرکاری سرپرستی حاصل ہو اس کا حق تصرف اس وقت تک موقوف کر دے: جب تک کہ انہیں اس بات کا یقین یا ضمانت میسر نہ ہو کہ وہ آئندہ کے لیے اپنے مال کو شریعت و عقل کے مطابق ہی خرچ کرتے گا اور یہ قانون انہیں کے لئے ہے جو اخلاق کی زبان نہیں سمجھتے ہیں اور جو اخلاق سے سمجھتے ہیں انہیں اخلاق سے اور دوسروں کو قانون حرج کے قاصرانہ طریقے سے عیاشی سے باز رکھنا چاہئے اور اسلام کا یہ بہترین قانون ہے۔ جب سے اس سے حکمرانوں نے صرف نظر کی تب سے معاشرہ برباد ہوتا چلا گیا ہے اسے لالچ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں!

گفتار دہرانہ، کردار و سہرانہ

حکومت کے اعلیٰ افسران و عہدیداران کے لئے فاروق اعظم کی ہدایات

حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اور اعلیٰ افسران بھی برابر کے شریک ہیں جس کی وجہ سے نچلے لازم بھی مبتلا تھے رشک ہو کر ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنا معیار زندگی اعلیٰ افسران کے مطابق بنانے میں مصروف عمل ہیں لہذا اسلام کا اقتصادی نظام اس بات کا مقتضی ہے کہ سب سے پہلے سربراہ مملکت سادگی اختیار کرے۔ عیاشی

کی نئی سے نئی روایت قائم کرنے کی بجائے سابقہ روایات کو ہی ختم کر کے بے تکلف زندگی کا آغاز کرے اور سیرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مد نظر رکھیں۔ سادگی کے باوجود جن کے تقویٰ و اللہیت کی ہیبت سے لوگوں کے دل کانپتے تھے۔ تیری نگاہ سے دل کانپتے تھے سینوں میں کھرایا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

اور قومی خزانے سے ضرورت سے زیادہ وظیفہ نہ لے اس سلسلے میں بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت کی اقتدا کرے۔

اس سلسلے میں گاندھی کی اپنے وزیروں کو ایک اسم نصیحت

کم از کم گاندھی سے پیچھے تو نہ رہیں جو غیر مسلم ہونے کے باوجود سیدنا ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی سیرت کا اس قدر دلدادہ تھا کہ ۱۹۳۵ء میں اس نے کانگریسی وزیروں کے نام ایک ہدایہ نامہ جاری کیا کہ ”میں اپنے وزیر ار کو ہدایت و نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ابو بکر و عمر کے طریقہ پر چلیں“ (دستور اسلام ص ۲۰۹) معلوم ہوا کہ گاندھی جیسے متعصب اور کٹر ہندو کی نظر میں ابو بکر و عمر کی حکمرانی اور عدل عمرانی کا ایسا پاک اور سنہرا دستور اور قانون صفت ہستی پر ابھی موجود ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کا دستور اور قانون اس کی گمراہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا اور یہ وہی قانون و دستور ہے جو خلفائے راشدین نے کتاب الہی اور سنت مصطفوی سے سمجھا۔ گاندھی نے اپنے ہدایت نامہ میں ابو بکر و عمر کے طریقے پر چلنے کی ہدایت کی اور امریکہ و برطانیہ کا حوالہ نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مطابق خلفاء راشدین

کا دور انسانیت کے ارتقاء و عروج کا بہترین دور تھا جب کہ امریکہ و برطانیہ اور روس کی حکومتوں کا دور انسانیت کے انحطاط و زوال کا دور ہے۔
تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ اموت
ہے حضرت انسان کیلئے اسکا ثمر موت

سیدنا
معاشی حالت کو سہارنے کے لیے تین قیمتی اصول فاروق اعظم

رضی اللہ عنہ نے ملکی میشت کو ترقی دینے کے لئے سب سے پہلے اپنے آپ پر سادگی کا قانون نافذ کیا اور اس قانون کے نفاذ کا آغاز اپنی ذات سے فرمایا، چنانچہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ م ۱۸۲ھ اپنی کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی اپنی پوزیشن عوام پر واضح کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي لَا أَحِدُ
هَذَا الْمَالُ يُصْلِحُهُ إِلَّا جِلْدُ
ثَلَاثٍ أَنْ يُؤْخَذَ بِالْحَقِّ وَيُعْطَى
فِي الْحَقِّ وَيَسْتَعَمَّ مِنَ الْبَاطِلِ
(ص ۱۱۷)

یہ تین فاروقی کی یہ ہدایت ملکی میشت کو سنوارنے کے لئے ایک عظیم ضابطہ اور بہترین راہنمائی ہے کہ مال اور دولت جائز اور حق پر مبنی طریقوں سے حاصل کی جائے۔ خیر اور نیک کاموں میں خرچ کی جائے اور عقل و شریعت کے

مقتضی کے خلاف کسی بات میں اسے خرچ کرنے سے قطعی گریز کی جائے۔ پھر اپنے اپنے اس فطیفے کی مقدار کا اعلان فرمایا جو اپنے سرکاری فرائض (بیت المال) سے لینا منظور فرمایا ہے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں نقل فرماتے ہیں۔
آپ نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا وَمَالُكُمْ كَوْنِي
الْيَتِيمُ إِنْ اسْتَعْنَيْتُ اسْتَعْنَفْتُ
وَإِنْ افْتَنَزْتُ أَكَلْتُ بِالْمَعْرُوفِ
(کتاب الخراج ص ۱۱۷)

میرے لئے تمہارا بیت المال ایسے
بے حیہ یتیم کے سرپرست کے لئے یتیم
کا مال اگر مجھے ضرورت نہ پڑی تو میں
اس میں سے کچھ نہ لوں گا اور ضرورت
ہوتی تو حاجت کی حد تک لوں گا۔

عزت اسلام سے ہے
امام غزالی علیہ الرحمۃ احیاء العلوم میں
فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق اعظم
رضی اللہ عنہ شام میں داخل ہوئے یہ آپ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ آپ کا لباس
بالکل سادہ تھا۔ آپ کے رفقار نے عرض کی کہ آپ اسلامی سلطنت کے سربراہ
ہیں اور آپ کے لباس اور وضع قطع میں انتہائی سادگی ہے۔ بہتر تھا کہ آپ اس
کی نسبت کچھ لباس زیب تن فرماتے پھر شام میں داخل ہوتے۔ آپ نے فرمایا کہ
مجھے کسی کی ملامت کا کوئی اندیشہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم
نے سادگی کی تعلیم پائی ہے۔

إِنَّا قَدَّمْنَا عَزَّ نَا اللَّهُ بِالْإِسْلَامِ
فَلَنْ نَطْلُبَ الْعِزَّ فِي غَيْرِهِ
کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اسلام پر عمل
کرنے سے عزت بخشی ہے۔ ہم غیر اسلامی

(احیاء العلوم ج ۳ رسم و رواج کے ذریعے سے عزت کے

طلبگار ہرگز نہیں ہوں گے۔

۱۳۳۷ھ

جب کسی قوم کے سربراہ مملکت میں اس قدر ملک و ملت سے ہمدردی کے جذبات موجزن ہوں تو اس قوم کی معاشی حالت کیونکر نہیں سدھر سکتی۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ

حکومت کے اعلیٰ عہد کی چار شرطیں

کتاب الخراج میں لکھتے

ہیں کہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کسی کو کوئی عہدہ سپرد فرماتے اور گورنری وغیرہ کے منصب پر فائز کرتے تو ان سے چار چیزوں کا عہدہ لیتے اور اس عہدہ و پیمان پر مہاجرین و انصار کے اکابر صحابہ کو گواہ بناتے اور فرماتے:

أَنْ لَا يَكُوبَ بَرْدٌ وَنَا وَلَا
يَلْبَسَ ثَوْبًا زُفَيًّا وَلَا يَكُلُ نَقِيًّا وَلَا
يَغْلُقَ بَابًا وَنَحَارِيجَ النَّاسِ
وَلَا يَتَّخِذَ حَاجِبًا (كتاب الخراج ص ۲۱)

ترکی گھوڑے کی سواری نہ کرنا
باریکٹ (شاہانہ لباس نہ پہننا) میڈہ
کی روٹی نہ کھانا، دروازے پر پہرہ دار
کھڑا کر کے ضرورت مند لوگوں کو اپنے
تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ کرنا۔

یہ ہدایت کسی شہر بازی یا ریاکاری پر مبنی نہ ہوتی تھیں، بلکہ انہیں عملی جامہ پہناتے اور صورت حال پر کٹری نظر رکھتے تھے اس سلسلے میں حضرت محمد بن مسلمہ کی تقرری خصوصی طور پر عمل میں لائی گئی تھی وہ دورے کرتے رہتے اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو جا کر دیکھتے تھے کہ وہ ان شرائط پر باقاعدگی سے عمل کر رہے ہیں یا غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک مرتبہ مصر کے گورنر عیاض بن غنم کے

بارے میں آپ کو مصدقہ اطلاع ملی کہ وہ ان شرائط پر عمل کرنے میں سستی کر رہے ہیں، تو آپ نے اسے بلا کر ڈانٹا اور انہیں گورنری کے عہدہ سے معزول کر دیا اور فرمایا تمہیں وہ زمانہ بھول گیا جب تمہارا باپ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ آج تم گورنری کے عہد میں اپنی اصلیت کو بھول گئے، یہ لاشی پکڑو اور اپنے باپ کی طرح بکریاں چراتو۔

نظر نہیں تو میرے حلقہ سخن میں نہ بیٹھ

کہ نہتہ ہائے خودی میں مثال تیغ میل

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں مزید لکھتے ہیں کہ پانچویں شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ گورنر اپنی ریاست کے امیر و غریب کے ساتھ برابر سلوک کرے گا اور اسے بیماروں کی عیادت کے لیے بھی جانا ہوگا جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہوتا کہ:

أَنْ عَامِلَهُ لَا يَتَعَوَّدَ الْمَرِيضِينَ
وَلَا يَدْخُلَ عَلَيْهِ الضَّعِيفُ
نَزَعَهُ (ص ۱۱)

آپ کا فلاں گورنر بیماروں کی
عیادت کے لئے نہیں جاتا اور کمزور
ضعیف بے وسیلہ لوگ اس تک نہیں پہنچ
پاتے تو آپ اسے معزول کر دیتے۔

بہر حال اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور خلفاء راشدین مہدیین نے اسے وہ عروج بخشا کہ اس کی مثال چشم فلک نے نہ پہنچے کبھی دیکھی تھی اور نہ بعد میں دیکھنے میں آئی۔

دو ضرر کے کچھ اہم سوالات

اور ان کے جوابات

سوال : کیا حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ یہ ضمانت دے کہ غیر سودی بینک کو اگر نقصان اٹھانا پڑا، تب بھی عند الطلب کھانے دار کا پورا سرمایہ محفوظ رہے گا، چاہے حکومت کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑے ؟

جواب : اس صورت میں حکومت کو ادا کرنا لازم نہیں ہوگا۔ اسے ضمانت العمران کہتے ہیں اور یہ صحیح نہیں، لہذا لازم بھی نہیں۔ چنانچہ عنایہ

شرح ہدایہ میں ہے :

كَمْ يَدَّ قَالَ لَا خَرْبَ مَتَاعَكَ
فِي هَذِهِ السُّوقِ عَلَى أَنَّ كُلَّ وَصِيْعَةٍ
وَحُسْرَانٍ يَصْنَعُكَ فَإِنَّا ضَامِنُونَ لَكَ
فَأَنَّهُ غَيْرُ صَحِيحٍ -

(عنایہ شرح ہدایہ ج ۷)

(ص ۱۱۲)

نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق

سوال : زید علانیہ کہتا ہے کہ اس کے سامان کی نقد قیمت سو روپے ہے اور ادھار ایک سو بیس روپے ہے۔

(۱) زید سامان قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور ایسے سامان کو جس کی نقد قیمت عام طور پر سو روپے ہے دس روپے ماہانہ کی بارہ قسطوں میں بیچتا ہے۔ قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) زید قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور اعلان کرتا کہ اگر کوئی فرد پوری رقم یکمشت ادا کرے، تو اسے بیس فیصد رعایت دی جاسکتی ہے۔

(۳) زید خود تاجر نہیں، لیکن کسی شخص سے جو مال کی یکمشت رقم نہیں ادا کر سکتا، معاہدہ کرتا ہے کہ وہ سامان خرید کر اس فیصد سے زیادہ قیمت پر وصول کرے گا۔

جواب :

(۱) یہ جائز ہے۔

(۲) یہ بھی جائز ہے۔

(۳) یہ بھی جائز ہے کہ ہدایہ میں ہے : ویجوز ان یحط عن الثمن

(ج ۲ ص ۸۷) کہ بائع کو جائز ہے کہ واجب الادا قیمت میں سے کچھ معاف کر دے۔

(۴) یہ بھی جائز ہے۔

قرض میں کٹوتی ہنڈی

ایک قرض خواہ اپنے قرضے کی رقم
لے شدہ مدت گزرنے سے قبل وصول

کرنا چاہتا ہے مقررہ یا اس کے وکیل کی یقین دہانی پر قرض خواہ کو یہ رقم کٹوتی
کر کے وقت سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔ جیسے تین ماہ بعد ایک ہزار روپے کے
بدلے حاضر میں نو سو پچاس روپے کی ادائیگی اس طرح قرض چکانے کی شرعی
حیثیت کیا ہے اس کا فیصلہ کرتے وقت مندرجہ ذیل نکات پیش نظر رہیں
آج کل یہ طریقہ ہنڈیوں Bills of exchange کی ادائیگی کے
سلسلے میں کیا جاتا ہے جس کی تکنیک مندرجہ ذیل ہے۔

زید نے عمرو سے مال خرید لیا اور تین ماہ بعد رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا اس
کے لئے زید نے عمرو کو ایک تادیز ہنڈی کی شکل میں پیش کر دی عمرو نے
بنک الف میں یہ ہنڈی پیش کر دی تاکہ اس کی بنیاد پر بنک سے رقم قرض لے اور
بنک الف عمرو کو وہ رقم ادا کرتا ہے لیکن پوری رقم نہیں بلکہ اصل میں سے
کچھ حصہ اپنے حق کے بطور وضع کر لیتا ہے، گویا عمرو کو وقت سے پہلے رقم وصول
کرنے کے لئے کٹوتی منظور کرنا پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حدیث پر نظر رکھیں:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن اسکالی باسکالی والذین

بالذین او كما قال علیہ السلام۔

جواب: اس کے جواز کے خلاف کوئی دلیل نہیں، لہذا یہ جائز ہے
اور یہ ہنڈی گویا زید نے عمرو سے مطلوب رقم کے عوض بشرط کفالت ادا کی۔ گویا
زید کی دی ہوئی ہنڈی عمرو کے لئے وثیقہ اور ضمانت ہے کہ اس نے تین ماہ بعد

اس پر رقم ادا کرنا ہے اور عمرو اس پر بنک سے کچھ حصہ کم کر کے مطلوب رقم وصول کرتا
ہے اور جو کم کیا اسے اپنی رضا و رغبت سے کم کیا اور عرف میں اس صورت میں
مترکہ رقم اس سے ساقط بھی جاتی ہے جس نے ہنڈی دی؛ لہذا جس پر راضی
ہوا وہ وصول کیا باقی معاف کرتا ہے تو یہ جائز ہے چنانچہ حوالہ گذار کہ
صاحب دین جس قدر چاہے دیوں سے دین ساقط کر دے۔ فتح القدیر میں نقد
کی بیع نقد کے ساتھ کی چار صورتیں بھی ہیں جس کی ایک صورت جو جواز سے متعلق
ہے ہدایہ میں بھی ہے:

دیکھو زیع الفلوس بالفلسین یا عیانہما عند ابی حنیفہ والی

یوسف (ج ۲ ص ۸۳)

کہ ایک معین پیسے کی بیع دو معین پیسوں سے جائز ہے کہ یہ خلقت کے اعتبار
سے تو ثمن نہیں بلکہ عارضی طور پر ثمن ہیں۔ خلقت کی رو سے عرض میں لہذا
عائدین جب چاہیں ان کی عارضی ثمنیت کی نفی کر کے تفصیل سے دست برد
بیع کر سکتے ہیں، لہذا ایک طرف سے بانڈ اور دوسری طرف سے نوٹ ہوں تو دست
بردست تفصیل سے ان کی بیع جائز ہے یعنی اس روپے والا بانڈ ایک پانچ روپے
میں اور چاہے تو سو روپے میں فروخت کر سکتا ہے اور بیع اسکالی باسکالی کا معنی
یہ ہے کہ دست بردست نہ ہوں بلکہ ادھار سے ہوں چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

بخلاف اذا كان البغیر عیانہما لاند کالی باسکالی ونہی عنہ (ج ۲ ص ۸۳)

اور امام حاکم مندرک شریف میں فرماتے ہیں:

اسکالی باسکالی یعنی الذیمة کہ اسکالی باسکالی کا مطلب ادھار

کی بیع ادھار کے ساتھ ہے۔

بالنیتہ (ج ۲ ص ۱۵۷)

اسی طرح ہنڈی کی صورت میں بھی گویا ہنڈی خریدی اور بچ گئی جیسے بانڈ خریدے اور بچے جلتے ہیں تو اس میں کمی بیشی برضا سے عاقدین جائز ہے بیع الجنس بخلاف الجنس یا حط عن الشئ کے طور پر اور یہ دونوں جائز ہیں۔

افراط زر کی وجہ

قوت خرید میں کمی بیشی اور حکومت کا فرض

ہوئی ہے۔ یہ افراط زر بعض قومی مفاد کے حق میں پالیسی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات بیرونی اثرات کی وجہ سے اور بعض اوقات غلط پالیسی کی وجہ سے افراط زر میں لوگوں کی قوت خرید گھٹ جاتی ہے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے کیا کسی صورت میں حکومت کے لئے یہ شرعی فرض ہے کہ وہ قوت خرید میں کمی واقع ہونے پر لوگوں کے نقصان کی تلافی کرے اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے آج سو روپے دیئے جس سے چار من غلہ خرید جاسکتا ہے۔ اگر تین سال بعد زید اپنی رقم واپس طلب کرے اور اس وقت چار من غلہ کی قیمت ایک سو بیس روپے ہو تو اس کو بجائے ایک سو روپے کے ایک سو بیس روپے دیئے جائیں، لیکن اگر یہ قیمت اسی روپے رہ جائے تو اس کو اسی (۱۰۰) روپے دیئے جائیں۔

جواب: اس طرح سے جائز نہیں، ہاں حکومت اس رقم کے بانڈ دے دے پھر بانڈ کا معارضہ بانڈ والے صاحب کی مرضی سے کمی بیشی سے دے سکتی ہے کہ بانڈ اور نوٹ دو مختلف جنسیں ہیں اور جنس بدل جائے تو دست بردست

کمی بیشی سے لین دین جائز ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اور جیسا کہ امام اہل سنت اس سہی کے مجدد امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی معرکتہ الاراکتاب کفیل الفقہ شریف میں ارقام فرمایا۔

ہمارے کاروباری اور
صفت کار افراد بھی

قرض اور شرح مبادلہ میں تبدیلی

قرض لیتے ہیں جن کا کام غیر ملکی مشینیں وغیرہ کی درآمد ہوتا ہے۔ یہ قرضے ان حضرات کو پاکستانی سکے کی شکل میں دیے جاتے ہیں اور اسی شکل میں ان کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ لیکن قرض کی اصل مقدار کا معیار پاکستانی سکے نہیں، بلکہ غیر ملکی سکے (ڈالر) ہوتا ہے جس سے پاکستان منسلک ہے، لیکن اب نہیں ہے اس معیار پر فریقین پہلے سے متفق ہوتے ہیں لیکن اس طرح واجب الادا مقدار غیر یقینی ہو جاتی ہے، کیونکہ سکہ کی اضافی قیمت غیر یقینی ہے۔ مثال کے طور پر زید نے پانچ سال قبل دس لاکھ روپے قرض لے کر سامان منگوا یا تھا جس کی قیمت اس وقت دو لاکھ ڈالر تھی، کیونکہ ایک ڈالر پانچ روپے کے مساوی تھا، لیکن بعد میں پاکستانی سکے کی قیمت گرا دی گئی، نتیجتاً دو لاکھ ڈالر کی قیمت میں لاکھ روپے ہو گئی۔ اس طرح دس لاکھ روپے کا مفروضہ خود بخود بیس لاکھ روپے کا مفروضہ بن گیا۔ اسی طرح آگے چل کر اگر ایک ڈالر تین روپے کے مساوی ہو جائے۔ اس صورت میں دس لاکھ روپے کا مفروضہ صرف چھ لاکھ کا رہ جائے رہ جاتا ہے۔ شرح میں تبدیلی اور اس کے لحاظ سے واجب الادا رقم کا فریقین کو پہلے سے علم نہیں ہوتا، البتہ دونوں اس نوعیت کے سود سے پر متفق ہوتے ہیں جو بنیاد پر غیر یقینی ہے، لیکن اس کے بغیر پاکستان جیسے ملکوں کو گزارا کرنا انتہائی دشوار ہے۔

اس معاملہ کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی جائے

جواب: اس صورت حال سے نشتہ کی کوئی صورت نہیں۔ پاکستانی سکتے کی قیمت ڈالر کے مقابلے میں گر جائے تو تاجروں کو حکومت کا ضمانت الحصران دینا صحیح نہیں کہ پہلے گڑ چکا ہے لایفح ضمان الحصران کہ ضمانت خسراں صحیح اور لازم نہیں ہاں اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ حکومت سونے اور چاندی کا سکہ رائج کرے تو اس میں آئے دن کی مصیبت سے کہ پاکستانی سکہ ڈالر کے مقابلے میں گر جاتا ہے اور حکومت و عوام کو خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ خلاصی ہو جائے گی اور جیسا کہ پہلے سکہ ہوا کرتے تھے۔ اس طرح غیر ملکی ڈالر کا تسلط ختم ہو جائے گا اور آئے دن کی پریشانی سے نجات بھی حاصل ہوگی۔

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ

قرضوں کی جدید نوعیت

بعض عرصے کے لئے پیداواری قرضوں

پر مقررہ شرح سے سود لینے کی بجائے اپنے قرضوں کا نیلام کیا کریں۔ اس کی فرضی مثال یہ ہوگی کہ بینک الف کے پاس دس کروڑ روپیہ لمبی مدت کے لئے قرض دینے کو دستیاب ہے۔ بینک مدت اور رقم کے لحاظ سے اس رقم کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیتا ہے جیسے:

پچاس لاکھ روپیہ تین سال کے لئے۔

پچاس لاکھ روپیہ سات سال کے لئے۔

ایک کروڑ روپیہ پانچ سال کے لئے۔

پچیس پچیس لاکھ کے آٹھ اجزاء دس دس سال کے لئے۔

دو کروڑ روپیہ چار سال کے لئے وغیرہ وغیرہ۔

بینک مندر طلب کرتا ہے کہ جو شخص مقررہ رقم پر مقررہ مدت گزرنے کے بعد سرمایہ اور سرنے کا زیادہ سے زیادہ فیصد نفع دینے کی پیشکش کرے گا۔ تو اسے یہ رقم دے دی جائیگی۔ اس قسم کے معاملے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: فیصد سے مراد نفع کی شرح کی تعیین و شرط ہے تو یہ خالص

سود اور حرام ہے۔ کُل قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ بَاطِلٌ (الحديث) جس قرض میں نفع مشروط ہو وہ ربا و سود ہے ہاں اگر نفع و نقصان میں شراکت مراد ہے کہ عقد مضارب ہو۔ یعنی ایک کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت لیکن اگر ٹنڈر طلب کرنے کا مقصد یہ کہ نفع کا تناسب رب المال کے حق میں زیادہ سے زیادہ ملے پائے، مثلاً عام طور پر نفع اگر پڑے تو ٹنڈر میں کوئی بیڑ یا پڑوس ملی ہذا دینے کی پیشکش کرے تو اسے سرمایہ دیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ خالص عقد مضارب ہوگا۔

بینک قرض مانگنے والے کو دس ہزار روپے

قرضہ میں شرط

کی بجائے بارہ ہزار روپے کا قرض منظور

کرے جس میں دس ہزار روپے مقروض اپنے کام میں لائے اور باقی دو ہزار اپنے نام سے امانت جمع کرادے۔ ایک سال بعد مقروض بارہ ہزار روپے واپس کر دے جب کہ دو ہزار روپے جو اس کی طرف سے امانت کے طور پر رکھے ہوئے ہیں، وہ پانچ سال بعد نکلوانے۔

جواب: فقہاء فرماتے ہیں قرض صالح شرط نہیں ہے، خواہ شرط

جائز ہی ہو تو شرط فاسد کا صالح بھی بطریق اولیٰ نہ ہوگا۔ البتہ قرض نافذ ہوگا اور شرط باطل۔ درختا میں ہے۔

القرض لا يتعلق بالجاز من
الشروط فالفاقد منها أولى ولا
يبطل ولكنه يلفو شرط رد شيء
آخر (ص ۴۵۴)

قرض جائز شرط سے متعلق بھی نہیں
ہو سکتا تو شرط فاسد سے بطریق اولیٰ
متعلق نہ ہوگا اور قرض باطل نہ ہوگا۔
لیکن شئی آخر کے ٹوٹا دینے کی شرط لغو

جائز ہے

لہذا صورت منلو میں قرض کا اجراء صحیح مگر بارہ ہزار پر قبضہ کرنے کے بعد وہ
ہزار کو واپس امانت کے طور پر جمع کرنا مستقرض کے لئے لازم نہیں ہاں اگر جمع کرا
لے تو اس کی خوشی پر منحصر ہے۔

مسئلہ الشورس (بیمہ)

”بعض احباب کی خواہش پر انشورس (بیمہ) کا مسئلہ بھی آخر میں
درج کیا جاتا ہے۔ یہ سوال امام اہل سنت مجدد اعظم مولانا شاہ
احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا گیا تھا۔ ہم نے
وہی سوال اور حضرت مجدد اعظم کا جواب نقل کر دیا ہے۔ یہ اس
زمانہ کی بیمہ پالیسی سے متعلق ہے۔ اگر آج کی بیمہ پالیسی میں کچھ تبدیلی
واقع ہوئی ہو تو جواب بھی اس کے مطابق ہوگا۔“

کیا فرطیہ میں علمائے کرام کو زندگی کا بیمہ کرنا شرعاً جائز ہے یا حرام صورت
اس کی یہ ہے جو شخص زندگی کا بیمہ کرنا چاہتا ہے اس سے یہ قرار پانا ہے کہ
۶۰ سال یا ۵۰ سال کی عمر تک مبلغ دو ہزار روپیہ چار یا چھ روپیہ
ہوار کے حساب سے تنخواہ میں سے وضع ہوتے رہیں گے۔ اگر وہ شخص ۵۵ سال
تک زندہ رہا تو خود اس کو اور اگر بعد ازیں مقررہ کے اندر مر گیا تو اس کے ورثہ
کو دو ہزار روپیہ یکمشت ملے گا۔ خواہ وہ بیمہ کرنے کے بعد اور اس کی منظوری

آنے کے بعد فوراً ہی مرجائے اور اگر ميعاد مقرر تک زندہ رہا تو بھی وہی دو
بزار ملے گا۔ پھر گورنمنٹ کی جانب سے ہو رہا ہے، کسی کمپنی وغیرہ کو اس سے
تعلق نہیں۔ بیٹو اتوجروا۔

جواب: جب کہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے
نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے کوئی حرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس
کے سبب اس کے ذمہ کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے
روزوں یا حج کی ممانعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احکام شریعت، حصہ دوم، ص ۱۸۱)
انعامی بانڈ: نیز انعامی بانڈ کی سکیم میں بھی عدم جواز کی
کوئی دلیل شرعی مسلم میں نہیں آئی اس لئے راقم
اسے ممنوع قرار نہیں دیتا۔

نوٹ

آخر میں ہم "فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات
کے آئینے میں" مصنفہ پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی مطبوعہ مرکز مجلس
رضا لاہور کے اقباسات قدسے ترسیم و اضافہ کے ساتھ پیش کرتے
ہیں تاکہ قارئین فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی علمی وسعت اور نورِ قلم
کا اندازہ فرمائیں اور استفادہ بھی۔

مفتی غلام سرور قادری

تمہید

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت و مجتہدین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ موجودہ صدی کی وہ عبقری شخصیت ہیں جن کا مکمل تعارف وہی کر سکتا ہے جو ان جیسا جامع العلوم ہو کسی فن کا ماہر جیسا انہیں اس فن میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو انگشت بدندان رہ جاتا ہے۔ موجودہ یعنی چودھویں صدی کا رابع اول وہ بلاخیز دور تھا کہ بڑے بڑے علماء اور لیڈر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ ایسے وقت میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" کے نام سے امت مسلمہ کی معاشی بہبود کی خاطر چار تجاویز پیش کی تھیں جو آج بھی اپنے اندر وزن رکھتی ہیں اور احمد رضا خاں بریلوی کی ژرف نگاہی کی شاہد ہیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا معاشی نظریہ ایک سچے مسلمان کی طرح وہی تھا جسے نعم مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ارشادِ الہیہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں کہ چوپایوں کی طرح ہمارا مقصد زندگی محض کھانا

پینا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی اطاعت ہے۔ عقائد ہوں یا اعمال، معاشیات ہوں یا سیاسیات، ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ناگزیر ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تعلیمات کا حاصل ہی یہ تھا کہ دامن مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وابستہ ہو کر طاعت الہی اختیار کر لو، فکرِ معاش سے آزاد ہو جاؤ گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ نَحْنُ قَسَمًا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (الزحرف رکوع ۱۳) ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا۔ وَعَامِينَ ذَاتِ بَيْدٍ فِي الْأَرْضِ (الاعلى اللہ رکوع ۱۵) رکوع ۱) اور زمین پر چلنے والوں کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ حرم پر نہ ہو۔ (کنز الایمان)

موجودہ صدی کے آغاز میں یہ مسئلہ موضوع بحث بنا رہا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ علماء کے ایک گروہ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس بناء پر:

- ۱۔ مسلمانوں کے لئے ہندوستان سے ہجرت لازم قرار دی۔
- ۲۔ ہندوستان میں کفار سے سودی کاروبار جائز قرار دیا۔

تحریک ہجرت بڑے زور و شور سے چلی، ہزاروں افراد اپنی جائدادیں برائے نام قیمت پر فروخت کر کے افغانستان چلے گئے۔ وہاں اتنی گنجائش کہاں تھی، واپس آئے تو پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔

سود ایک ایسی لعنت ہے جو افلاس اور بھالی کی راہ دکھاتا ہے سود اترام

انسانیت ختم کر دیتا ہے اور جب سود کا چکر چلتا ہے تو آدمی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مسلمان پہلے ہی ہندوؤں کے سودی شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے اس فتوے نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتویٰ دیا کہ ہندوستان اسلام ہے۔ اگر اس فتوے کو پیش نظر رکھا جاتا تو ہجرت کے سبب پیش آنے والی معاشی تباہی نہ آتی اور نہ ہی قوم سود کے چکر میں مبتلا ہو کر معاشی ابتری کا شکار ہوتی۔

محکم ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے "کذا الفتیۃ النہام فی احکام قسطاس السدراحم" میں ایسی تدبیریں بیان فرمائی ہیں جن سے دی کا دوبار کیے بغیر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

گداگری ایسی آفت ہے جو قومی جسم میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتی ہے یہ نہ صرف ذہنی انحطاط کی انتہا ہے بلکہ پوری قوم کے لئے ایک عظیم المیہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے رہنما کہ جبار کہ خیر الامال فی حکم الکسب سوال "میں مانگنے کی بھرپور مذمت بیان فرما کر محنت مزدوری اور کسب معاش کے دیگر ذرائع کی اہمیت بیان فرمائی جس سے انفرادی اور اجتماعی خوش مالی کے دروازے کھل جاتے ہیں

فاضل بریلوی کے معاشی نکات

جدید معاشیات آئینہ میں

مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے چار نکات مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی و معاشی بد حالی کو دور کرنے کے لئے اپنے رسالے "تدبیر فلاح و نجات و صلاح" میں تحریر فرمائے۔ جو ۱۹۱۲ء / ۱۳۳۱ھ کلکتہ سے شائع ہوئے۔ ان نکات کی تفصیل یہ ہے:

- ۱۔ ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے۔ مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔
 - ۲۔ بمبئی، کلکتہ، رانگون، مدراس، حیدرآباد دکن کے توکر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بینک کھولیں۔
 - ۳۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔
 - ۴۔ علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔
- یہ چار نکات بظاہر بے حد مختصر ہیں، لیکن ان میں معافی کا جو ذخیرہ پوشیدہ

ہے وہ اہل فہم حضرات پر روز روشن کی طرح واضح ہے۔ وہ چار زکات اس مومن کامل کی فراست کاملہ کی عکاسی کرتے ہیں جس کے بابے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے ۔

تقدیر اعم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا

مومن کی فراست ہو تو کافی ہے ارشاد

یہ بلاشبہ ایک مرد مومن کے اشارے ہیں اور مومن بھی کیسا مومن کہ جس کی ہر سانس عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معطر تھی۔ ان اشاروں میں جہاں معنی پوشیدہ ہے۔ اس سے پہلے کہ ان زکات پر بحث کروں بطور تمہید کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۹۱۲ء میں جب کہ یہ زکات شائع ہوئے، برصغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ، امریکہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ میں دانشوروں کا ایک مخصوص حلقہ اس علم کے اکتساب کی طرف مائل تھا۔ معاشیات پر باقاعدہ کتابیں لکھی جا چکی تھیں اور لکھی جا رہی ہیں، لیکن عوام کی توجہ اور پچھپی اس مضمون کے متعلق بہت کم تھی۔ طلباء اس مضمون کو خشک سمجھ کر اس سے گریز کرتے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد اور خاص طور پر ۱۹۲۹ء کی عظیم مالی سرِ باری کے بعد معاشیات کی اہمیت میں جس تیزی سے اضافہ ہوا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے اس تمہید سے میری غرض صرف اتنی ہی ہے کہ ناظرین یہ ذہن نشین کر لیں کہ جدید اقتصادیات کی ابتداء ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہوئی اور اس کے بعد ہر بات کو ترقی کے

ہے کہ نگاہ مرد مومن نے ان جدید اقتصادیات تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء ہی میں دکھائی تھی۔ اگر ۱۹۱۲ء سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے زکات پر غور و فکر کیا جاتا اور صاحب حیثیت مسلمانانِ ہند اس پر عمل کرتے تو ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت معاشی اعتبار سے مستحکم ہوتی۔

آئیے اب ان زکات پر الگ الگ بحث کی جائے جیسا کہ عرض کیا گیا۔ مولانا بریلوی کے ان زکات کی تعداد چار ہے جس میں سے تین کا تعلق میرے نزدیک جدید اقتصادیات کی روح سے ہے اور چوتھا علم دین کی ترویج و اشاعت سے متعلق ہے۔

۱۔ پہلا نکتہ

”ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصلہ کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں، پس انداز ہو سکیں۔“

اس نقطے میں اہم بات ”پس اندازی“ ہے، فضول خرچی کی مذمت ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل ہی کر دی تھی۔ جدید باہرین اقتصادیات فضول خرچی کی بچہ مذمت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک غیر پیداواری کاموں پر کئے جانے والے اخراجات قطعاً غیر پیداواری حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر برصغیر کے بیسویں صدی عیسوی میں پاکستان بننے سے پہلے تک کی اقتصادیات کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے، تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے باہمی مقدمہ بازیوں پر کروڑوں روپے ضائع کیے۔ یو۔ پی میں تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلے میں

۱۴ فیصد تھی، لیکن اقلیت ہونے کے باوجود وہ ایک باعزت اور پُر وقار زندگی گزار رہے تھے، مسلمانوں کی اقتصادیات اور ان کی خوشحالی کا انحصار زمینداری پر تھا۔

یو۔ پی میں مسلم نوابین، راجاؤں اور زمینداروں کی کمی نہ تھی۔ زمیندار اس صوبے میں دو افراد ہوتے تھے جو کم از کم ایک گاؤں کے مالک ہوتے تھے، لیکن میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ حضرات مقدمہ بازیوں میں پھنسے رہتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مقدمہ بازی ان صاحبان کا دلچسپ ترین مشغہ ہے میرے ایک قریبی عزیز جو زمیندار تھے۔ بارہ برس سے مسلسل ہمارے گھر آتے رہتے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہم زلف سے مقدمہ بازی کے سلسلہ میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا۔ جب تک کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوؤں کے وزیر داخلہ دلجو بھائی پیشیل نے یو۔ پی کے مسلمانوں کی معیشت پر زمینداری کا خاتمہ کر کے بھرپور وار کیا۔ اور مسلمانوں کی اقتصادیات کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔

فاضل بریلوی کے پہلے نکتے سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ مقدمہ بازی پر کیے جانے والے اخراجات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے پہلی بات تو یہ کہ اس طرح مسلمان آپس میں مخالفت پر تلے رہتے تھے۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ یہ کروڑوں روپیہ جو مقدمہ بازی کی نذر ہو رہا تھا کاشن کہ اگر بچایا جاسکتا تو مسلمانوں کے کس قدر کام آتا۔ یہ اخراجات قطعاً غیر ضروری بلکہ ناجائز تھے۔ اگر مفاہمت اور سمجھ بوجھ سے کام لیا جاتا تو اکثر و بیشتر مقدمات کی ضرورت باقی ہی نہ رہتی اور معاملات باہمی صلاح و مشورے سے طے ہو جاتے اور مسلمانوں کا سرمایہ غیروں کی تقویت کا باعث نہ بنتا۔

فاضل بریلوی نے ۱۹۱۲ء میں پس اندازی کی ہدایت فرمائی تھی، کیونکہ انہیں یہ معلوم تھا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی دُور کرنے کا یہی بہترین علاج ہے کہ وہ غیر ضروری اور ناجائز اخراجات یکسر ختم کر دیں اور اس طرح جو کچھ پس انداز ہو وہ اپنی فلاح و بہبود پر صرف کریں۔ ۱۹۳۷ء میں کینز نے اپنا ”نظریہ روزگار آمدنی“ پیش کر کے جدید اقتصادیات کی بنیاد مضبوط کی۔

موجودہ دور اقتصادِ منصوبہ بندی کا دور ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک ملک کی خوشحالی میں اضافہ کے باقاعدہ منصوبے بناتے ہیں۔ ان منصوبوں کی میعاد عموماً ۵ سال ہوتی ہے۔

جہاں اقتصادِ منصوبہ بندی میں دیگر اربابوں کا خیال رکھا جاتا ہے وہاں ماہرین اس بات کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے کن ذرائع سے رقم حاصل کی جاسکتی ہے، منصوبوں کے لئے رقم دو ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۔ ملکی بچت

۲۔ قرضے

ملک میں اگر بچت کی شرح اونچی ہے تو ملکی ذرائع ہی سے منصوبوں پر عمل شروع ہو جاتا ہے، لیکن بچت کی شرح کم ہونے کی صورت میں حکومت کو غیر ملکی قرضوں کا سہارا بننا پڑتا ہے، منصوبہ بندی کی تکمیل کے لئے ایک تیسرے طریقہ بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ سب ضرورت ملک کا مرکزی بینک نوٹ چھاپ چھاپ کر حکومت کے حوالے رہتا ہے، لیکن یہ طریقہ اذراں ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خطرناک بھی ہے۔ اس سے

ملک میں افراط زر آجاتا ہے اور اگر افراط زر پر حکومت جلد قابو نہ پا سکے تو پھر اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوتے ہیں اور معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔ لہذا سب کے آسان طریقہ یہ ہے کہ ملک میں بچتوں کی جہت افزائی کی جائے اور لوگوں کو بچت کرنے پر مجبور کیا جائے۔

ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ بیشتر ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ کاری کی شرح ۵ فیصد سے ۸ فیصد ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۱۵ فیصد سے ۱۸ فیصد ہے یعنی ترقی پذیر ممالک اپنی قومی آمدنی کا صرف ۵ سے ۸ فیصد حصہ سرمایہ کاری کے لئے خرچ کرتے ہیں جبکہ اقتصادی ترقی کا تقاضا ہے کہ قومی آمدنی کا کم از کم ۱۵ فیصد سرمایہ کاری کے لئے وقف کر دیا جائے۔

اگر بچتیں زیادہ ہیں تو سرمایہ کاری زیادہ ہوگی، لیکن بچتیں اگر کم ہیں تو اقتصادی ترقی کی رفتار بے حد سست ہوگی۔ ۱۹۵۰ء میں ایک امریکی ماہر اقتصادیات کوئلہ کارک نے بھارت، چین اور پاکستان کے لئے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان ممالک کی اقتصادی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں کے افراد کم از کم قومی آمدنی کا ۱۲ فیصد پس انداز کریں اور اسے سرمایہ کاری میں لگائیں۔ لہذا آج کل ہر ملک میں خواہ وہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ بچت میں اضافے کے لئے مختلف اسکیموں پر عمل کیا جاتا ہے۔ خود پاکستان میں ہماری حکومت نے ایسی بہت سی اسکیمیں رائج کر رکھی ہیں جن سے چھوٹی چھوٹی بچتوں کی جہت افزائی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے ہمیں رقم کی ضرورت ہے اور اس رقم کو حاصل کرنے کا بہترین ملکی بچت کے ذریعہ ہے۔

اب اہل دل اور اہل نظر ذرا اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ ۱۹۱۳ء میں مولانا احمد رضا خان نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنیکی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ فیصد پس انداز کرنا اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں۔ جب کہ حکومتیں اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ سوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔ کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے مولانا کی دوراندیشی کے کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں

دوسرا نکتہ :

۲۔ اب آتے دوسرے نکتے کی طرف مولانا نے فرمایا :

”بہنشی، کلکتہ، رنگول، مدراس، حیدرآباد دکن کے تو بکر مسلمان بھائیوں کے لئے بینک کھولیں۔“

یہ نکتہ معاشی نقطہ نظر سے اس قدر اہم ہے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خان کی اقتصادی سوچ بوجھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ۱۹۱۳ء میں ہندوستان کے صرف چند بڑے شہروں میں بینک قائم تھے جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ برصغیر میں ۱۹۱۳ء تک کوئی مسلم بینک موجود نہ تھا۔ ۱۹۱۳ء میں بینک اور بینکوں کی اہمیت کا اندازہ لگانا کوئی آسان بات نہ تھی، لیکن مولانا کی نگاہوں سے معاشیات کے مستقبل کے اس اہم ادارے کی اہمیت پوشیدہ نہ رہ سکی اور انہوں نے مال دار مسلمانوں سے اپیل کی وہ اپنے بھائیوں کے لیے بینک قائم کریں۔ سود کی بے پناہ مضرت رسانیوں کے متعلق مولانا احمد رضا خان نے اپنی دیگر

کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا ہے : لہذا یہ امر واضح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی مراد ایسا بینک کاری نظام تھا جو غیر سودی بنیادوں پر استوار ہو۔ ایسا بینک بینک نظام ملکی معیشت کو تازہ و صحت مند خون فراہم کر سکتا ہے۔ بنیاد وہ ادارے ہیں جو لوگوں کی بچتوں کو پیداواری کاموں میں لگانے کا ذریعہ ہیں۔ آج کا معاشی نظام اس قسم کے بینکوں کے بغیر عضو معطل ہو کر رہ جائیگا۔ تو گویا ایسے بنکوں کی اہمیت موجود معاشرہ میں مسلم ہے۔

جدید ماہرین اقتصادیات نے پس اندازی کی دو قسمیں بتائی ہیں :

۱۔ بچت

۲۔ زر کی ذخیرہ اندوزی

اگر ایک فرد کی ماہانہ آمدنی ۱۰ روپے ہے جس میں وہ اسی روپے اپنی ضروریات زندگی پر خرچ کرتا ہے تو اس کی ماہانہ بچت میں روپے ہوگی۔ یہی حال قوموں کا ہے۔ اگر قومی آمدنی قومی اخراجات کے مقابلے میں زیادہ ہے تو نتیجہ قومی بچت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

اس بچائی ہوئی رقم کو افراد بنکوں میں جمع کر سکتے ہیں یا بچت کی کسی اسکیم میں رکا سکتے ہیں۔ یہ صورت حال بچت کہلاتی ہے، لیکن اگر لوگ بچائی ہوئی رقم کو اپنے ہی پاس رکھیں تو یہ صورت (Hoarding) کہلاتے گی۔ بچت کا تصور ذخیرہ اندوزی کے تصور سے اس لیے مختلف ہے کہ مؤخر الذکر تصور خالص نفسیاتی ہے جس میں فرد کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ دولت زر کی شکل میں جمع کرے اور اسے اپنے پاس ہی محفوظ رکھے۔

جب تک لوگ اپنی بچت غیر سودی کاروباری بنکوں میں جمع کرتے ہیں گے یا کسی بچت کی اسلامی کاروباری اسکیم میں لگائیں گے اس وقت معیشت میں توازن برقرار رہے گا، لیکن جس وقت لوگوں میں زر کو ذخیرہ کرنے کی خواہش بڑھ جائے گی تو معیشت عدم توازن کا شکار ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے معیشت میں یا تو افراط زری پیدا ہو جائے گا یا کساد بازاری پھیل جائے گی اور ہزاروں افراد ملکی وسائل بے روزگار رہیں اور جو باتیں گے جس سے معاشرہ میں بے شمار سماجی برائیاں پیدا ہو جائیں گی۔

۱۹۱۲ء میں جبکہ اقتصادی تعلیم محدود تھی کے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مستقبل میں جہاں تک لیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف پس اندازی کی ہدایت کی، بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمانان ہند سے اپیل کی وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان آجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور صنعت کاری کے میدان ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں۔

میں سوچتا ہوں کہ کاش ۱۹۱۲ء میں چند ایک ہی ایسے اہل دل مسلمان ہوتے جو مولانا احمد رضا خاں کے ارشادات پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ برصغیر میں یقیناً مختلف ہوتی اور پاکستان کو انتہائی نامساعد معاشی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ایسی گہری سوچ اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان

کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف مرد مومن کا کمال ہے۔ اس مرد مومن نے تو ننگے
مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کا بینک قائم کرو تاکہ مسلمانوں
کی اقتصادی حالت سنبھلے۔ یہی بات ۱۹۲۷ء میں قائد اعظم نے دوہرائی۔ اگر
۱۹۱۲ء میں سر آدم جی اور مرزا صفہانی جیسے دو چار سرمایہ دار فاضل بریلوی کی ہدایت
پر عمل کر لیتے اور اسلامی اصولوں پر مبنی کاروبار کے غیر سودی کاروباری بینک قائم
کر دیتے۔ تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنو جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج
نہ صرف ہمسایہ مسلمانوں کے لئے بلکہ مسلمانان عالم کے لئے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے
تیسرا نکتہ

اب ہم مولانا احمد رضا خاں کے تیسرے نکتے کی طرف آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا:
”مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں“

ذرا اس نکتہ پر غور فرمائیے۔ موجودہ عالمی اقتصادی ماحول کا جائزہ لیجیے اور
پھر یہ دیکھیے کہ مسلمانوں نے اس عالم دین کے اس زریں اصول کو نہ تو سمجھا اور نہ ہی
اس پر عمل کیا۔ لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد مغربی یورپ کے جنگ سے متاثر ہونے والے
ممالک نے اس پر پورا پورا عمل کیا۔

اور آج یہ ممالک اقتصادی طور پر دنیا کے مستحکم ترین ممالک سمجھے جاتے ہیں۔
لکھنؤ میں میں نے اپنے سچپن میں جب کہ دوسری جنگ عظیم زور و شور سے جاری تھی
اکثر مسلمانوں کی دوکانوں پر یہ شعر چسپاں دیکھا تھا ہے

زندگی عزت کی مسلم ہند میں چاہے اگر
تو یہ لازم ہے کہ سودا جب بھی لے مسلم سے

یہ نابالغ فاضل بریلوی کے اس نکتے کی حوصلے باز گشت تھی۔ اس شعر نے مجھے سجد
متاثر کیا تھا۔ لیکن صاحب حیثیت مسلمانوں کو میں نے ہندوؤں کی دوکانوں سے
ضرر و فز و حنت کرتے دیکھا۔ مسلمانوں میں اس وقت بھی ماہرین اقتصادیات موجود
تھے۔ لیکن ہمتی سے ان کی نگاہیں مغربی مفکرین کی جانب لگی ہوئی تھیں وہ اس بات
سے قطعاً بے خبر تھے کہ خود ان کا ایک عالم اقتصادیات کے بارے میں کیسے کیسے موقی
ان کے سامنے بکھیر گیا ہے۔ وہ اپنے خزانے سے بے خبر رہے۔ لیکن مغربی خزانوں کی
عرف حسرت و یاس سے دیکھتے رہے اور کسی نے بھی مولانا کے اس نکتہ پر غور نہیں کیا
اور نہ ہی اسے سمجھا اور نہ ہی وضاحت کی ضرورت محسوس کی۔ اگر اس وقت کوئی بھی
مسلم ماہر اقتصادیات اس نکتے کے دور رس اثرات کی وضاحت کر دیتا اور مسلمان
صرف مسلمانوں ہی سے ضرر و فز و حنت کھتے نہ تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان ہندوستان
میں معاشی اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلے میں پست ہوتے۔

معاشیات میں اس بات پر گرما گرم بحث ہوتی رہی ہے اور جس کا سلسلہ اب
تک جاری ہے کہ بین الاقوامی تجارت آزاد ہونی چاہیے یا اس پر پابندیاں ضروری
ہیں اور اس پابندی کو تائین کہتے ہیں۔

آزاد عالمی تجارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مملکتوں کے مابین اشیا کی
آمد و رفت پر پابندیاں نہیں ہیں یا اگر ہیں بھی تو برائے نام۔ اس کے برخلاف تائین
وہ تحفظ ہے جو حکومت ملکی صنعتوں کو غیر ملکی مقابلے سے بچانے کے لئے دیتی ہیں۔

سب پر زور دلیل جو تائین کے حق میں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کی نوزائیدہ
صنعتیں بیرونی مقابلے سے اس وجہ سے تحفظ کی مستحق ہیں کہ وہ مضبوط بیرونی صنعتوں کا

اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں قطعاً مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان کی حفاظت حکومت کا فرض ہے ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے سے قبل ہی بیرونی مقابلے کے سامنے دم توڑ دیں۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تائین اس لیے ضروری ہے کہ ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی ہے اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبہ حب الوطنی کے فروغ کا باعث ہے۔

اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو تائین کے حق میں دیتے گئے ہیں مگر میں صرف مندرجہ بالا دو دلائل کے متعلق مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تیسرے نمکتے کی روشنی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے برصغیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور انگریزوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں انگریزی حکومت ہندوستان میں مستحکم ہو چکی تھی۔ اس وقت کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ صرف ۲۵ سال بعد فرنگی اس سرزمین کو چھوڑ کر بھاگ جاتے گا۔

مسلمانوں کا اب اپنا کوئی ملک نہ تھا لیکن مسلم قوم اب بھی موجود تھی۔ جسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ انہوں نے کیا کم کر دیا۔ حکومت ختم ہو چکی تھی مگر قوم اب بھی موجود تھی۔ اس قوم کی سماجی، مذہبی اور معاشی بقا کے لیے مضبوط بنیادوں پر اہل نظر اور اہل علم مسلمانوں کی پالیسیاں وضع کرنی تھیں، تعلیمی، سیاسی اور معاشرتی میدان میں مسلم لیڈران سرگرم عمل تھے۔

مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جدوجہد تیز تر ہوتی جا رہی تھی لیکن ہم دیکھتے

ہیں کہ اس موقع پر کسی نے بھی مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی اور اس سے نمٹنے کے لئے کوئی پالیسی وضع نہ کی۔ اس موقع پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے معاشی نکات پیش کیے افسوس ہے کہ ان پر مسلمانوں نے کوئی غور و فکر نہیں کیا۔ تعلیم یافتہ مسلمان اپنی راہبری کے لئے مغربی علماء کا سہارا لے رہے تھے اور اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے درمیان ایک ایسے باوصف انسان کو بھیج دیا ہے کہ جس کے ارشادات پر اگر مسلمان عمل کرتے تو کب کی اپنی عزت و اخلاص سے بچھٹکارا حاصل کر کے باعزت زندگی بسر کرنے لگتے۔

مولانا احمد رضا خاں کا تیسرا نمکتہ میرے نزدیک معاشی اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ وہ مسلمانوں کو معاشی تحفظ دینا چاہتے تھے۔ روزگار اور تجارت کے میدان میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے تھے۔ بیوں کی ذہنیت اور فطرت ہی یہ تھی کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ دوپیرہ کما یا جائے۔ مسلمانوں کو اس میدان میں کوئی تجربہ نہ تھا اور اگر مسلمان تجارت کرنا بھی چاہتے تو اول تو ہندو اپنے مقابلے میں انہیں میدان سے بھگا دیتے تھے اور دوسرے اپنوں کی بے اعتنائی ان کا دل توڑ دیتی تھی۔ فاضل بریلوی پر یہ باتیں روز روشن کی طرح عیاں تھیں۔ اس کا صرف ایک ہی علاج تھا اور وہ یہ کہ مسلمان مسلم تجارت پیشہ افراد کو تحفظ دیں اور خرید و فروخت صرف مسلمانوں ہی سے کریں یعنی فاضل بریلوی نے جدید اقتصادی زبان میں مسلمان دوکانداروں کے لئے مسلمان بھائیوں سے تائین کی لہلہ کی مسلمان دوکانداروں کی مثال ہانک لی اس نوزائیدہ صنعت کی سی تھی جسے سخت ترین بیرونی مقابلے کا سامنا تھا اور ان کی بقا اسی صورت میں تھی کہ مسلمان ان کی سرپرستی کریں۔ یہاں کسی ملکی صنعت کو تحفظ

کرنا تھا لیکن انوس راستے کا تعین تو درکنار ہم نے اس شمع ہدایت کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اسے ہم صرف اپنی بد نصیبی اور کوتاہ بینی سے تعبیر کر سکتے ہیں یا پھر یہ کہ معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی اصطلاحات میں راہبران ملت ایسے اُلجھے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی جو یقیناً خیرت انگیز اور قابل انوس امر ہے جب کہ ان کی ہدایت کے لئے اتنے واضح نکات مولانا احمد رضا خاں نے سلسلہ میں وضع فرما دیئے تھے۔

چوتھا نکتہ

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا چوتھا نکتہ گو کہ اقتصادیات کے متعلق ہے لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اپنے فرمایا کہ :-
۴۔ ”علم دین کی ترویج و اشاعت کریں“

یہ وہ زمانہ تھا کہ سرسید کی تعلیمی اصلاحات کی کوششیں رنگ لارہی تھیں مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے۔ انگریزی تعلیم کا حصول بذات خود ایک اچھی بات تھی مسلمانوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت ہے کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن جو بات تشویش ناک تھی اور جسے مولانا کی ذات گرامی نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا وہ یہ تھی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ

لے یہ نقطہ بھی اس لحاظ سے اقتصادیات سے متعلق ہے کہ پہلے تین نکات پر عمل کا جذبہ قومی اور ملی تعصب پیدا ہوتا اور قومی تعصب و عنصیت کے لئے دینی تعلیم ضروری ہے تو بالواسطہ یہ آخری نکتہ بھی اقتصادیات اسلامی سے تعلق ہے۔ (ادارہ)

بجادی گئی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جرمنی کی ”بندربانٹ“ ہوئی۔ ایک حصہ روسیوں کے پاس اور دوسرا اتحادیوں کے قبضے میں آیا۔ جرمنی دو حصوں میں تقسیم ہو کر مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی بن گیا۔ جرمنی کی اقتصادی و معاشی حالت بالکل تباہ ہو چکی تھی یہی حالت فرانس اور اٹلی کی تھی۔ لیکن جرمنی نے جلد ہی اپنی حالت کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ وہاں کے دانش مندوں نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ جرمنی کو اگر زندہ رکھنا ہے تو اقتصادی بحالی فوقیت کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے۔ جنگ کی تباہی کے بعد مغربی جرمنی تنہا اپنی معیشت کو بحال نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا روم میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے اور یورپین مشترکہ منڈی کا قیام عمل میں آیا۔ جو چھ مغربی یورپی ممالک پر مشتمل تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عالمی سیاست میں امریکہ کا طوطی بول رہا تھا اور عالمی معیشت میں امریکی ڈالر کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اس منڈی کے قیام کے پس پشت جو نظریہ کارفرما تھا وہ بعینہ وہی تھا جس کی ہدایت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے تیسرے نکتے میں فرمائی تھی۔ یعنی مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔ معاہدہ روم جس کے تحت اس منڈی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ان شرائط و ضوابط پر مشتمل تھا کہ منڈی کے اراکین ان اشیاء کو پیدا کریں گے۔ جن کی پیدائش پر انہیں دوسرے ممالک پر فوقیت حاصل ہے منڈی کے اراکین ممالک خود کو ایک وحدت خیال کریں گے۔ آپس میں تجارت آزادانہ ہوگی یعنی تجارت پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔ وسائل پیدائش کی منتقلی پر پابندیاں نہ ہوں گی۔ درآمدات پر مجبوری ٹیکس لگائے جائیں گے اور برآمدات رعایتوں کی

منفق ہوں گی۔ جو اشیاء (منڈی کے اراکین پیدا کر سکتے ہیں۔ انہیں باہر سے نہیں منگوایا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ خرید و فروخت آپس ہی میں ہوگی۔

منڈی کے قیام کے وقت غالباً اراکین کو بھی اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ یہ ادارہ انتہائی مستحکم اقتصادی ادارہ بن گیا۔ منڈی کے اراکین کی معیشت انتہائی مضبوط خطوط پر قائم ہوئی۔ مالی اعتبار سے اراکین کی حیثیت بے حد مضبوط ہو گئی اور ہم نے دیکھا کہ عالمی اقتصادیات میں امریکن ڈالر کی حیثیت ثانوی رہ گئی اور جرمن مارک دنیا کی مضبوط ترین کرنسی بن گیا۔

پاکستان ایران اور ترکی کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اور جسے ہم آر۔سی۔ ڈی کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ بھی انہیں خطوط پر تھا۔ لیکن اس ادارہ کو وہ کامیابی نصیب نہ ہو سکی جس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ آر۔سی۔ ڈی کو کامیاب بنانے کے لئے تینوں ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس ۲۶ اپریل ۱۹۷۷ء کو ازمیر (ترکی) میں منعقد ہوئی تھی لیکن ابھی تک کوئی ثمرت نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں، لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اگر تینوں ممالک صدق دل اور نیک نیتی سے اس ادارے کی کامیابی کے لئے کوشش کریں۔ تو کامیابی نصیب نہ ہو۔

بہر حال اس تمام بحث سے غرض یہ تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جو نکتہ بیان فرمایا تھا اگر مسلمان صدق دل سے اس پر عمل کرتے تو انہیں بھی یقیناً کامیابی ملتی جو یورپین مشترکہ منڈی کے حصے میں آئی۔ ہمارے ایک عظیم عالم دین نے ہمارے لئے سچا جلا کر رکھ دیا تھا جس کی روشنی میں ہمیں صحیح راستے کا یقین

نہیں دینا تھا بلکہ اپنی قوم کی اس جماعت کی حفاظت مقصود تھی جو معاشی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے کوشاں تھی۔

اب اگر مسلمانان ہند فاضل بریلوی کے ارشاد پر عمل کرتے تو اس کے اقتصادی نتائج کیا ہوتے؟ مسلمانوں کا پیسہ مسلمان دوکانداروں کے پاس جاتا۔ اپنے طور پر یہ مسلمان تاجر مسلمان تھوک فروشوں سے زیادہ سامان حاصل کرتے مسلم تھوک فروش مسلم صنعت کاروں سے زیادہ اشیاء خریدتے اور جب موثر طلب میں اس طرح اضافہ ہوتا تو مسلمان صنعت کار زیادہ اشیاء پیدا کرنے کیوجہ ان کی اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوتا۔ اشیاء کو پیدا کرنے کے لئے وسائل پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یعنی زمین محنت اور سرمائے کی مسلمان صنعت کار جب اشیاء کی پیداوار میں اضافہ کرتے تو یقیناً وہ بے روزگار مسلمان جو تلاش روزگار میں سرگرداں تھے ملازمتیں حاصل کر لیتے اور جب ان افراد کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا تو ان کی موثر طلب بڑھ جاتی اور معاشیات کا وہ چکر شروع ہو جاتا جو کسی بھی معیشت کو خوش حال کر دیتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان صنعت کار سرمایہ کہاں سے لاتے تو اس کا جواب مولانا احمد رضا خاں کے پہلے دو نکات میں پوشیدہ ہے کہ مسلمان بچت کریں اور صاحب حیثیت مسلمان بزرگ سود کار و بار پر مبنی بینک قائم کریں۔ بینک جن کا اولین مقصد پیداواری کاموں کے لئے سرمایہ فراہم کرنا ہوتا ہے۔

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ فاضل بریلوی کے اس نکتے پر مغربی دنیا نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کتنا عمل کیا ہے مغربی یورپ کے ممالک مثلاً جرمنی، فرانس اور اٹلی وغیرہ اس جنگ میں تباہ و برباد ہو گئے تھے خصوصاً جرمنی اور اٹلی کی اینٹ سے اینٹ

ساتھ نوجوان نسل مغربی تہذیب کی بھی دلدادہ ہوتی جا رہی تھی یعنی کوٹا انہس کی
چال اختیار کر رہا تھا جو کہ ایک غیر فطری بات تھی۔ فاضل بریلوی نے سمجھ لیا تھا کہ
اگر مسلمان علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تو وہ اپنی حیثیت و انفرادیت کو گم
کر بیٹھیں گے۔ نئی تہذیب ان کی وحدت کو ختم کر دے گی اور ان کا وہی حال
ہو گا کہ ع

نہ خدا ہی ملا نہ دھال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اکبر الہ آبادی نے بھی یہ بات بخوبی محسوس کر لی تھی اپنی شاعری کے تیز و تند نشروں
سے انہوں نے مسلمانوں کو اس خطرے کا احساس دلایا۔ انہیں سمجھایا کہ اپنی اصیلت
مت بھولو تمہارا سب سے بڑا حذر از تمہارا مذہب اور تمہاری تہذیب ہے لیکن تمام
کا پیکر آتما تیز تھا کہ مسلمان اس طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور اکبر الہ آبادی نے فرمایا کہ

نیتہ اٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھوں لائے

شیخ قرآن دکھاتے رہے پیہ نہ ملا

اور یہ کہ

رقیبوں نے ریٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مغربی تہذیب نے ایسا رنگ جمایا اور نوجوانوں کو اپنی رنگینوں کا ایسا متوال
بنایا کہ وہ اپنے معاشرے، تہذیب اور مذہب سے دور ہوتے چلے گئے۔ اور فرنگی
اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے گئے۔

مذہب بیگانگی نے برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو بے حد نقصان
پہنچایا۔ لیکن جب قائد اعظم محمد علی جناح نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو ایک پلیٹ
فارم پر جمع کرنا چاہا تو مسلمان پروانہ داران کے گرد جمع ہو گئے۔ اسلامی غیرت و
حمیت اس وقت بھی مسلمانان ہند میں موجود تھی جس کا نتیجہ تقسیم ہند کی صورت میں
ظاہر ہوا۔

مسلمانوں کو ایک نیا ملک نصیب ہوا جو اس بنیاد پر وجود میں آیا تھا کہ مسلمان
ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کی ثقافت و تہذیب ہندوؤں اور انگریزوں سے مختلف
ہے مگر یہ نصیبی تو ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام کے نام پر علیحدہ مملکت تو وجود میں آ
گئی۔ مگر ترویج دین کی طرف اہل اقتدار نے کوئی توجہ نہ دی۔ ضرورت اس بات
کی تھی کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کو صحیح طور پر ایک اسلامی ملک بنایا جاتا۔ اسلامی
تعلیمات کی اشاعت ہوتی۔ نوجوانوں کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرایا جاتا۔
انہیں بتایا جاتا کہ پاکستان کے لئے برصغیر کے مسلمانوں نے کس لئے جدوجہد کی تھی اور
بے شمار قربانیاں کیوں دی گئیں تھیں۔ لیکن افسوس کہ اس طرف سے توجہ ہٹالی گئی۔
اقتدار کے لئے رستہ کشی شروع ہو گئی۔ ابھی ملک کی جڑیں مضبوط بھی نہ ہوئی تھیں کہ
طوفان حوادث نے اسے اگھیرا۔ مذہب بیگانگی نے اور بھی غضب ڈھایا۔ ہم نے
خود کو صوبوں سے خصوصیت سے ملی اور یہ بھول گئے کہ ہم اول و آخر صرف مسلمان
ہیں۔

ہمارے ملک پر جو آفات نازل ہوئیں ان کا بنیادی سبب ہماری مذہب
بیگانگی تھا۔ اگر ابتداء ہی سے علم دین کی ترویج و اشاعت پر زور دیا جاتا تو ہمیں یہ

بڑے دن ہرگز نہ دیکھنا پڑتے۔

آج ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری نئی نسل کو جو مغرب کی تعلیم میں دیوانی ہوتی جا رہی ہے۔ اسلامی تعلیم، اسلامی تہذیب اور اسلامی تاریخ سے روشناس کرایا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں نیک نیتی سے کوششیں شروع کر دی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری نسل اپنی منزل کو نہ پالے۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبالؒ

ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

تہذیب مغرب کے دلدادہ اور اسلامی تہذیب سے نااہل اپنی کوتاہ نظری پر رونے اور آنسو بہانے کی بجائے اسلام کو

اتمام حجت

مطمئن کرتے ہیں کہ اس کا اپنا کوئی معاشی و اقتصادی نظام نہیں ہے ان سے گذارش ہے کہ وہ تہذیب مغرب کی بجائے اسلام کی تہذیب تمدن کا مطالعہ کریں عربی زبان سیکھیں اسلام کی تہذیب تمدن اور اس کے اقتصادی و معاشی نظام کی دولت لازوال اور عظیم سرمایہ عربی زبان میں ہے جسے بدریج مختلف زبانوں میں ڈھالا جا رہا ہے۔ قرآن کریم، تفاسیر، احادیث، نبویہ صحاح ستہ وغیرہ ان کی شروح، کتب فقہ اور اسلامی آئین کے مجموعہ ہائے عظمیٰ، درمختار، شامی، فتح القدیر، مالگیری وغیرہ اسلام کے پاس ایسے عظیم الشان ذخائر جو ابھر رہے ہیں کہ ان کے مقابلے میں پوری دنیا کی تہذیب تہی و خالی نظر آتی ہے۔ راقم نے ان بے بہا ذخائر سے اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کے جو اہر چن چن کر اس کتاب میں یک جا جمع کر دیے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ان لوگوں کی ذہنی اور قلبی اصلاح متوقع ہے جو عربی زبان

سے ناواقف ہونے کی بنا پر اسلام کے نظام معیشت کے مطالعہ سے بہرہ یاب نہیں ہو سکے اور ان حضرات کے معلومات میں اضافہ کی امید بھی ہے جو عربی زبان سے واقف ہونے کے باوجود گونا گوں اور طرح طرح کی مصروفیات کی وجہ سے اسلام کے اقتصادی نظام کا کماحقہ مطالعہ کرنے کا موقع نہیں پاسکے۔ انشاء اللہ العزیز عام مطالعہ کے شائقین سے بے کرمدرس، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علم اور اساتذہ تک کے لئے راقم کی یہ کوشش مفید ثابت ہوگی۔

نہ از ساقی نہ از پیما نہ گفتم حدیث عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچه از پاکان امت ترا با شوخی زندانہ گفتم
انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

داستلام ————— محتاج دعا

————— مفتی محمد ابو سعید غلام سرفادری

شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری کی دیگر تصانیف

